ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے نوازا گیا انگریزی ناول
حویلی کی دُنیا
رما مہتہ
साहित्य

حویلی کی دُنیا

ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے نوازا گیا انگریزی ناول

حویلی کی دُنیا

مصنف

رما مہتہ

مترجم

ابوالحسنات

ساہتیہ اکادمی

Haveli Ki Dunia : Urdu translation by A. Hasnath of Rama Mehta's award-winning novel *Inside the Haveli* in English, Sahitya Akademi, New Delhi (1997) Rs. 140

پہلا ایڈیشن : ۱۹۹۷ء

ساہتیہ اکادمی

ہیڈ آفس

رویندر بھون، ۳۵ فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

سیلز آفس

سواتی مندر مارگ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

علاقائی دفاتر

جیون تارا بلڈنگ، چوتھی منزل، ۲۳ اے/۴۴ ایکس۔ ڈائمنڈ ہاربر روڈ، کلکتہ ۷۰۰۰۵۳

۱۷۲، ممبئی مراٹھی گرنتھ سنگھرہالیہ مارگ، دادر، بمبئی ۴۰۰۰۱۴

گنا بلڈنگ، دوسری منزل، ۳۰۴۔ ۳۰۵، انا سلائی، تینام پیٹھ۔ مدراس ۶۰۰۰۱۸

اے۔ ڈی۔ اے رنگ مندر ۱۰۹ جے۔ سی۔ روڈ۔ بنگلور ۵۶۰۰۰۲

قیمت : ایک سو چالیس روپے

ISBN : 81-260-0270-0

طباعت: ناگری پرنٹرس، نوین شاہدرہ، دہلی ۱۱۰۰۵۱

حصّہ اوّل

پہلا باب

اودے پور سابق مین ریاست میواڑ کا پایۂ تخت رہا ہے لیکن اب راجستھان کے کئی اور شہروں کی طرح یہ بھی ایک شہر ہے۔ لیکن شہریت کی تبدیلی سے نہ تو اس کی خوب صورتی میں رتی بھر فرق آیا اور نہ ہی اس کی پُراسرار فضا میں ہی کوئی تبدیلی واقع ہوئی۔ لوگ اس کو پُرانا شہر کہتے ہیں۔ ایک فصیل دیوار دونوں طرف سے گھیر رکھی ہے اور چار سو سال کی طویل مدت کے بعد شکستہ ہو چکی ہے۔ اس میں تو اب کئی شگاف پڑ چکے ہیں۔ لیکن اس دیوار کو تو اب بھی اودے پور کو دو حصّوں میں منقسم کر رکھا ہے۔ نیا گاؤں اس قدیم دیوار کے باہر واقع ہے۔ البتہ شہر تو اسی چار دیواری میں ہے۔

اس شہر کے مغربی علاقہ میں پچھولا جھیل ہے۔ اس میں لوگ نہاتے ہیں، اور یہیں پر دھوبی گدھوں پر میلے کپڑے لے آتے ہیں اور جھیل کے کنارے انھیں پچھاڑ کر صاف کرتے ہیں۔ جھیل سے واپس لوٹتی ہوئی عورتیں گھر میں آگ جلانے سے پہلے مندر میں گھنٹیاں بجاتی ہیں۔ اس جھیل کا پانی جو شہر تک پہنچتا ہے گندا ہوتا ہے اور کبھی کبھی تو اس میں بدبو آنے لگتی ہے۔ خصوصاً اس وقت جب کہ برسات نہیں ہوتی۔

نہر کے شمالی علاقہ میں سجن گڑھ ڈھلوان پہاڑی ہے۔ اور کسی زمانہ میں یہاں گھنا جنگل تھا۔ جہاں پر راجہ مہاراجہ شیر اور چیتوں کا شکار کرنے آیا کرتے تھے۔ اس پہاڑی سے غریب لوگ لکڑیاں چُن کر اپنا چولہا سلگاتے تھے۔

لیکن اب اس علاقہ کے پیڑ تناور اور پت جھڑ کی اتنی کثرت بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے جنگل کی راہ سجھائی نہ دے۔ یہاں کے عوام کی زندگی تو برساتوں پر منحصر ہے۔ جب برسات نہیں ہوتی تو جھیل اور ندیاں سوکھ جاتی ہیں اور درخت مرجھا جاتے ہیں۔

شہر کے اطراف جو دیوار ہے اس میں چار دروازے لگے ہیں۔ ان بلند دروازوں کے حاشیوں پر نوک دار آہنی سلاخیں لگی ہوئی ہیں۔ اودے پور کے حکمرانوں کو مغل فوجوں کے حملہ کا جب خوف ہوتا تو یہ دروازے شب میں بند کر دیئے جاتے تھے۔ اب تو اس کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔ اس لیے یہ دروازے کھلے ہی رہتے ہیں۔ انھیں دروازوں سے شہر کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔

یہاں صرف ایک بڑی سڑک ہے جو محل کی طرف نکلتی ہے لیکن اس سڑک پر کئی چھوٹی گلیاں ہیں جو ہمیں شہر کی طرف نکالتی ہیں۔ کچھ گلیاں تو اتنی چوڑی ہیں کہ یہاں سے ایک موٹر کار گزر سکتی ہے۔ بشرطیکہ دوسرے رُخ سے کوئی کار نہ آ رہی ہو۔ چند گلیاں تو اتنی تنگ ہیں کہ وہاں صرف سیکل کی سواری ہو سکتی ہے۔ گلیوں کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی دکانیں لگی ہیں۔ ان گلیوں کا جال اتنا بکھرا ہوا ہے کہ ان سے گزر کر کسی بھی مکان تک رسائی ہو سکتی ہے اور بچّے دوڑ کر کسی کے جنم، بیاہ اور موت کی خبریں ایک گھر سے دوسرے گھر تک پہنچا سکتے ہیں۔ اس بڑی سڑک کے دونوں طرف بڑی دکانیں ہیں جو خریداروں سے ہمیشہ بھری رہتی ہیں اور گاہکوں کو راغب کرنے کے لیے ان دُکانوں پر گلابی، نارنگی اور سبز ریشمی کپڑے ساٹن اور اطلس ٹنگے رہتے ہیں۔

جس سفید پتھر سے تعمیر کیے ہوئے محل میں یہاں کے رانا چار سو سال تک اپنا دربار منعقد کرتے ہیں۔ وہ ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے۔ جہاں سے پچھولا جھیل دکھائی دیتی ہے۔ یہ محل جو آب و تاب کے ساتھ غریبوں کی جھونپڑیاں اور مکانات کے قریب واقع ہے۔ ان لوگوں کو محل کی روشنیاں

دیکھنے اور ہاتھیوں کی چنگھاڑ سننے میں مسرت حاصل ہوتی تھی کہ ان کا حکمراں تو اپنا رانا ہے۔ جو ان کا نگراں ہے۔ گزشتہ پچیس سال سے اس محل کی روشنیاں گل ہوگئیں اور میواڑ کا جھنڈا سرنگوں ہوگیا۔ عوام کو اس کا دکھ ہوا کیوں کہ رانا سے ان کے تمام اختیارات چھین لیے گئے اور خزانہ پر ان وزراء کا کوئی اقتدار باقی نہ رہا اور انھیں زمینوں کے عطیہ جات دینے کا کوئی حق حاصل نہ رہا۔ ریاست میواڑ اور اس کے دارالحکومت میں بہت کچھ تبدیلیاں ہوچکی ہیں لیکن ابھی تک پرانے شہر میں رہنے والوں کو وہ دن یاد نہیں جب یہاں کی ہر چیز رنگین تھی اور رانا جب تخت پر براجمان ہوتے تو امیر اور غریب دونوں کو مخاطب کرتے۔ کوئی فرد ان دونوں کو بھول نہیں سکتا۔ جب کہ اودے پور عوام کا اپنا شہر تھا۔

انھیں پتہ ہے کہ اس پرانے شہر کی دیوار کے عقب میں ایک نئی بستی آباد ہوتی ہے۔ اس پختہ اور کشادہ سڑک کے دونوں طرف صاف ستھرے گھروں کی گھروں کی قطاریں انھیں دکھائی دینے لگیں۔ ان مکانوں کے باغیچوں میں گلاب کھلتے ہیں اور انھیں سبز گھاس کا فرش دکھائی دیتا ہے۔ یہاں کی فضا خوشگوار ہے اور یہاں اوپلے جلانے کا دھواں نہیں پایا جاتا ہے لیکن اس نئی بستی میں زندگی کی لہر نہیں ہے۔

ان لوگوں کو پتہ نہیں تھا کہ اودے پور کیسا شہر تھا وہ تو ابھی ابھی نئے نئے آئے ہیں۔ ان کے آبا و اجداد یہاں کے باشندے نہیں تھے۔ انھیں اس کا علم نہیں کہ ان کا پیشہ کیا تھا اور وہ کس کی پوجا کرتے تھے ان کی خوشیاں اور غم کیا تھے۔ یہ لوگ میواڑ کے باسی نہیں ہیں، وہ معاش کی تلاش میں یہاں چلے آتے ہیں یہاں کی جھیل اور پہاڑیاں گرمیوں میں ان کا دل موہ لیتے ہیں، اور انھیں ٹھنڈک پہنچاتی ہیں۔ اس نئی بستی میں گلاب کے باغیچوں نے امیر اور غریب کو ایک دوسرے سے الگ کر رکھا ہے، وہ ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے ان کی طرز زندگی جداگانہ ہے۔ ان دونوں کے درمیان محض ایک پختہ سڑک ہے۔ جس پر چلنے کا غریب عوام کو بھی حق حاصل ہے۔

اس نئی بستی میں رہنے والے لوگ پرانے شہر کی کھوج میں لگے رہتے ہیں وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ اس پرانے شہر میں بسنے والے لوگ ان چھوٹی چھوٹی گلیوں اور دھوئیں سے لدی فضا چھوڑ کر باہر کیوں نہیں نکل آتے اور کھلی ہواؤں میں ان سے میل جول کیوں نہیں بڑھاتے۔ جہاں انھیں مکان بنوانے کے لیے زمین بھی مل سکتی ہے۔ گھری ہوئی حویلیوں پر انھیں حیرت ہوتی ہے جو سنگ مرمر یا پتھر کی بنی ہوئی ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ ان حویلیوں کی محرابوں میں کتنا سونا چھپایا گیا ہے۔ ان کے آنگن میں جھانکنے کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے کیوں کہ ان کے دریچے اتنے بلند ہیں کہ ان میں جھانکنا بھی محال ہے۔ نئی بستی کے لوگوں نے پُرانا شہر چھوڑ دیا اور وہ ان حویلیوں کے مردانہ اور زنان خانہ کے حالات جاننے سے قاصر رہے۔

دوسرے امرا، کی طرح سنگرام سنگھ کی حویلی بھی ایک گلی میں واقع تھی۔ اس حویلی کی تعمیر تین سو سال قبل کی گئی تھی اور اس کے آنگن سے لگے تین کمرے تھے۔ لیکن جس طرح بڑ کا درخت جڑ پکڑنے کے بعد بڑھتا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ حویلی وسیع ہوتی گئی۔ آج اس حویلی میں کئی آنگن ہیں۔ اس میں کئی کمرے ہیں۔ اب اس کی جڑیں اتنی مستحکم ہو چکی ہیں کہ اس کی بنیادیں ہل نہیں سکتیں۔ البتہ موسم گرما کی ہوائیں غریبوں کے لکڑی کے گھروں کی چھتیں اڑا لے جاتی ہیں اور برسات اس گلی میں غریب گھروں کی مٹی کی دیواروں کو برباد کر دیتی ہے اس گلی کی سب سے بڑی حویلی تو سنگرام سنگھ جی کی ہے۔

البتہ وہ اتنی وسیع نہیں کہ اس کو پرانے شہر کی سب سے بڑی حویلی قرار دیا جائے۔ اس حویلی کی کوئی خاص وضع بھی نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ پتھر اور سنگِ مرمر عجلت سے ایک دوسرے پر جما دیئے گئے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ حویلی بغیر کسی منصوبے کے پھیلتی گئی۔ جب یہ کچھ پیچھے ہٹنے لگی تو کچھ زمین خالی ہو گئی اور دوسرے رُخ پر وہ اس طرح پھیل گئی کہ اس نے اس کو کچھ اور تنگ بنا دیا۔ خاص طور پر اس مقام پر جہاں یہ کہ حویلی کے گرد سڑتی ہے۔

باہر سے اس حویلی کی کوئی باقاعدہ شکل دکھائی نہیں دیتی۔ البتہ حویلی کا

اندرونی حصّہ ایک مخصوص منصوبے کے مطابق تھا۔ اس کے متعدد آنگنوں نے حویلی کو کئی حصّوں میں بانٹ رکھا تھا۔ چوں کہ اودے پور کی خواتین پردہ کرتی تھیں۔ اس لیے اس حویلی کے علیحدہ علیحدہ حصّوں میں تمام رہائشی سہولتیں فراہم کردی گئی تھیں۔ ان کی سب کارگزاریاں انھیں کمروں میں ہوا کرتی تھیں۔ مردانہ علاقہ تک رسائی کے لیے انھیں آنگن پار کرنا پڑتا تھا۔ کئی برسوں سے یہاں کا دستور رہا ہے کہ اپنے قریبی مرد رشتہ داروں کو ہی حرم سرا میں داخلہ کی اجازت تھی۔ اس کے باوجود کوئی مرد بغیر اطلاع کے آنگن میں قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔

پہلے تو اس حویلی کے نوکر جہاں کہیں انھیں جگہ مل جائے سو جایا کرتے تھے۔ لیکن اب ان کے لیے بھی ایک علیحدہ جگہ دے دی گئی ہے۔

حویلی کے نچلے حصّہ میں نوکروں کو رہائش کی جگہ دے دی گئی تھی ان نوکروں کے آنگن میں کوئی دیوار حائل نہیں تھی اور نوکرانیوں کو اپنے پتی سے بات چیت کرنے کی مکمل آزادی تھی۔ انھیں اپنی بیویوں سے بات چیت کرنے کے لیے رات کی تاریکی کا انتظار کرنا نہیں پڑتا تھا۔

اس حویلی میں نہ کوئی راز پنہاں تھا اور نہ کوئی ہو سکتا ہے کیوں کہ یہ ایک ہی گھرانہ تھا۔ یہاں کے آنگن ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔

دوسرا باب

ایک طوفانی رات جبکہ گھڑی میں بارہ بجے تھے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد سنگرام سنگھ جی کی سنگِ مرمر کی حویلی میں نوکروں کی رہائش گاہ میں سیتا کا جنم ہوا۔ اس کا جنم ہونے کے بعد سرجو دایہ لکشمی کے قریب جا بیٹھی جو زمین پر بچھی ہوئی چٹائی پر لیٹی ہوئی تھی۔ وہ اپنے ماں کے بازو میں پڑی انگلیاں چوس رہی تھی۔

سرجو بارش کے تھم جانے کا انتظار کر رہی تھی لیکن دروازے کے باہر سے جب اس کو بادل کی گرج سنائی دی اور بجلی کی چمک دکھائی دی اس نے آرام کرنے کے لیے کپڑوں کی گٹھری پر اپنا سر رکھ ڈالا۔

جب اسے بچے کے رونے کی آواز سنائی دی تو لکشمی کا شوہر گنگا رام ٹھنڈی آہیں بھرتے ہوئے بولا۔" لڑکی ہوئی ہے۔" کھیالی رسوئیا اور گنگا رام دونوں حویلی کے برآمدے میں بیٹھے ہوئے اس خبر کا انتظار کر رہے تھے۔ گنگا رام کا کہنا تو ٹھیک ہی تھا اگر لڑکا ہوتا تو کیا سرجو برسات میں بھاگتی ہوئی نہ آتی اور اونچی آواز میں نہ کہہ اٹھتی ۔" لڑکا ہوا ہے پیسہ دو۔" گنگا رام نے بیڑی کا ایک لمبا دم لگایا اور اس کو حقارت سے پھینک ڈالا۔

پریشان کیوں ہوتے ہو، بھگوان ان سب کی رکھوالی کرتا ہے جنھیں وہ سنسار میں بھیجتا ہے۔ کھیالی نے کہا۔ مانتا ہوں کہ لڑکیاں ایک بوجھ ہوتی ہیں لیکن جب وہ جنم ہی لے لیتی ہیں تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔ اب تک تو میں خوش قسمت

ہوں کون جانے کل کیا ہوگا۔" مدسویا نے جماہی لی اور اپنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے خمار بھری آواز میں کہا کہ " پتہ نہیں کی چھوٹی مالکن نے کیا جنم دیا ہوگا۔ تین گھنٹے تو ہو چکے جب کہ لیڈی ڈاکٹر اندر گئی تھی، جو بھی ہو جلدی ہو جائے تو اچھا ہے۔ آدھی رات تو گزر چکی ہے۔ خوش قسمت لوگ تو یہ بھول جاتے ہیں کہ نوکروں کو بھی آرام چاہیئے۔

بے شک اس کو لڑکا ہی ہوگا۔ امیر جو چاہتے ہیں انھیں مل جاتا ہے۔ تمام پریشانیاں تو غریبوں کے حصے میں آتی ہیں۔" گنگارام نے چڑچڑاہٹ سے کہا جب وہ کچھ اور ہی کہنے والا تھا کہ آنگن سے کسی کے آنے کی آہٹ سنائی دی اور دروازہ کھلا۔

" جب کوئی کام کرنا ہوتا ہے حویلی کے سب نوکر غائب ہو جاتے ہیں۔ کون جانتا ہے کہ اس گھر میں پندرہ نوکر ہیں۔ سب ہی سمجھتے ہوں گے کہ یہاں صرف ایک بوڑھی نوکرانی رہتی ہے۔ پارلی نے اپنی تیز اور حقارت آمیز آواز میں کہا اور وہ ان دو نوکروں کو گھورنے لگی۔ بارہ گھنٹوں سے کام کر رہی ہوں۔ اور کیوں نہیں۔ آخر میرے مالک سنگرام سنگھ جی کی پہلی پوتی کا جنم جو ہوا ہے یہ کہتے ہوئے اس نے ایک لمبی سانس لی اور دکھ بھری آواز میں کہا۔" اگر لڑکی ہوئی تو کیا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ سب کے سب نوکر غائب ہو جائیں کیا یہ وقت بیٹھے رہنے اور تمباکو پینے کا ہے؟ گنگا کہاں ہے۔

پارلی کو جواب دیئے بغیر یہ دونوں نوکر کھلے ہوئے دروازے سے باہر نکل پڑے اور آنگن میں آئے۔

"گنگا۔ اوہ گنگا تم کہاں ہو؟" پارلی چلا کر بولی۔ کیا تم مر گئے ہو کہ تمھیں میری آواز سنائی نہیں دیتی۔ برآمدہ کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے گنگا نے کہا۔ " جی جی میں تو ابھی ابھی لکشمی کو دیکھنے نیچے گیا تھا۔ اس کو لڑکی ہوئی ہے۔ پارلی نے کہا تمھاری مالکن کو بھی تو لڑکی ہوئی ہے۔ اوپر جاؤ اور باتوں میں وقت ضائع نہ کرو۔ تمھیں دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ لڑکی ہو جائے پر لکشمی خوش ہے۔ غریب لڑکی کو تو جہیز کی فکر لگی ہوگی جو اس کو دینا پڑے گا۔ خصوصاً جب کہ لڑکی

کی شبا ہت اس کے باپ پر گئی ہے۔ نوکروں کو کام سونپ دینے کے بعد پارلی فرش پر بیٹھ گئی اور اپنی انگیا سے نسوار کی ڈبیا نکالی اس میں سے ایک چٹکی بھر نسوار اٹھائی اور آہستہ سے سونگھنے لگی۔

پارلی تو اس حویلی میں آٹھ دوسری نوکرانیوں کی طرح ایک نوکرانی تھی لیکن ہوشیاری، محنتِ شاقہ اور پینتالیس سال کی خدمت گزاری کے بعد اس خاندان میں اس نے اپنا سکّہ جما لیا تھا۔ وہ آٹھ برس کی تھی جب کہ اس نے حویلی میں قدم رکھا۔ جس سال اس کے والد اس کو حویلی میں لے آیا تو اس وقت راجستھان میں زبردست قحط پڑا تھا۔

پارلی کے والدین اپنی سات اولادوں میں سے تین کھو چکے تھے۔ پارلی اپنے والد کی لاڈلی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ جن بچوں کی طرح یہ بھی بھوک سے بلک بلک کر مر جائے۔ اس نے اس کو کسی کے سپرد کر دینا چاہا۔ راجستھان کے جاگیردارانہ نظام میں یہ دستور عام تھا کہ غریب دیہاتی اپنے لڑکے اور لڑکیاں رئیس گھرانوں کو سونپ دیا کرتے تھے اور اس کے بعد ان کی پرورش کی ذمہ داریاں اس خاندان پر عائد ہو جاتی ہیں۔

پارلی جب جیون نواس کے پھاٹک میں داخل ہوئی تھی تو سنگھ رام جی کے پتا رام سنگھ جی اس خاندان کے سربراہ تھے۔ بچپن سے ہی وہ اپنی مالکن کی چہیتی بن گئی۔ دو سال بعد اس کا بیاہ کر دیا گیا لیکن اب پچاس سال بعد نہ تو اس کو اپنی شادی کا دن یاد تھا اور نہ ہی وہ دن جب کہ وہ بیوہ ہوئی تھی، لیکن حویلی میں کئی مالکوں کی جو اس نے خدمت گزاری کی اور اس کے صلہ میں اس نے جو عنایات پائیں اس کو وہ سب کچھ یاد تھا۔ اس خاندان کی چار پشتوں سے وہ بخوبی واقف تھی۔ ان کے جنم دن اور ان کی شادیاں ان کی خوشیوں اور غم میں وہ برابر کی شریک رہی۔ تقریبات کی وہ تمام رسموں اور روایتوں سے واقف تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ان تقاریب میں کیا کیا تحائف بھجوائے جاتے ہیں۔ اس حویلی میں جو دلہنیں بہو بن کے آتی ہیں وہ اس کی ہدایت پر عمل کرتی ہیں۔ وہ جانتی تھیں کہ اس کو وہی رتبہ دیا جانا چاہیے جو کسی رشتہ دار کو دیا جاتا ہے۔

وہ نوکرانی صرف نام کی تھی اور اس نے اپنے آپ کو اس سے بڑھ کر فوقیت جتانے کی کوشش نہیں کی لیکن دوسرے نوکر اس کے مرتبہ سے بخوبی واقف تھے اور وہ اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہ نوکر لوگ تو اس کے حکم کی ویسے ہی تعمیل کرتے جیسے کہ وہ مالکن کے حکم ہوں۔ پارلی نے اپنے پتلے پیر پھیلائے موسلا دھار بارش کو تکنے لگے اور سوچنے لگی۔ ” لڑکی ہو گئی تو کیا ہوا؟ آخر کار سات سال کے عرصے میں یہ پہلا موقعہ ہے جب کہ اس حویلی میں چار کے افراد ایک ساتھ بستے ہیں۔ اس نئی پیدائش کا جشن تو اسی انداز سے منایا جاتا ہے جیسے کہ خاندان میں لڑکا ہی پیدا ہوا ہو۔ بے شک ایسا ہی ہو گا۔ لیکن اب سپنے دیکھنے کا وقت تو نہیں رہا۔ مجھے کام پر لگ جانا چاہیے۔“ اس کے ذہن میں یہ بات ٹھن گئی اور اس کی رگوں میں خون دوڑنے لگا۔

وہ اب ہونے والی تقریبات کے بارے میں سوچنے لگی۔ وہ گھبراہٹ سے اٹھی اور انگیا میں اپنی نسوار کی ڈبیا ڈالتے ہوئے جھٹ سے اندر چلی گئی۔

پارلی جب اپنی چھوٹی مالکن گیتا کے کمرے میں داخل ہوئی تو لیڈی ڈاکٹر نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ” پارلی جی ان لوگوں سے کہو کہ کہیں اور جا کر باتیں کریں۔ میں انھیں خاموش رہنے کے لیے کہتے کہتے تھک گئی ہوں لیکن میری کوئی نہیں سنتا میں نے دو کو اوپر بھجوا دیا لیکن دوسری دو اور عورتیں اندر چلی آگئیں۔ تمھارے پتی جی اور بچے کو آرام کرنا ہے۔“ لیڈی ڈاکٹر نے یہ کہتے ہوئے اپنا بیگ اٹھا لیا اور وہاں سے چل پڑی۔

یہ ڈاکٹر لوگ سمجھتے ہیں کہ بچہ کی پیدائش آپریشن کے موافق ہوئی ہے چپ رہو، بات مت کرو۔ اس کو صاف کرو۔ اس کو گرم کرو۔ یہ سب فضول کی باتیں ہیں۔ سر جو نے اس کے کمرے میں دس زچگیاں کروائی ہیں۔ لیکن میں نے اس سے قبل اس طرح کا ہنگامہ کبھی نہیں دیکھا۔ پارلی نے گنگا رام اور دوسری نوکرانیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ان سب نے بھی اس سے اتفاق کیا

اور مسکرانے لگے۔

کمرہ میں گیا شب کے باوجود گینا کی آنکھ لگ گئی۔ بارش تھم چکی تھی اور مطلع صاف ہو گیا تھا۔ برسات کی یہ رِم جھم ان دو بچیوں کے لیے لوری ثابت ہوئی ایک وہ لڑکی جو مالکن کو ہوئی تھی اور دوسری وہ جو کہ حویلی کی ایک نوکرانی نے جنم دیا تھا۔

تیسرا باب

لکشمی جب اس حویلی میں آئی تھی تو اس کی عمر دس برس کی تھی۔ پارلی کی طرح دوسرے نوکر اس کو یہ کہہ کر ستانے لگے کیونکہ وہ سیاہ رنگ کی ہے۔ بدصورت ہے اور انھیں بھاری جہیز دینا پڑے گا۔ اس لیے اس کے ماں باپ نے اسے حویلی بھیج دیا۔ لیکن لکشمی نے ان باتوں کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ حویلی کے پچھواڑے میں کھیلتے ہوئے اسے خوشی محسوس ہوئی لیکن کام کرتے وقت وہ بڑبڑایا کرتی۔ سنگرام سنگھ جی کی بیٹی عادات و اطوار کو پرکھنے میں ماہر تھیں۔ لکشمی جب چودہ برس کی ہوئی تو اس نے اس کا بیاہ اس حویلی کے نوکر گنگارام سے کروادیا۔ گنگارام ایک سادہ لوح اور رحم دل انسان تھا۔ نوکروں کے بچے اس کو چاہتے تھے۔ رسوئی گھر کو جب وہ روزانہ لکڑیاں اپنے سر پر لے جاتا تو اس بوجھ سے اس کے پیر لڑکھڑاتے اور بچے اس منظر کو دیکھ کر ہنس پڑتے لیکن ان کی اس حرکت پر وہ انھیں برا بھلا نہیں کہتا۔ بچے جب اس کے چیچک کے داغ بھرے چہرہ اور ٹیڑھی ناک کا مذاق اڑاتے تو اس کا وہ بُرا نہیں مانتا تھا۔ وہ بغیر کوئی شکایت کے اپنے کام پر لگا رہتا البتہ لکشمی کو اس سے کئی شکایتیں تھیں وہ اس کی بدمزاجی اور پھٹے ہوئے کپڑوں پر نکتہ چینی کیا کرتی۔

اس نے اپنی مالکن کو قصوروار ٹھہرایا کہ اس نے اس کی شادی ایک غریب اور ٹیڑھی ناک والے انسان کے ساتھ کروادی۔

پارلی اس کو تسلی دیتی رہی اور کہا "مجھ ہی کو دیکھو میں تو تقریباً عمر بھر

ودھوا ہی رہی ہوں لیکن ابھی تک سسرال والوں سے کوئی چھٹکارا نہیں پاسکی۔ تمھیں توکسی کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمھاری توکوئی ساس نہیں۔ دیور اور جیٹھ نہیں۔ تم اپنی تنخواہ اپنی مرضی سے خرچ کرسکتی ہو لیکن سسرال والوں کی مانگیں پوری کرنے کے بعد میرے پاس ایک کوڑی بھی باقی نہیں رہتی۔ اور مجھے ان سے ملتا ہی کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں ایک چولی تک نہیں لیکن مجھے کوئی شکایت نہیں، ہمیں توقسمت کے آگے سرجھکانا پڑتا ہے۔ اس سے تو کوئی چھٹکارا نہیں۔

لکشمی اس بات کو غور سے سنتی لیکن کوئی اس کو اس بات کا یقین نہ دلا سکا کہ صفائی کرنا اور جھاڑو لگانا ایک دلچسپ کام ہے یا وہ خوش نصیب ہے کہ اس کو گنگارام جیسا شوہر ملا ہے۔

ایک اور خادمہ دھاپو نے اس کو توجہ دلائی کہ وہ اب بچّی تھوڑے ہی ہے۔ وہ ایک شادی شدہ عورت ہے۔" تم اپنا گھونگھٹ ہٹا کر تو دیکھو۔ دوسرا کوئی انسان ہوتا تو تمھاری مارپیٹ کرتا لیکن گنگارام تو سادھو ہے میں تمھیں بتائے دیتی ہوں لکشمی اگر تم بچّوں کی طرح ضد کرتی رہوگی تو ایک دن گنگارام بھی تمھارے خلاف ہوجائے گا۔ جو پتنی اپنے پتی کو سُکھ نہ پہنچائے تو کون ایسا انسان ہوگا جو اس کو برداشت کرے گا؟

لیکن لکشمی اپنے رویہ پر قائم رہی۔ جب اس کو کوئی کام دیا گیا تو وہ کر بیٹھتی ورنہ وہ خواب و خیال کی دنیا میں کھوئی رہتی۔ مالکن نے اس کو جو چاندی کے پائل اور کنگن دیئے تھے اس کو صاف کرنا اور چمکیلے بنائے رکھنا اس کا مرغوب مشغلہ تھا۔ آخرکار اس کی عمر پندرہ سولہ سال ہی تو تھی۔

لکشمی اپنے تنگ و تاریک اور مرطوب کمرہ کے فرش پر فرش پر اطمینان کی سانس لیے لیٹی ہوئی تھی۔ ہر سال مجھے بچّہ ہوگا اور دوسرے ہی دن اس نے مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔ آرام لینے کے لیے تو یہی ایک راستہ ہے۔ جھاڑو لگانے اور برتن دھونے سے اکیس دن کا تو چھٹکارا ملے گا۔ ہم عورتوں کو اگر اکیس دن سے زائد مدت تک ناپاک اور گندہ سمجھا جائے تو اور بھی مزہ آئے گا۔

حویلی میں محنت و مشقت سے نجات پانے کا آسان راستہ مل جانے پر لکشمی نے اپنی نوزائیدہ بچّی کو جو اس سے چمٹی ہوئی تھی گود میں لے لیا اور اس کو دودھ پلانے لگی۔

کمرہ کا دروازہ کھلا اور گنگا چوروں کی طرح دبے پاؤں اندر چلی آئی۔ اور اپنی بلند اور جوشیلی آواز میں کہا لکشمی کیا تم جانتی ہو کہ وجے بائی صاحب کے جنم کا جشن اس طرح منایا جائے گا گویا وہ لڑکا ہے۔" مجھ کو اس طرح تو نہ دیکھو، نادان لڑکی! کیا تمھیں اندازہ بھی ہے کہ اس کا مطلب کیا ہے؟

وہ بڑھیا پارلی صبح جب مجھ سے ملنے آئی تو میں نے تب ہی بھانپ لیا کہ اس کے ذہن میں کیا ہے۔ اس نے کچھ بتایا تو نہیں۔ وہ محض اپنا سر کھجلاتی رہی۔ اس شاندار جشن پر جو ساڑیاں بانٹی جائیں گی غالباً وہ اس کی فہرست بنا چکی ہوگی۔

تمھیں خوش کرانا تو قطعی ناممکن ہے لکشمی۔ سبھی تو شادمان ہیں۔ محض تم ہی ایک واحد فرد ہو جو خوش نہیں ہو۔ ہمیں تو مٹھائیاں اور نئے کپڑے ملیں گے۔ رقص و سرور کی محفل جمے گی۔ تمھیں اور کیا چاہیے؟

"تم اس پر مکمل اعتبار نہ کرو۔ میں نے پارلی کو کہتے سنا ہے گنگا کو ریشم مت دینا۔ وہ آلسی ہے۔ چمپا کو وہ مت دینا وہ نکمی ہو جائے گی۔ تم جانتی ہو کہ آخر میں ہمیں تو سوتی ساڑیاں ہی ملیں گی جس کی رنگوائی سرخ رنگوں میں کی گئی ہوگی تاکہ وہ نئی نئی سی لگے یاد رکھو میں نے حویلی میں کل ہی قدم نہیں رکھا ہے۔

"ششش ششش۔ تم بہت باتیں کرنے لگی ہو۔ گنگا نے کہا۔ تم بھی میرے لیے مصیبت کھڑی کردوگی۔

جیسے یکایک اس کو کوئی بات یاد آگئی ہو۔ لکشمی اٹھ بیٹھی اور اپنی بھنویں سکوڑتے اور سر ہلاتے ہوئے کہنے لگی۔" اب مجھے پتہ ہے کہ سرجو کہاں مر گئی۔ وہ تو مالکن کے پاس ہوگی اور خوشامد کرتی ہوگی تاکہ اس کو سب کچھ ملے جو وہ چاہتی ہے۔ اس کو آنے تو دو۔ وہ اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہے۔؟ آخر میں بھی تو اپنی زچگی کی رقم دے رہی ہوں۔ وہ کوئی مفت کام تو نہیں کر رہی ہے لیکن وہ عورت تو اتنی حریص ہے کہ کچھ مزید روپیوں کے لیے وہ بخوشی کسی کو مرتے ہوئے دیکھ سکتی ہے۔

لکشمی تم نادان ہو۔ میں نے تمھیں کتنی مرتبہ کہا ہے کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں لیکن تم ہو کہ بکواس کرتی چلی جارہی ہو جیسے کہ یہ حویلی تمھاری ہی ہے۔ گنگا نے چہرہ پر گھونگھٹ ڈال لیا۔ دروازہ کھولا اور باہر چل پڑی۔

اس کھلے ہوئے دروازے سے سرجو اندر داخل ہوئی اور کہا لکشمی تم جلدی سے اٹھ بیٹھو ورنہ تم ان رنگ رلیوں سے محروم ہو جاؤ گی۔ یہ کہتے ہوئے سرجو دایہ نے ساڑی کا پلو اپنے گھاگھرے میں ٹانگ دیا اور بچپن کی مالش کرنے کی تیاریاں کرنے لگی۔

لکشمی نے خفگی اور طنز آمیز لہجہ میں کہا ” اگر تمھیں اس بات کا یقین ہو جائے کہ اس جشن پر تمھیں سونے کی چوڑیاں ملیں گی تب تو میرا یہاں درد سے تڑپتے ہوئے پڑا رہنا سود مند ثابت ہو گا۔

تم نے اپنے آپ کو سمجھ کیا رکھا ہے کہ اس طرح مجھ سے بات کرنے لگی ہو سرجو نے اپنی کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ” میں تمھاری کوئی نوکرانی تو نہیں تم اپنے دس روپے اپنے پاس ہی رکھو اور کسی دوسری دایہ کو بلا لو۔ میں بھوکی تو نہیں مروں گی کہ تم سے اس طرح کی باتیں سنتی رہوں تم سمجھتی ہو کہ تم جیسوں کے لیے میں بی جی سے غفلت برتوں۔ خصوصاً جب کہ ان کی یہ پہلی زچگی ہے؟ تم یہ مت بھولو کہ اس حویلی کا نمک اتنی مدت سے کھا رہی ہوں۔ جو تمھاری عمر سے دوگنی ہے۔ چلو اب لیٹ جاؤ اور میرا وقت ضائع مت کرو۔ مجھے جلدی جانا ہے۔ ابھی تو مجھے دو اور گھر جانا ہے۔

یہ سن کر لکشمی اس طرح لیٹ گئی جیسے کوئی ننھا سا بچہ جھڑکیاں سننے کے بعد خاموش سا ہو جاتا ہے۔

سرجو نے اپنا گلا صاف کیا اور پتیلی میں تھوڑا سا تیل لے کر لکشمی کے پیٹ پر ملنے لگی۔ دایہ کی ہموار رگڑ سے اس لڑکی کو قرار آیا۔ اس کی تنی ہوئی بھنوں میں ڈھیل پڑ گئی اور اس کا غصہ غائب ہو گیا۔

سرجو نے اس تلخ گفتگو کو نظر انداز کرتے ہوئے گرم جوشی سے کہا ” میں نے مالکن سے کہہ دیا ہے کہ وہ صحیح معنوں میں فراخ دل رہیں اور یہ نہ بھول بیٹھیں کہ

انھوں نے اس حویلی میں پہلی پڑپوتی کو جنم دیا ہے۔ وہ دھیمی آواز میں کہنے لگی مجھے یہاں رہتے ہوئے کافی عرصہ ہو چکا ہے اور میں حویلی کے تمام حالات سے واقف ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ قبل اس کے کہ پاربتی مالکن کو کچھ کہہ بیٹھے میں وہاں پہنچ گئی۔ لکشمی نے اپنی آنکھیں کھولیں اور مسکرانے لگی۔

چلو اب تم سو جاؤ۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ کل آنے میں دیر نہیں کروں گی۔ سرجو نے اپنی ہتھیلی پر لگے ہوئے تیل کو اپنے بازوؤں پر رگڑتے ہوئے کہا اور اپنی ساڑی ٹھیک کرتے ہوئے باہر نکل گئی۔

چوتھا باب

وجے کا جنم ہوئے گیارہ دن ہو گئے۔ گیتا ساگوان سے بنے ایک بڑے سے چار کھمبوں والے پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی اور اس کے دونوں بازو موٹے گدیلے پر پڑے ہوئے تھے۔ ہلکے سبز رنگ کا مچھر دان اس پلنگ کے پیتل کے داغدار کھمبوں سے گھرا ہوا تھا۔ کمرہ میں کوئی اور تو نہیں تھا۔ گیتا نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کے پلنگ کے قریب جو کھڑکی تھی اس کے باہر اس نے دیکھا کہ آسمان پر کالے بادل منڈلا رہے ہیں اور بارش کے آثار نمایاں ہیں۔ بارش کے خطرہ کی وجہ سے گلیاں سنسان پڑی ہوئی تھیں اور کوئی پھیری والا نظر نہیں آر ہا تھا۔ گیتا نے آنکھیں موند لیں اور اپنے خیالات میں کھو گئیں۔

دو سال پہلے جب وہ بمبئی میں اپنا آبائی مکان چھوڑ کر یہاں چلی آئی تھی تو اس کو پتہ نہیں تھا وہ ایک ایسی طرزِ زندگی اپنے پیچھے چھوڑ آئی ہے جہاں مرد و زن آزادانہ طور پر مل جل کر رہا کرتے تھے۔ گیتا اپنے ہونے والے شوہر اجے کو اپنے بھائی کو دوستوں کی موجودگی میں ملاقات کر چکی تھی اس کو پتہ نہیں تھا کہ ان نوجوانوں میں کوئی اس کو پسند کرنے کے لیے آیا ہوا ہے۔ جب اس کے ماں باپ نے اس سے پوچھا کہ آیا اس کو بھورے رنگ کا سوٹ پہنا ہو تو نوجوان پسند ہے تو اس نے ہاں کہہ دیا۔ اس کے ماں باپ کو یقین تھا کہ وہ اس کو پسند کرے گی۔ اس کی ماں نے اسے بتایا کہ اجے اودے پور کے ایک قدیم اور رئیس گھرانے کا لڑکا ہے لیکن وہ ان دوسرے گھرانوں کے کئی افراد کے خلاف اعلیٰ

تعلیم یافتہ ہے۔ وہ سائنس کا پروفیسر تھا۔ اس کو اس سے زیادہ ممتاز عہدہ کی جستجو نہ تھی۔ جیسے کہ اس کے ماں باپ کی آرزو تھی۔ گیتا کے ماں باپ کو محض اجے کے خاندان کے بارے میں تشویش تھی۔ اودے پور کے اعلیٰ گھرانوں کی عورتیں جس میں اجے کی ماں بھی شامل ہے۔ پردہ کرتی تھیں۔ گیتا کی پرورش ایک علیحدہ ماحول میں ہوئی تھی۔ اس نے تو کالج میں لڑکوں کے ساتھ تعلیم حاصل کی تھی۔ ایسی لڑکی ان خواتین کی ایسی فضا میں جہاں کہ کئی پابندیاں ہوں گی۔ کیسے رہ سکے گی اور جہاں اس کو روایتی طور پر بڑوں کا احترام کرنا پڑے گا۔ البتہ انھیں یقین تھا کہ اجے تو نئی نسل کا ہے وہ تعلیمی روایات کی کیوں کر پیروی کر سکتا ہے۔ گیتا کے اس نئے ماحول میں گزارہ کرنے کی انھیں فکر نہ تھی۔ البتہ انھیں فکر تھی تو اس بات کی کہ آیا اجے کے ماں باپ گیتا جیسی لڑکی کو قبول کریں گے۔ انھیں ڈر تھا کہ اس خاندان کے کٹر پرست افراد ایک تعلیم یافتہ لڑکی سے خوف زدہ ہو کر دوسرے رشتہ داروں کو گیتا کے خلاف بھڑکا نہ دیں۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ گیتا اودے پور کی رہنے والی تو نہیں ہے۔ گیتا کو اپنی ماں کی پریشانی کا علم تھا کہ جب اجے اس کو دیکھنے آئے گا تو وہ زیادہ باتیں کر کے سب کچھ نہ بگاڑ بیٹھے۔

تقریباً ایک ہفتہ کی انتظاری کے بعد اودے پور سے جواب آیا۔ گیتا کو انھوں نے پسند کر لیا۔

دلہن کے جوڑے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ اس دوران گیتا کی اس کو نصیحت کرتی رہی۔ اپنا سر ڈھانکے رکھنا۔ بڑوں سے بحث مت کرنا۔ باتیں زیادہ مت کرنا۔ اس نے پردے کے بارے میں تو کچھ بتانا ضروری نہ سمجھا۔ گیتا کو یقین نہ تھا کہ اس کی ماں کو پردہ کے بارے میں بھی کچھ علم ہے۔

جب آخری اسٹیشن پہنچنے کے قریب ٹرین کی رفتار سست پڑ گئی تو گیتا کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے وہ اپنے رخساروں سے ڈھلتے ہوئے آنسو اپنی ہلکے گلابی رنگ کی عروسی ساڑی سے پونچھنے لگی کہ کہیں اجے اس کو نہ دیکھ لے۔ بمبئی اب اس کو بہت دور دراز سا مقام نظر آنے لگا۔ اس کی ماں اپنے قریب نہ رہی اور وہ ایک اجنبی کے ہمراہ ریل کے ڈبہ میں تنہا بیٹھی ہوئی تھی لیکن جیسے ہی اس

نے پلیٹ فارم پر قدم رکھا اس کے آنسو خشک ہو گئے اور اپنی ماں کا خیال اس کے ذہن سے اوجھل ہو گیا۔ گیتا کو گاتی ہوئی چند عورتوں نے گھیر لیا لیکن ان سب عورتوں نے گھونگھٹ ڈال رکھا تھا۔ ایک عورت نے اس کی ساڑی سے اس کا چہرہ ڈھانک دیا۔ اس کی طرف آگے بڑھی اور حیرت زدہ ہو کر کہنے لگی تم کہاں کی رہنے والی ہو کہ دنیا بھر کو اپنا چہرہ دکھاتی پھرتی ہو۔ گیتا پریشان کن اور خوفزدہ ہو کر کار میں جا بیٹھی۔ اس نے ان عورتوں سے کوئی بات نہ کی۔ جو اپنی اونچی آواز میں گاتی ہوئی اس کے پیچھے آرہی تھیں۔ کار جب چلنے لگی تو اس کو پتہ چلا کہ اس کا پتی اس کے ساتھ نہیں آرہا ہے۔ پلیٹ فارم پر جب چند عورتوں نے اس کو گھیر لیا تھا تو اس کا پتی کہیں گم ہو گیا تھا۔ اس چار سیٹوں والی فیسٹ کار میں سسرال کی دو خالہ زاد بہنیں جن کی عمر سولہ برس کی ہو گی اور چار عورتیں اس کے ساتھ بیٹھ گئیں۔ گیتا کا دم گھٹنے لگا۔ لیکن کار کا شیشہ ہٹانے کی اس میں ہمت نہ تھی جیسے ہی کار کی رفتار تیز ہو گئی اس میں بیٹھی ہوئی لڑکیاں چہکنے لگیں۔

شہر کے پھاٹک میں داخل ہونے کے لیے جب کار کی رفتار کم ہو گئی تو پارلی نے کہا۔" بنی جی یہ سوراجی پول پھاٹک ہے اور اس کے دائیں بازو جو عمارت ہے وہ تمھارے بڑے چچیرے سسر پرتاپ سنگھ کی ہے۔

اس عمارت کو دیکھنے کے لیے گیتا نے اپنے چہرہ پر سے گھونگھٹ اٹھایا۔" نہیں نہیں، تم ایسا نہیں کر سکتی۔ پارلی نے یہ کہتے ہوئے پھر سے اس کا چہرہ گھونگھٹ سے ڈھانک دیا۔ اودے پور میں ہم سب پردہ کرتی ہیں۔ تم اپنا حسین چہرہ اجنبیوں کو تو نہیں دکھا سکتیں۔" اور جب ایک گائے گلی پار کر رہی تھی تو کار کو رکنا پڑا پارلی نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ مکان جو بائیں طرف آخر میں دکھائی دے رہا ہے وہ تمھاری ساس کے بھائی گوپال سنگھ جی کا ہے۔ اس پھاٹک کے نکڑ پر تمھاری خالہ زاد ساس، نندو بواسہ کی حویلی ہے اور اس کے بازو میں کانتا بائی سہ کا مکان ہے۔ گیتا اپنا سر جھکائے تھی۔ سب کچھ سنتی رہی لیکن اس کی سمجھ میں تو کچھ نہ آیا۔

وہ جو گلابی گھر ہے نہ وہ تمھاری خالہ زاد ساس مانجی بواسہ کا ہے جو بیوہ ہو چکی

ہے۔ گنگا نے یہ کہتے ہوئے گیتا کا سر تھوڑا اوپر اٹھایا لیکن چہرہ پر گھونگھٹ تھوڑا نیچے کر دیا۔ جب کار ایک تنگ گلی کی طرف مڑی جہاں سیکل پر سواری کرنے والے کار کو راستہ دینے کے لیے اتر پڑے تھے۔ گنگا نے اپنے ہاتھ باہر کرتے ہوئے کہا، بی جی وہ جو ہے وہ تمھاری ساس کے ماتا پتا کی حویلی ہے۔

گیتا کو ایسا لگا گویا سارا شہر ہی اس کی سسرال والوں کا ہے۔ جس کسی گیٹ سے انھیں گزرنا پڑتا تو لڑکیاں فخر سے کہہ اٹھتیں کہ وہ مکان اس خاندان والوں کا ہے۔

اس طرح پریشان مت ہو۔ بہت جلد تمھیں اس کا پتہ لگ جائے گا انھیں گھرانوں میں تو تمھیں رہنا ہوگا۔ اور ایک اچھی اور وفادار بن کر نیک نامی حاصل کرنی ہوگی۔ اپنے چہرہ کو ہر وقت گھونگھٹ میں چھپائے رکھنا کبھی نہ بھولو۔ پارلی نے سنجیدگی اور حاکمانہ انداز میں کہا۔

گیتا، پارلی کی نصیحت کو غور سے سُن رہی تھی کہ کار رک گئی۔ گیتا کے ذہن میں اس دن کے تمام واقعات کی دھندلی سی یاد باقی تھی۔ جب کہ وہ اپنے پتی کی حویلی جیون نواس میں پہلا قدم رکھا تھا۔ اس کو صرف اتنا یاد تھا کہ چند اجنبی عورتیں اسے گھیرے ہوئے تھیں جب کہ اس پر نیم بے ہوشی کا عالم طاری تھا اور سب کے سب اس کا چہرہ دیکھنے کے لیے اس کے سر سے پلو ہٹانے لگی تھیں۔ شرمساری سے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ کسی نے مایوسی سے کہا "شکل و شباہت سے تو ٹھیک ہے لیکن اس کا رنگ کالا ہے۔ اب ہم دیکھیں گے کہ وہ یہاں کس طرح اپنے آپ کو سنبھالے رکھتی ہے۔ آخر کار وہ تعلیم یافتہ ہے اور بڑی بات تو یہ ہے کہ وہ اودے پور کی رہنے والی ہستی ہے۔ اپنے اکلوتے لڑکے کے لیے باہر سے بہو لے آنا کتنی بڑی بات ہے۔

پیر چھونے کے لیے گیتا جب بے ڈھنگ سے جھکی تو اس کو ایسا لگا کہ گویا اس کو سو عورتوں کے لیے پیر چھونے پڑیں گے۔ عورتیں کہنے لگیں " دیکھو تو یہ ٹھیک طریقے سے پیر چھونا بھی نہیں جانتی۔ بڑی بوڑھی عورتوں نے ناامیدی سے اپنا سر ہلایا۔ لیکن اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہنے لگیں۔" بھگوان کرے

کہ تمھارے آٹھ لڑکے ہوں۔ گیتا ان کی نصیحتوں پر کاربند رہی۔ اس کی نگاہیں فرش پر گڑی ہوئی تھیں۔ اس کو یہ خوف تھا کہ کہیں اس کی چال سے کسی کو ٹھوکر نہ لگ جائے۔ اس۔ اس نے پہلی مرتبہ دیکھا کہ تمام عورتیں نوجوان ہوں یا بوڑھی اپنے چہرے ڈھانکے ہوئی تھیں۔ یہاں تک کہ اس وقت بھی جب کہ وہاں کوئی مرد دکھائی نہ دے رہا ہو۔ بعد ازیں اس کو پتہ چلا کہ جو عورتیں آزادی کے ساتھ اپنا سر کھلا رکھے گھومتی رہتی تھیں وہ اس گھرانہ کی بیٹیاں تھیں۔ ان ڈھکے ہوئے چہروں کے ہجوم کو دیکھ کر کچھ گھبرا سی گئی اور جب اس کو اپنا وہ پہلا دن یاد آیا تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

گیتا نے کروٹ لی اور آنکھیں کھولیں۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی کہ کہیں اس کے کمرہ میں کوئی نوکرانی تو نہیں گھس آئی ہے۔ بارش اس قدر زور وشور سے ہو رہی تھی کہ باہر کی دنیا اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

نرم گدیلوں میں اپنا سر دبائے ہوئے گیتا اپنے آپ کہنے لگی تنہائی کا عالم بھی کتنا آرام دہ ہوتا ہے جب کہ یہ یقین ہو جائے کہ گپ شپ کے لیے کوئی اندر گھس نہیں پڑے گا۔ وہ چت لیٹے ہوئے حویلی میں اپنے شب و روز کے بارے میں سوچنے لگی۔ دو سال بیت چکے تھے لیکن اس کے سسر اور ان کے پتا اس کے لیے اجنبی ہی بنے رہے۔ اس کو ان سے بات کرنے کا کوئی موقعہ نہ ملا۔ سویرا ہو جانے پر اس کا شوہر اور دوسرے مرد غائب ہو جاتے تھے۔ دن بھر وہ اپنے دفتروں میں رہتے یا حویلی کے اپنے ہی علاقہ میں وہ مصروف رہتے۔ صرف کھانے کے مقررہ اوقات پر وہ اندرونی آنگن میں آیا کرتے تھے۔ وہ محض ان کے نام سے واقف تھی لیکن حویلی کے چاروں طرف ان کی موجودگی کا احساس پایا جاتا تھا۔ جو بھی کام کرنا ہوتا ان کی صلاح سے ہی ہوا کرتا تھا۔ اس حویلی کی تمام کارگزاریاں انھیں کی خواہشات کے مطابق ہوا کرتی تھیں۔

گیتا کو جب اس دن کا خیال آیا۔ جب کہ وہ مردانہ حصّہ میں گھس پڑی تھیں تو اس کے بدن میں کپکپی سی ہونے لگی۔ زنانہ علاقے کی تمام راہوں سے البتہ وہ واقف ہو چکی تھیں لیکن اس نے حویلی کا دوسرا رُخ تو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ جاننا

چاہتی تھی کہ یہاں کے مرد لوگ کس طرح اپنا وقت گزارتے ہیں۔ اور یونی ورسٹی سے واپسی پر اس کا شوہر کہاں پر آرام کرتا ہے۔ ملاقاتیوں سے اس کے سسر کس جگہ ملتے ہیں۔ وہ جانتی تھی کہ اس علاقہ میں عورتوں کا گزر ممنوع تھا۔ ایک دن جب اس کی ساس کسی بیمار رشتہ دار کو دیکھنے کے لیے گئی ہوئی تھی اور اس کی دادی ساس سو رہی تھی اور یہاں تک کہ نوکرانیوں کا بھی کچھ پتہ نہیں تھا تو گیتا کو اس مردانہ علاقہ دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا اور وہ آنگن پار کر کے اس علاقہ میں داخل ہو گئی۔

جس کمرہ میں وہ داخل ہوئی وہ ایک وسیع ہال کی مانند تھا۔ جس کی بلند چھت پر ہلکے سبز رنگ کے نانوس آویزاں تھے اور جس کے فرش میں رنگین اور خوشنما پچکاری ٹائیل جڑے ہوئے تھے۔ دیواروں پر شکار کے مختلف مناظر کی مصوری کی گئی تھی۔ یہاں چند تپائیوں کے علاوہ کوئی میز کرسیاں نہیں تھیں۔ ایک بڑے سے مسند پر سفید لحاف بھی بچھائی گئی تھی اور جس پر سہارے کے لیے مخملیں لمبے گاؤ تکیے پڑے ہوئے تھے۔ اس مسند کے دونوں طرف چاندی کے دو بڑے نقش و نگاری پیک دان رکھے ہوئے تھے۔

گیتا اس آراستہ لیکن سادہ کمرہ کو دیکھنے لگی اس نے دیواروں پر ٹنگی ہوئی اپنے شوہر کے آبا و اجداد کی درباری لباس میں ملبوس تصاویر بھی دیکھی۔ جو طلائی فریم میں جکڑی ہوئی تھیں۔

یہ حسین چہرے جن پر خوشنما داڑھیاں تھیں غالباً یہ کہہ رہے تھے کہ وہی اس حویلی کی نگرانی کر رہے ہیں۔ اور دیکھ رہے ہیں کہ آئندہ نسلیں ان قدیم روایات جو ورثہ میں ملی تھیں اس کو برقرار رکھنے میں وہ کہاں تک کامیاب ہوتے ہیں۔ انھوں نے اپنے ہاتھوں کی لمبی اور نوکیلی انگلیوں میں انگوٹھیاں اور کلائیوں میں کڑے پہن رکھے تھے وہ اپنے گلے میں ہیرے جواہرات کے بھاری بھر کم گلوبند ڈالے ہوئے تھے۔ ان کے قومی اور حاکمانہ انداز پر گیتا کو ناز ہونے لگا اور وہ سوچنے لگی کہ یہ وہی لوگ ہوں گے جنھوں نے مغلوں کے ساتھ لڑائی کی اور جنگ میں فتح یاب ہوئے۔ جب وہ ان خوب صورت تصاویر کو ٹھیک طور پر دیکھنے کے لیے ایک قدم پیچھے ہٹی تو اس

کو اپنے کاندھے پر کسی کا ٹھنڈا سا ہاتھ رکھنے کا احساس ہوا۔
تم اکیلی یہاں کیا کر رہی ہو، بنی جی؟ میں جانتی ہوں کہ تم یہاں نئی نئی آئی ہو۔ لیکن تمھیں یہاں کے طور طریق جاننا چاہیے حویلی کے اس حصہ میں جب عورتیں آتی ہیں تو وہ کسی کو اپنے ساتھ رکھتی ہیں۔ پارلی نے سخت لہجہ میں کہا۔ اگر تمھارے سسُر نے تمھیں اپنا چہرہ کھلا رکھے ہوئے دیکھ لیا تو وہ کیا سمجھیں گے؟ بنی جی اس حویلی کی بہوئیں تو اس طرح کی حرکت نہیں کرتیں۔

پہلے تو گیتا کچھ بوکھلا سی گئی اور پھر وہ برافروختہ ہو گئی وہ خود کو بے قصور تصور کرتے ہوئے کہنا چاہتی تھی۔ تم نے مجھ کو اکیلا چھوڑ دیا اور میں گپ شپ کرنے نوکروں کے علاقہ میں چلی گئی لیکن وہ اپنے جذبات پر قابو پا گئی اور کچھ نہ کہا۔

بیاہ کے چند مہینوں بعد مردوں اور عورتوں کو اس طرح علیحدہ رہنا اس کو کچھ عجیب اور پُر اسرار جیسے لگا۔ اپنے ماں باپ کے گھر مرد و زن آزادی سے بات چیت کرتے تھے۔ اس کی ماں اپنے شوہر کا احترام کرتی تھی لیکن جب دوست احباب گھر پر موجود ہوتے تو وہ پردے کے پیچھے نہیں چھپ جاتی لیکن حویلی میں تو مردوں کا اس طرح احترام کیا جاتا تھا کہ گویا وہ بھگوان ہیں۔ مرد لوگ تو مالک تھے اور ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو حکم کا درجہ دیا جاتا تھا۔ عورتیں خود کو ان کی پرچھائیاں سمجھ کر انتہائی احتیاط سے ان کے حکم کی تعمیل کرتی تھی۔ اس کی ساس ایک ایسی بھاری بھرکم شخصیت تھی جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس بڑی حویلی کا سارا انتظام اس کے سر تھا وہی رات اور دن نوکروں پر نگرانی رکھا کرتی تاکہ مرد گھریلو الجھنوں سے دور رہیں۔

گیتا جب اپنے نئے گھر آئی تو یہاں پر اپنا کوئی ایسا ساتھی نہیں تھا جس پر وہ بھروسہ کرتی ہر ایک اس پر نکتہ چینی کرنے کا منتظر تھا۔ لیکن ہر کام ٹھیک سے کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ کوئی تو اس کو ہدایت دیا کرے۔ اس کا شوہر ہی ایک واحد فرد تھا جو اس کی مدد کر سکتا تھا لیکن وہ تو شب میں ہی اس سے ملاقات کر سکتی تھی۔ وہ دن بھر رشتہ داروں کے ساتھ رہا کرتی تھی جو محض اپنے دیگر رشتہ داروں کے بارے میں پوچھ تاچھ کیا کرتے تھے اور اس کو یہ خوف لگا رہتا تھا کہ کہیں اس

سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو جائے۔ وہ چاہتی تھی کہ کوئی اسے دنیا بھر کی خبریں سنائے۔ اجے اس کی خواہشات سے واقف تھا اور کبھی کبھی کچھ بہانے بنا کر اوپر آجایا کرتا تھا لیکن یہ ملاقاتیں مختصر سی ہوتیں اور عجلت سے ہوتیں۔ اس پر گیتا پریشان سی ہو جاتی۔ اجے کی اس حرکت پر نوکرانیاں ہنس پڑتیں گویا وہ جانتی تھی کہ وہ عورتوں کے علاقہ میں بار بار کیوں آیا کرتا ہے۔

بیاہ کے بعد اجے بھی حویلی کی اس طرز زندگی کی گھٹن محسوس کرنے لگا۔ گیتا اس کی ساتھی تھی اور اس کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اودے پور کے حالات کے علاوہ دوسرے معاملات پر بھی اس سے گفتگو کرے لیکن انھیں پتنی سے بات کرنے کے لیے اس کو شام ہونے تک انتظار کرنا پڑتا تھا۔ مردوں کو زنانہ علاقہ میں آنے جانے کی آزادی تو تھی۔ لیکن دن کے اوقات میں ان کا یہاں آنا جانا غیر مہذب مانا جاتا تھا۔ البتہ کسی گھریلو معاملہ پر عورتوں سے صلاح لینے کے لیے انھیں دن میں ملاقات کی ممانعت نہ تھی۔ دوسروں کی طرح اس حویلی میں مردوں کے رہن سہن کے بھی چند طور وطریق تھے جس کو انھیں نبھانا پڑتا تھا۔ انھیں طور وطریق کے تحت وہ نہانے اور کپڑے بدلنے کے بعد جس کمرہ میں وہ اپنی پتنی کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ وہاں سے باہر نکل پڑتا اور حویلی کے جس علاقے میں وہ کام کرتا تھا وہیں دوست احباب سے ملاقات کرتا۔ اس طرح کا رہن سہن تو اس کو پسند نہ تھا لیکن اپنے پتا کے بتائے ہوئے اصول کی خلاف ورزی کرنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔ وہ اپنے پتا کا مدح خواں تھا اور ان کا احترام کیا کرتا تھا۔

ابتدائی چند مہینوں تک اس کی نوکرانی دھاپو ہی گیتا کی ساتھی بنی رہی۔ دھاپو نے اس کو وہ آداب سکھلائے جو اس حویلی کی بہو سے توقعات رکھی جاتی تھیں۔ اس نے گیتا کو سمجھایا کہ اس حویلی کی بہو اسی وقت اپنی زبان کھولتی ہے جب کہ بڑے بوڑھے لوگ اس سے بات کرتے ہیں۔ دھاپو اگر اس کے ساتھ نہ ہوتی تو گیتا اپنے میکہ چلے جانے کے لیے اصرار کرتی۔ اس کی تربیت پر اس کو جو طعنے دیئے جاتے تھے وہ اس کو انکساری کے ساتھ برداشت نہ کر سکی تھی۔ اس کی یہ تنہائی اور بے چینی کی مدت بہت مختصر تھی۔ اب اس کو اپنی پریشانیوں کے بارے میں

زیادہ تر سوچنے کے لیے وقت نہ تھا۔ جب اس کو رشتہ داروں کے ساتھ سر جھکائے بیٹھے رہنے سے فرصت ملتی تو وہ رسوئی گھر چلی جاتی اور ان کے لیے جل پان کا انتظام کرنے میں مصروف ہو جاتی اتنی ساری نوکرانیاں اور رسوئیا کے ہوتے ہوئے بھی اس کی ساس رسوئی گھر میں آیا جایا کرتی تھی تاکہ وہاں کی کوئی چیز اصراف نہ ہو جائے صبح کا بھوجن کرنے وہ اپنے کمرہ میں چلی جاتی۔ نوکرانیاں اس کے قریب جا بیٹھتیں اور اس سے بات چیت کرتیں۔ وہ کبھی تنہا نہیں رہتی۔ چھ مہینوں سے اس نے کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی۔ دن بہت جلد گزر جاتا اور شام ہوتے ہوتے وہ تھک جاتی اور اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو جاتیں۔

اس حویلی میں صرف رشتہ دار ہی آیا جایا کرتے تھے اور انھیں رشتہ داروں کی ہی خبر گیری ہوا کرتی تھی لیکن دو سال بعد بھی اس کو پتہ نہ چلا کہ اس کے شوہر کے کتنی موسیاں ہیں اور کتنے چاچا۔ وہ اس بارے میں کوئی فکر نہ کرتی۔ اب تک تو اس کی ملاقات جن سے ہوئی وہ یا تو کوئی کاکی سہ، ماحی سہ، بواسہ، تایا بائی سہ تھی۔ چند تو قریبی رشتہ دار تھے اور چند تو ایسے تھے جن کا تعلق تین یا چار پشتوں سے چلا آرہا تھا اور یہ سب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ دھاپو کی نصیحت پہ عمل کرتے ہوئے اس نے اپنی زبان بند نہیں رکھی۔ محض ہاں یا نہ میں وہ اپنا سر ہلا دیا کرتی تھی۔ اب اس کو اپنا نقاب پسند آنے لگا جو اس کا چہرہ چھپائے رکھتا تھا اور جب دوسرے بات کرتے رہے تو اس کو سوچنے کا موقع ملا کرتا۔ وہ اپنی مہین ململ کی ساڑی سے ان سب کو دیکھا کرتی تھی۔ لیکن وہ اس کو دیکھ نہ سکتے تھے۔

بہت زوروں کی بارش ہو رہی تھی۔ لگتا تھا کہ گزشتہ سال کے ناغہ کی اب تلافی ہو رہی ہے۔ گیتا نے وہ کتاب اٹھائی جو اس نے ایک ماہ قبل پڑھنا شروع کیا تھا۔ جب وہ ادھورا صفحہ تلاش کر چکی تو پارلی ایک ننھی سی بچّی کو اٹھائے اندر چلی آئی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پوچھا "بنی جی کیا تم اکیلی ہو؟ کیا یہاں کوئی نوکرانی نہیں ہے؟ کیا تمھارے لیے کسی نے پھلوں کا رس نہیں دیا۔ نہ جانے ان نوکرانیوں کو کیا ہو جاتا ہے۔ چوں کہ اس نے کسی نوکرانی کو آواز نہ دی تھی۔ اس لیے اس نے خود کو اس کا قصوروار ٹھہرایا۔ پارلی نے سوئی ہوئی ننھی کو کھٹولا میں ڈال دیا اور

پلنگ کے قریب بیٹھ گئی۔ بچی پر اپنی نظریں کیے اپنے پلو سے ناک صاف کرلی اور کہا " بہی جی کیا تم جانتی ہو جب تمھارے پتی باپوسہ کا جنم ہوا تو میں نے تمھاری ساس کو ایک لمحہ بھر بھی اکیلا نہ چھوڑا تھا۔ لیکن اب تو زمانہ بدل چکا ہے۔ ان نوکرانیوں کا سر جو چڑھا ہوا ہے۔ اس نے اپنے جھریاں بھرے ہاتھ پھیرے گویا وہ خود گیتا سے غفلت برتنے کی معافی مانگ رہی ہو۔

اس کے پتلے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اور پرنم آنکھوں میں چمک۔ اس نے کہا " سنو جب میں اس حویلی میں آئی تھی تو میں چھوٹی سی تھی اور تمھاری دادی ساس کے ہاتھوں میری تربیت ہوئی۔ ان کا رویہ سخت تھا۔ گرمی کا موسم ہو یا سردی کا مجھے سویرے چار بجے بستر چھوڑ دینا پڑتا تھا۔ اور دن بھر کام کرنا پڑتا تھا اور جب میں بیوہ ہوئی تو اس نے مجھے اسی وقت سے رنگین ساڑیاں اور چوڑیاں پہننے سے منع کیا تھا جو کہ دوسری لڑکیاں پہنا کرتی تھیں۔ مجھے پتہ نہیں کہ تم جس علاقہ میں رہتی تھیں وہاں کی بیوائیں کیسے رنگ کے کپڑے پہنا کرتی ہیں لیکن اودے پور میں تو انہیں بھورے یا سیاہ رنگ کے کپڑے ہی پہننے پڑتے ہیں۔

پارلی تھوڑی دیر رک گئی اور پھر کہنے لگی۔ تمھاری دادی ساس کہا کرتی تھی۔ عالمِ شباب خطرناک ثابت ہوتا ہے ان کا کہنا ٹھیک ہی تو تھا۔ اس لیے لمبی آہ بھری اس کی اپنے بیتے دنوں کی یاد ایسی لگی کہ گویا کہ وہ ایک بڑی بالٹی بھر پانی کا بوجھ اٹھا رہی ہو۔

گیتا نے اپنے ہمدردانہ لہجے میں کہا ، پارلی جی جی۔ تم نے بہت دکھ بھرے دن دیکھے ہوں گے۔

کیا تم نے دکھی دن کہا پارلی نے حیرت زدگی سے پوچھا۔ مجھے تو اتنی فرصت ہی کہاں تھی کہ میں سکھ کے بارے میں سوچا کروں شام ہونے تک میں اتنا تھک جاتی کہ میں بچے کی طرح سو جاتی اور مجھے جگانے کے لیے نوکرانیوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ مجھے تو سکھ کیا چیز ہوتی ہے اس کا پتہ نہیں۔ جب مجھے کچھ وقت مل جاتا ہے تو میں اپنے کپڑے سی لیا کرتی۔ اس کا موقع تو مجھے کبھی کبھی ملتا ہے۔ جب میں تمام برتن صاف کر دیتی ہوں جن کی تعداد لگ بھگ پچاس ہوگی اور آنگن میں جھاڑو لگا دیتی

تو سمجھ لو کہ میرا صبح کا کام ختم ہو گیا۔ دوپہر میں جب تک تمھاری دادی ساس سو نہ جائے تب تک میں ان کے پیر دباتی رہتی۔ لیکن دوپہر میں لیٹنے سے قبل وہ ہمیشہ مجھ کو ایک تھیلا بھرا اناج صاف کرنے کے لیے دیا کرتیں۔ تمھیں پتہ نہ ہو گا کہ ان دنوں اس حویلی میں نوکروں کے علاوہ اس خاندان کے چوبیس افراد کے لیے کھانا تیار کرنا پڑتا۔ لیکن مالکن چالاک تھی وہ جانتی تھی کہ مجھ کو اگر کوئی کام نہ ہو تو مجھے شرارت کی سوجھے گی آخر میں نوجوان تھی اور نوکروں سے گپ شپ کرنا میرا مشغلہ تھا۔ مجھے ہم عمر لڑکیوں کی طرح کھیلنے نہیں دیا جاتا تھا۔ کسی بیوہ کا اس طرح خوش و خرم اور بے فکر رہنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ میں کم سن تھی اس کو سمجھنے سے قاصر تھی لیکن میں نے سوچا کہ مالکن کی یہ سراسر ناانصافی ہے لیکن میں ان دنوں آنگن میں شور و غل اور قہقہوں کی گونج ہوا کرتی وہ دن کتنے سنہرے تھے۔ جب کہ تمھارے بڑے دادا سسر ان کے تین بھائی ان کی پتنیاں اور بچّے اس حویلی میں رہا کرتے تھے۔ اس نے گیتا کو شرارت بھری نگاہوں سے دیکھا اور اس کو ستانے کے لیے کہا " تم رام سنگھ جی اور جیون سنگھ جی یا صاحب کی تصویریں تو دیکھی ہوں گی تو سمجھ لو کہ میں انھیں کے بارے میں کہہ رہی ہوں۔

یہ سن کر گیتا الجھن میں پڑ گئی۔

ہمارے مہارانا تو ہمارے لیے بھگوان کا روپ تھے۔ دیالو رحم دل۔ وہ شہر کے بچّہ بچّہ کو جانتے تھے وہ غریبوں کا بہت خیال رکھتے تھے اور مہارانی سہ کو تو رقص و موسیقی بہت بھاتے تھے اور ان کو مہمان نوازی کا شوق تھا۔ اس کی وجہ سے ہم نوکرانیوں کو بھی مصروف رہنا پڑتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے تہوار پر بھی رئیس خواتین کو محل بلوایا جاتا تھا۔ مجھے اپنی مالکن کے کپڑے اور زیورات تیار کرنے پر دو دن کی سخت محنت کرنی پڑتی تھی۔ مہارانی سہ نے نہ صرف محل کی خواتین بلکہ اس کے نوکرانیوں کے لباس پر بھی خاص توجہ رکھتی تھی۔ وہ خود بھی زیورات سے سجی رہیں۔ ہائے وہ دن کتنے عجیب و غریب تھے۔ حالاں کہ میں ان دنوں کوئی زیور نہیں پہنا کرتی تھی۔ میں بھورے رنگ کی ساڑی ہی پہنا کرتی جیسے کہ اب بھی پہنتی ہوں لیکن میری آنکھوں نے جو جاہ و جلال دیکھا تھا اس کو دیکھنا تمھیں

نصیب نہ ہوا۔"

گیتا اپنے اظہار ہمدردی میں کچھ کہنے والی تھی کہ پارلی کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی " دیکھو مجھ کو تو بھابھاسہ کے ساتھ رہنا تھا۔ لیکن میں تم سے باتوں میں لگ گئی۔ ان دنوں انھیں تنہائی کا ایک لمحہ بھی ناگوار لگتا ہے۔ بھاتیاجی بھی ان ہی کی طرح بوڑھی اور کمزور ہو چکی ہیں اور وہ ان کے ساتھ زیادہ دیر تک بیٹھے باتیں نہیں کر سکتیں مجھے تو جانا چاہیئے۔ کسی دن میں ان پرانے وقتوں کے حالات تمھیں سنا دوں گی پارلی نے اپنے سر کو پلو ٹھیک کیا۔ اپنا ڈھول آلود گھاگرا صاف کیا اور ماضی کی یادوں میں کھوئی ہوئی اس نے دروازہ کا رُخ کیا۔

دھاپو اپنے ہاتھ میں بھوجن کی تھالی لیے ہوئے اندر چلی آئی اور کہا "جی جی، بھابھاسہ تمھیں کب سے بلا رہی ہیں۔ بھاتیاجی تو سوئی پڑی ہیں۔

میں جانتی ہوں کہ میں نے دیر کردی۔ لیکن جب کبھی ان پرانے دنوں کی باتیں کرنے لگتی ہوں تو کہتے ہیں چلی جاتی ہوں یہ کہتے ہوئے پارلی جلدی جلدی دروازے سے باہر نکل پڑی۔

پارلی کے باہر چلے جانے کے بعد دھاپو نے پلک جھپکتے ہوئے کہا۔ " دیکھو تو میں کتنی چالاک ہوں میں نے اپنے آپ کو پارلی جی کی جھڑکیوں سے بچنے کے لیے کیا کھیل کھیلا۔ وہ سمجھتی ہے کہ ہم سب اس کی طرح لاوارث ہیں۔ یہ نادار تو اتنا بھی نہیں سمجھتی کہ ہم کیوں نیچے اپنے کمروں میں جایا کرتے ہیں۔ اس کو پتہ نہیں کہ شوہر اور بچوں کے ساتھ کس طرح زندگی بتانا پڑتی ہے۔ اس نے اپنی ساری عمر تو حویلی کی خدمت گزاری میں بسر کردی وہ تو اس طرح کی عورت ہے جو اپنی مالکن کی خاطر اپنی اولاد کی بھی پرواہ نہیں کرے گی۔ اس طرح کی عورت تو مشکل سے ہی ملے گی۔ میں تو اس طرح کی نہیں ہوں دھاپو نے تھالی نیچے رکھی۔ اور وجے جو پالنا میں پڑا سو رہا تھا اس کو دیکھنے لگی۔

" تم تو بڑی چالاک نکلیں۔" گیتا یہ کہتے ہوئے اٹھ بیٹھی اس کو دھاپو کی قربت میں آرام ملا۔ پارلی کی صحبت نے اس میں احساس کمتری پیدا کردیا تھا۔ پارلی میں خود اعتمادی اور اقتدار کا جو جذبہ کارفرما تھا اس نے گیتا میں بے چینی پیدا کردی۔ البتہ

دھاپو جو صرف اپنی عمر کی تیس بہاریں دیکھ چکی تھی اس کی صحبت میں اس کو سکون میسر ہوا۔
" بنی جی اگر کوئی چالاک نہ ہو تو اس کنبہ میں کیسے نباہ ہوگا۔ میں دوسروں کی بہ نسبت بھولی بھالی ہوں اور اسی وجہ سے میں اپنا کام کاج کچھ زیادہ ہی کر دیتی ہوں۔ اظہارِ عقیدت میں وہ کھسیانی ہنسنے لگی۔

گیتا نے اس کو طعنہ دیتے ہوئے کہا تو تم اپنے آپ کو سیدھی سادی کہتی ہو۔
میں جو کچھ بھی ہوں اس پر دھیان مت دو۔ تم بھوجن کرو اور یاد رکھنا کہ ان دنوں مجھ جیسی نوکرانیاں تمھیں نہیں ملیں گی۔ بہتر ہوگا کہ تم خود ہی کھانا بنانا سیکھ جاؤ۔ پڑھتے اور لکھتے رہنے میں مصروف رہو۔ چوہے گیہوں کی بوریاں کترنا تو ترک نہیں کر دیں گے۔ دھاپو نے محض گیتا کو چھیڑنے کے کہا یہ قدرے ٹھگنے بدن کی تھی مگر دل کش ضرور تھی۔ اس کی پست ناک اس کے غنچہ دہن سے میل کھاتی تھی۔ اس کا پتی گاؤں میں زمین کی دیکھ بھال کرتا تھا جو سنگرام سنگھ جی نے اس کو دی تھی۔ وہ کبھی کبھی یہاں آکر اس کو دیکھ جایا کرتا تھا۔ اس کے تین لڑکیاں تھیں اور ان سب کا بیاہ ہو چکا تھا۔ ان میں ایک لڑکی اپنے پتی کے ساتھ رہتی تھی اور بقیہ دو لڑکیاں اس کے ساتھ اسی حویلی میں رہتی تھیں۔ وہ آنگن میں کھیلا کرتی اور مالکن کے چھوٹے موٹے کام کیا کرتی تھیں۔

" بائی وبائی۔ یہ کہتے ہوئے چمپا جو گیتا کی دوسری نوکرانی تھی وہ ہانپتی ہوئی کمرہ میں چلی آئی اور کہنے لگی حویلی کا منیم آیا ہوا ہے۔ وہ مالک سے ابھی ابھی اس جشن کے بارے میں بات چیت کر رہا ہے۔ میں نے چوری چھپی ایک اہم بات سنی ہے کہ تمام برادری کو بھوجن کرایا جائے گا۔ اور یہ جشن جو تین دنوں تک جاری رہے گا۔ اسی طرح منایا جائے گا جیسے کہ لڑکی نہیں بلکہ لڑکے کا جنم ہوا ہے۔

دھاپو سے حقارت آمیز لہجہ میں کہا۔ کیا تم صرف یہی خبر مجھ کو سنانے کے لیے یہاں آئی ہو؟ پارلی جی جی نے جب ارادہ کر ہی لیا ہے تو میں جانتی ہوں کہ وہ مالک کو بھی منوا کر ہی رہیں گی۔ یہی تو وقت ہے جب کہ پارلی جی جی ہمارے بارے میں سوچنے سے قبل ہم اپنی مانگیں ان کے روبرو پیش کریں۔
گیتا نے اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں اور حیرت زدگی سے کہا تین دن کا لگاتار جشن

اور اس کے ساتھ ساتھ ضیافت بھی۔

بی جی تمھیں کس بات کا خوف ہے؟ ہم ناچیں گے، گائیں گے، عمدہ لباس لباس پہنیں گے اور جتنے چاہیں اتنے لڈو کھائیں گے تمھیں تو صرف اپنا چہرہ چھپائے کسی کونے میں بیٹھنا پڑے گا۔ تمھارا گھونگھٹ ٹھیک کرنے کے لیے تو میں وہاں تمھارے پاس موجود نہ رہوں گی۔ دھاپو نے مزاحیہ انداز میں یہ سب کچھ کہہ ڈالا۔

مگر بائی۔ گیتا نے کچھ کہنا چاہا۔

دھاپو کہنے لگی۔ دیکھو تو مالکن کا دل شکستہ نہ کرنا بھابھا سے تو ابھی سے اخراجات کے بارے میں بڑبڑانے لگی ہیں

اور چاندلی کب حاصل ہوگا۔

" بی جی۔ مجھے تو ایک سرخ ساڑی اور گھاگرا چاہیے۔ چمپا کی یہ بات سن کر گیتا نے اپنے کانوں پر ایک تکیہ دھر لیا۔

میں تو ساڑی کے ساتھ ساتھ اور کچھ لوں گی۔ دھاپو نے کہا۔ میں تو اس موقع پر سونا مانگوں گی۔ یہ تو میرا حق ہے۔ آخر میں نے ہی تو سب سے پہلے دجے بائی سہ کو گود میں اٹھایا تھا۔

گیتا نے دھاپو کے کہنے پر کچھ دھیان نہیں دیا۔ وہ سوچنے لگی کہ آنگن میں کھچا کھچ بھری عورتیں اس کو بار بار دیکھیں گی اور اس پر نکتہ چینی کریں گی جیسے کہ انھوں نے پہلے دن کیا تھا۔ اس تصور نے اس کو افسردہ کر دیا۔ وہ لکشمی کی طرح بیس دن کی تنہائی چاہتی تھی۔ اس نے گزشتہ دو ہفتے چین سے بسر کیے تھے۔ اب تو اس کے آرام کی مدت ختم ہونے کو تھی۔ اب ان تین دنوں کی گہما گہمی اور خوشیوں کے تصور نے اس کو مایوس کر دیا تھا۔ گیتا یہ امید لگائے بیٹھی تھی کہ اودے پور میں اس کا قیام عارضی ہوگا۔ اس کا پتی یونی ورسٹی کی ملازمت سے مطمئن نہ تھا۔ ان دونوں نے دہلی چلے جانے کے بارے میں کئی بار بات کی تھی۔ حویلی چھوڑ دینے کے توقعات سے گیتا کو سکون حاصل ہوا۔

پانچواں باب

گیتا اپنے بستر پر بے چین لیٹی رہی اور جب وہ دن بھر کی مصروفیات کے بارے میں سوچنے لگی تو اس کے بدن پر ٹھنڈا پسینہ چھوٹنے لگا۔ پَو پھٹنے سے قبل ہی رسوئی گھر جو اس کے کمرے کے نچلے حصّہ میں تھا وہاں سے آوازیں سنائی دینے لگیں آج وجے کا جنم ہوئے اکیس دن بیت چکے تھے اور اس کو حویلی میں رہتے ہوئے دو سال ہو چکے تھے لیکن اس کے باوجود جب کبھی رشتہ دار اس کے قریب آتے تو اس کو گھبراہٹ سی محسوس ہوتی اور اس کو گھونگھٹ میں اپنا چہرہ چھپائے گھومنا پھرنا گوارہ نہ تھا۔

اس حویلی میں رہنے والی خواتین غریب اور امیر نوجوان اور عمر رسیدہ سب اپنا اپنا کام ٹھیک طور پر کیا کرتی تھیں ان سب میں بد سلیقگی نہ تھی۔ جو کام انھیں دیا جاتا وہ خوش اسلوبی سے انجام دیتی۔ کالج کی تعلیم سے گیتا میں خود اعتمادی کا کوئی جذبہ ابھر نہ آیا اور نہ ہی اس کے شوہر کی ستائش اور ہمت افزائی سے اس کو میسر تھا۔ حویلی میں جب اس نے پہلا قدم رکھا تو یہاں کی عورتوں نے کہا تھا۔ ”اس کا یہاں نباہ نہ ہوگا یہ ہم جیسی تو نہیں ہے۔“ یہ الفاظ اس کے کانوں میں ابھی تک گونج رہے تھے۔

جب شور وغل اور برتنوں کی جھنکار تیز ہونے لگی تو گیتا نے بستر سے اٹھنے کی ٹھان لی۔ ان رنگ رلیوں میں اس کو لے جانے کے لیے نوکرانیاں کسی بھی وقت اس کے کمرہ میں چلی آئیں گی۔ وہ اپنے کمرے سے قریب لگے ہوئے حمام خانہ

میں گئی۔ غسل کیا اور ساڑی بدلنے کے لیے اپنے بیڈ روم واپس چلی آئی۔ جب کہ اس کی ساس چپکے سے اس کے کمرہ میں داخل ہوئی۔

بنی جی، دھاپو تمھارے کپڑے لے آئیں گی۔ میں زیورات لائی ہوں۔ دیکھو تو یہ موتیوں کی مالا پسند ہے ورنہ میں تمھارے لیے اور زیادہ چمکیلے زیورات دکھاتی ہوں۔ یہ کہتے ہوئے مالکن فرش پر بیٹھ گئی اور چوڑیاں، کنگن، پائل، بازوبند مالے اور جھمکے علیحدہ علیحدہ کرنے میں مصروف ہو گئی۔

بھگونت سنگھ جی کی پتنی کو نوکر لوگ کنوارانی سہ کے نام سے پکارتے تھے۔ وہ چھوٹے سے قد اور دبلی پتلی ہونے کی وجہ سے لاغر دکھائی پڑتی تھی۔ اس کی جلد چکنائی دار تھی۔ البتہ سورج کی روشنی سے محروم ہونے کی وجہ سے اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ اس کی چال ڈھال تو پرندوں سے تیز تھی البتہ وہ سینہ تان کر چلا کرتی۔ اس کا انداز گفتگو حاکمانہ تھا۔ اس کے پتلے ہونٹوں کی شکنیں اس کے کٹرپن کا پتہ دیتی تھیں اور جاہ و جلال سے وہ گھومتی پھرتی تھی گویا کہ حکم چلانا ہی اس کا پیدائشی حق ہے۔

" بنی جی، تم اپنا چہرہ ڈھانکے رکھنا۔ اب تو تمھیں گھونگھٹ ڈالے ہوئے گھومنے پھرنے کی عادت پڑ گئی ہو گی۔ ملائم لہجہ اور بعد میں نصیحت کو پر اثر بنانے کے لیے وہ کہنے لگی۔ تم اپنی سسرال میں نوجوان ممیرے اور چچیرے بھائی بہنوں سے زیادہ باتیں مت کرنا۔ یہ ناشائستہ حرکت ہے۔ تم جانتی ہو کہ یہاں کی عورتیں تم پر شکایتیں کرتی ہیں۔ کیوں کہ تم میں ابھی تک کوئی سلیقہ نہیں ہے۔ میں انھیں بتلانا چاہتی ہوں کہ ایک پڑھی لکھی لڑکی کو بھی سلیقہ شعار بنایا جا سکتا ہے۔ میں انھیں دکھانا چاہتی ہوں کہ میں نے اپنے اکلوتے لڑکے کے لیے جس بہو کا انتخاب کیا ہے وہ غلط نہیں ہے اور اس کے علاوہ میری عمر ڈھل رہی ہے اور بہت جلد تمھیں میری جگہ لینی پڑے گی۔ یہ کہتے ہوئے اس نے گیتا کے ہاتھوں میں کنگن پہنا دیئے۔

تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اس نے کہا،" وجے کو جو بھی رقم دی جائے گی وہ پارلی جی جی کو دے دینا۔ منیم جی اس کا حساب رکھیں گے اور ہمیں پتہ چلے گا کہ اس

طرح کی تقاریب پر ہمیں دوسری حویلیوں میں کیا کچھ دینا پڑے گا۔"

اپنی شرمساری کی پردہ پوشی کے لیے گیتا نے کہا۔" جی ہاں، مالکن آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔ اس کو پتہ چل گیا کہ جس بات کا اس کو خوف تھا وہ صحیح نکلا۔ کسی نے بھی اس کو اس گھرانہ کے قابل نہ سمجھا۔ ہر ایک کو خدشہ لگا تھا کہ وہ کہیں اپنی بے شعوری میں کچھ ایسے غیر مہذب الفاظ کہہ نہ دے یا کوئی ایسی نازیبا حرکت کر بیٹھے جس کی وجہ سے انھیں حیرانی لاحق ہو۔

بھگوت سنگھ جی کی پتنی اٹھ کھڑی ہوئی اور کہا " بی جی، میں جانتی ہوں کہ جب تمھارے بارے میں کچھ ہنگامہ برپا ہو تو تم ٹھیک سے کھاتی پیتی نہیں ہو۔ جب دوسری عورتیں بھوجن کے لیے بیٹھی ہیں تو تم اوپر چلی آتی ہو۔ میں تمھارے لیے تھالی بھجوا دیتی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد میں دھاپو آئے گی اور تمھیں بقیہ زیورات بھی پہنا دیگی۔ یہ کہتے ہوئے وہ دروازے سے باہر نکل گئی۔

اس طرح کی رواداری اور شفقت سے بھگوت سنگھ جی کی پتنی کے جذبات کی گہرائی کا اندازہ لگانا دشوار کام تھا۔ وہ کٹھن تو تھی لیکن اس کو رضامند کرنا ناممکن تو نہ تھا۔ کئی چھوٹے چھوٹے مسائل میں وہ گیتا کے احساسات کو بخوبی سمجھتی تھی اور اس کی مرضی کی موافقت کرتی۔ البتہ وہ اپنے اصولوں پر ثابت قدم رہتی۔

گیتا نے جس دن سے حویلی میں قدم رکھا اسی دن سے اس کو حویلی کے آداب و مراسم سیکھنے پڑے۔ اس کی ساس ایک ایسی شخصیت کی مالک تھیں جس سے اختلافِ رائے کرنا ایک دشوار امر تھا۔ اور یہاں تک کہ اس کے روبرو کسی دوسرے نکتہ نظر کا اظہار بھی مشکل تھا۔ اس کا دوسروں پر اپنی برتری کا اظہار کرنے کا انداز نرالا تھا۔ وہ اپنی چالاکی اور ثابت قدمی سے دوسروں کو اپنا ہم خیال بنوا لیتی۔ وہ اپنی برہمی کو قابو میں رکھا کرتی وہ بظاہر نرم مزاج اور رحم دل تھی۔ اس نے کبھی اپنی آواز بلند نہیں کی۔ وہ صبر و تحمل سے کام لیتی اور دوسروں کی باتوں پر دھیان دیا کرتی۔ اس ہوشیاری اور نرم رویہ کی بنا پر گیتا نے بغیر کسی پس و پیش کے حویلی کے ماحول کو دھیرے دھیرے اپنا لیا۔ حویلی کی اس طرز زندگی میں کچھ ایسی کیفیت تھی کہ وہ خوفزدہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس سے مرطوب بھی ہو گئی۔

دھاپو اپنے سر پر کپڑوں کا گٹھرا لیے مسکراتی ہوئی کمرہ میں داخل ہوئی ۔ گیتا کو اداس دیکھتے ہوئے اس نے کہا " بی جی کیا کسی نے تم سے کچھ کہہ دیا ہے کہ تم پریشان ہوگئی ہو اور فرش پر اس طرح اپنی نگاہیں ٹکائے بیٹھی ہو " یہ کہتے ہوئے اس نے کپڑوں کا گٹھرا نیچے رکھ دیا ۔ آج تو مجھے حویلی سے متعلق تمھاری شکایتیں سننے کے لیے وقت نہیں ہے ۔ میرے بیسیوں کام اور پڑے ہوئے ہیں یہ کہتے ہوئے وہ جلدی جلدی کمخواب کی ساڑی کھولنے لگی ۔ " ہاں میں نے تو یہ کہا بھول گئی کہ کنورانی سا نے مجھ سے کہا تھا کہ تمھیں بتادوں کہ تم دوسروں کے روبرو ننھی منی کو مت اٹھایا کرو اور نہ ہی اس کو پیار کرو جیسے کہ تم نے اس دوران خالہ زاد ساس کے روبرو وجے بائی سا کو اٹھایا اور چوما تھا ۔

" تم مجھے نصیحت کرنا چھوڑ دو ۔ میں یہاں کے حیلوں اور بہانوں سے تنگ آچکی ہوں ۔ گیتا نے اپنی بلند آواز میں یہ کہہ کر اپنی بیزارگی کا اظہار کر دیا ۔ مجھے تو ان خرافات سے نفرت ہے خود مجھے اپنی اولاد سے کس طرح کا برتاؤ کرنا چاہیئے تمھیں بتلانے کی ضرورت نہیں ۔"

دھاپو نے معذرت چاہی ۔ گیتا کی یہ ڈانٹ سننے کی اس کو توقع نہ تھی ۔ " بی جی تم مجھ پر خفا نہ ہو ۔ ہم نوکروں کے لیے تو آج ایک اہم دن ہے ۔ ہم نے اس دن کے لیے ستائیس برس انتظار کیا ۔ اس نے جوشیلی آواز میں کہا اور گیتا کی پتلی سی کمر میں ساڑی ٹانگنے لگی ۔ اور اپنے سبک ہاتھوں سے اس کو کنگن اور پائل پہنا دیئے ۔ دھاپو نے جب اس کا سر ساڑی سے ڈھانکا تو گیتا کو پتہ چلا کہ سب تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں ۔

جب وہ کمرہ سے باہر نکلی تو اس کا سر اور بھی زیادہ جھکا ہوا تھا ۔ بھاری بھرکم زیورات کے بوجھ سے وہ دبی ہوئی تھی اور رشتہ داروں کا وہ جمگھٹا جو آنگن میں لگا ہوا تھا اس سے وہ سہمی ہوئی تھی ۔

انیس برس کی عمر میں جب گیتا نے دلہن بن کر جیون نواس میں قدم رکھا تو وہ خوش طبع اور بے تکلف تھی ۔ اس کو یہ تربیت دی گئی تھی کہ وہ اپنی اظہارِ محبت میں ضبطی نہ کرے اور اپنے جذبات کو قابو میں رکھے ۔ اس کے ماتا پتا نے اس کو اپنے خیالات کا اظہار کرنے کی مکمل آزادی دے رکھی تھی ۔ اس کے قول و فعل میں طفلانہ

جوش عیاں تھا۔ وہ جانتی تھی کہ بیاہ کرنا گویا ایک اجنبی ماحول میں قدم رکھنا ہے لیکن اس کو کوئی خوف لاحق نہیں تھا۔ جوش جوانی نے اس میں یہ اعتماد پیدا کر دیا تھا کہ وہ پیار و محبّت سے ہر مقام اور ہر کسی کا دل موہ لے سکتی ہے لیکن چند سال کی مدت گزر جانے پر بھی اپنی خوش فہمی پر اس کو کامل یقین تھا۔ حویلی کا کوئی فرد اپنے صحیح جذبات کا اظہار نہیں کیا کرتا تھا۔ وہ اپنے احساسات کو رسمی حرکات و سکنات کی تکالف میں لپیٹ دیئے خود اپنا پتی اپنے ماتا پتا سے اس طرح گفتگو کرتا گویا وہ ممتاز شخصیتیں ہوں۔ اور جن کے روبرو کوئی گستاخی سرزد نہ ہو جائے۔ جس انداز میں چھوٹے بڑوں کا احترام کرتے تھے اس سے ان کی بے تکلفی کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ حویلی میں رہتے ہوئے گیتا کو دو برس ہو گئے اس دوران اس نے خاندان کے کسی فرد کو آپس میں ناشائستہ گفتگو کرتے ہوئے نہیں سنا۔ وہ جانتی تھی کہ حویلی میں چند رشتہ داروں کو اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا تھا اور چند سے تو نفرت کی جاتی تھی لیکن جب کبھی وہ حویلی آتے تو اس کی ساس ان کی اس طرح آؤ بھگت کرتی گویا انھیں دیکھ کر ان کو انتہائی مسرت حاصل ہوئی ہو۔ یہاں کا ہر ایک فرد اپنے رہن سہن میں احتیاط برتتا کرتا تھا اور کافی سوچ بچار کے بعد ہی اپنی زبان کھولتا۔ یہاں تک کہ نوکروں پر بھی کوئی جھنجھلا نہیں اٹھتا لیکن جن شائستہ الفاظ میں انھیں نصیحت کی جاتی تھی ان میں اتنی کرختگی ہوتی جو کھلے طور پر گالیاں دینے سے بدتر تھی۔

ان دو برسوں میں گیتا کا جوش و خروش دھیما پڑ گیا لیکن وہ اپنے اور احساسات کو مکمل طور پر قابو میں نہ رکھ سکی۔ وہ اپنی سسرال کے نوعمر رشتہ داروں سے کھلے طور پر بات کرنے کی اہلیت رکھتی تھی اس وجہ سے اس کی ساس نے اس کو زیادہ تر خاموشی اختیار کرنے کی ہدایت دی۔

حویلی کا آنگن عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ جو گہرے سرخ سبز اور نارنگی رنگ کی شوخ ساڑیوں میں ملبوس تھیں اور شرارتی بچّوں کا بھی کافی ہجوم تھا جو چمکیلے اور بیل بوٹے دار انگرکھے زیب تن کیے ہوئے تھے۔ اس محفل میں چند بیوائیں بھی تھیں جو کم سن تھیں انھوں نے سیاہ رنگ کی ساڑیاں پہن رکھی تھیں۔ ان بیواؤں کا سیاہ لباس سہاگن کے رنگ برنگے کپڑوں کے بیچ ایک بدنما دھبہ سا دکھائی دے رہا تھا

وہ ایک دوسرے سے اس طرح باتیں کرنے لگی تھیں گویا ان کی ملاقات کئی برسوں کے بعد ہو رہی ہے۔ مہمانوں کی تعداد بڑھ گئی۔ ان کا ایک دوسرے سے بات کرنا فضول تھا کیوں کہ وہ ایک دوسرے کو پہچانتے تھے۔ بچے خوشی خوشی اپنی ماؤں کے پیچھے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے لیکن عورتیں اس شور و غل کے باوجود اپنی باتوں میں مگن رہیں۔

پارلی اس ہجوم کو پار کرتے ہوئے گیتا کو اس کی دادی ساس کے پاس لے آئی۔ بھابھاسہ آنگن کے سایہ دار برآمدے میں پلنگ پر بیٹھی ہوئی تھی اور وجے اس کے بازو میں پڑی تھی۔ اس کی نوکرانیاں بھاتیاجی اور گوپی بائی پنکھا جھل کر نتھی کے چہرہ سے مکھیاں دور کر رہی تھیں۔

گیتا نے جھک کر اپنے دادی ساس کے پیر چھوئے۔ سنگرام جی کی پتنی نے اس کو آشیرواد دیتے ہوئے کہا۔ تمھارے بہت سے لڑکے ہوں اور تم سدا سہاگن رہو یہ کہتے ہوئے اس نے گیتا کے ڈھکے ہوئے سر پر اپنا شفقت بھرا ہاتھ رکھا۔

آنگن کے بیچ جہاں پر شامیانہ لگا تھا اس کے پنڈت بیٹھے پوجا پاٹ کر رہے تھے اور ان کے بیٹے آنگن میں چلے آئے۔ تمام شور و غل دھیما پڑ گیا۔ وہ آہستہ آہستہ پر وقار انداز میں شامیانہ میں داخل ہوئے گویا یہاں پر انھیں کوئی اہم فریضہ انجام دینا ہے۔ پنڈت جب چندن کی لکڑیوں کے ڈھیر کو آگ لگانے لگے تو پارلی نے گیتا کو اس تعمیر شدہ میز کی طرف لے گئی اور اس کو اس کے پتی کے بازو میں بٹھا دیا جو وہاں براجمان تھے۔ ان کے ایک بازو میں تو آگ جل رہی تھی اور دوسری طرف بھگوت سنگھ جی اور اس کی پتنی ان کے بالمقابل بیٹھے ہوئے تھے۔ پنڈت جب آگ پر گھی ڈالنے لگے تو منتروں کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ پنڈت نے بھگوت سنگھ جی اور ان کے بیٹے کو بھی اسی طرح رسم ادا کرنے کا اشارہ کیا۔ آنگن میں بچوں کی بھاگ دوڑ اور شور و غل میں منتروں کی آواز ڈوب گئی۔ چوں کہ پوجا پاٹ کے دوران شور و غل تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ اس لیے پنڈت اپنے کام میں محو تھے۔

پوجا پاٹ جب ختم ہوئی تو بھگوت سنگھ جی اور ان کا بیٹا یہ دونوں آنگن سے باہر نکل پڑے۔ جب سب مرد لوگ یہاں سے چلے گئے تو عورتوں کو سکون ہوا

اور وہ پھر سے اپنی بلند آوازیں باتیں کرنے لگیں۔ پارلی نے گیتا کو سہارا دیتے ہوئے نیچے اتارا۔ اس کی ساڑی ٹھیک کی اور اس کو سب سے بڑے رشتہ داروں کے قریب لے گئی تاکہ گیتا ان کے پیر چھو سکے۔ گیتا نے جو زربفت ساڑی پہن رکھی تھی اس کی وجہ سے اس کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ گوٹا کناری کے لمس سے اس کی ناک گدگدا رہی تھی۔ وہ چھینکنا چاہتی تھی۔ اس کو گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ آنگن کے ہجوم کو اس نے احتیاطاً پار کیا۔

اس کو ڈر تھا کہ کہیں وہ کسی کو ٹھوکر نہ لگا دے۔ پیر چھونے کے لیے گیتا جب جھکنے لگی تو اس کے کانوں میں ان الفاظ کی گونج سنائی دی، " تمہارے آٹھ لڑکے ہوں۔ بھگوان تمہیں سکھی رکھے اور یہ حویلی ہمیشہ قائم رہے۔ ان الفاظ کا اس کے ذہن پر کوئی اثر تو نہ ہوا۔ وہ صرف یہی چاہتی تھی کہ وہ اپنے ہوش و حواس کھوئے بغیر دوسروں کے پیر بھی چھو لے بھاری وزنی ساڑی چوڑی دار گھاگرا اور سونے کے زیورات کے بوجھ سے اس نے ایسا محسوس کیا گویا کہ وہ لکڑی کا ایک بے حس کندا ہے۔ جب پارلی نے اس کو بھابھاسہ کی سیج کے بازو میں بٹھلایا تو گیتا کو یقین تھا کہ اس کی صبر آزما گھڑی اب ختم ہو چکی ہے۔

شور و غل اور ہنگامہ اپنے عروج پر تھا اور بھابھاسہ کے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کو گھٹن سی محسوس ہونے لگی۔ عورتیں ایک کے بعد ایک بھابھاسہ کو مبارکباد دے رہی تھیں اور وجے کے ننھے اور بند ہاتھوں میں نقدی رکھتی جا رہی تھیں۔ نقدی کی یہ رقم حویلی کے رقبہ اور سنگرام سنگھ جی کے ساتھ اپنے تعلقات کی اساس پر مبنی تھی۔ خاندانی منیم جس نے فولادی کنارہ کی عینک پہن رکھی تھی۔ وہ اپنا سر جھکائے حویلی کا نام اور رقم درج کر رہا تھا جو پارلی اس کو بتا رہی تھی۔

جب سب عورتوں کی بھابھاسہ سے ملاقات ہو چکی اور انھوں نے ان کی ننھی سی پڑپوتی کو آشیرواد دیا تو گھڑی میں بارہ بجنے کا وقت تھا۔ پنڈت پھل اناج اور کپڑے لے کر چل دیئے۔ نوکرانیوں نے آنگن کے قریب برآمدہ میں موٹی اور سفید چادریں بچھا دیں اور اس کے کناروں پر کیلے کے بڑے اور سبز پتے بچھا دیئے اور اس کے ساتھ میں سوکھے پتوں اور نازک ٹہنیوں میں بنی ہوئی کٹوریاں رکھ دیں۔

گرما گرم چاول، دال، سبزیاں اور کئی قسم کے مسالہ دار سالن بالٹیوں میں بھرے ہوئے تھے۔ بڑی بڑی تھالیوں میں مٹھائیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان مسالوں کی خوشبو اور لوبانی مہک نے فضا کو معطر کر دیا۔

جب سب کچھ تیار ہو چکا تو بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے رسمی طور پر عورتوں کو بھوجن کرنے کو کہا گویا کہ وہ سب ایسے مہمان ہیں جو اس حویلی میں پہلی مرتبہ آئی تھیں۔ اشیائے خوردنی کی خوشبو سے بچے مچل اٹھے۔ وہ ایک دوسرے کو ڈھکیلتے ہوئے جو جگہ خالی تھی وہاں بیٹھ گئے یا اپنی ماں اور دادی کے بازو میں اپنے لیے جگہ بنالی۔ لبوں کے چٹخارہ میں گپ شپ کی آوازیں ڈوب گئیں۔ قریبی سگے سمبندھیوں نے مہمانوں کی تواضع کی اور جب بھوجن بھری بالٹیاں خالی ہو گئیں تو بھری بالٹیاں دوبارہ لائی گئیں۔

بھگوت سنگھ جی کی پتنی اپنے سن رسیدہ رشتہ داروں کے ہمراہ مہمانوں کے قریب گئیں اور انھیں کچھ اور زیادہ کھانے کے لیے اصرار کیا۔ "تھوڑا اور چاول لو۔ ایک پوری اور لو۔ نہیں تو لڈو ہی لے لو۔" مہمانوں نے ان کی ایک نہ مانی۔ آخرکار انھیں کچھ اور زیادہ کھانے پر مجبور کیا گیا۔ جب وہ مزہ لے لے کر کھا پی چکے تو وہ اطمینان بھری سانس لیے اٹھ کھڑے ہوئے اپنے ہاتھ دھو ڈالے اور قریبی آنگن میں چلے آئے جہاں انھیں آرام کرنے کی سہولتیں مہیا تھیں۔

عورتوں کی پہلی جماعت بھوجن کر چکی تو نوکرانیوں نے جلدی سے پتّرا اور کٹوریاں اٹھالیں اور اس کو آنگن کی دیوار کے پیچھے پھینک دیا۔ آوارہ گھومتے ہوئے کتے اور گائے ان پتوں اور کٹوریوں میں بچے کھچے بھوجن کو چاٹنے کے لیے تیار تھے۔ نوکرانیاں بہت تیزی سے اپنے کام میں لگی تھیں کئی سال کے تجربہ نے انھیں بغیر چون و چرا کثیر لوگوں کی خاطر تواضع کرنے میں ماہر بنا دیا تھا۔ تمام مہمانوں کی خاطر داری ہونے تک اس طرح کی لگاتار ریل پیل جاری رہی۔ عورتوں کی آخری صف کھا پی کر فارغ ہونے تک بھگوت سنگھ کی پتنی اِدھر اُدھر گھومتی پھرتی رہی۔

اس مہمان نوازی کے دوران گیتا کو اپنے کمرہ میں جانے کی اشارتاً اجازت

دی گئی اور دو گھنٹوں بعد جب وہ نیچے چلی آئی تو اس کو تھوڑا بہت سکون ملا۔ اب شور وغل کچھ کم ہو چکا تھا۔ نوکرانیاں فرش پر سے دال اور سالن کے ڈبرے چاول اور چٹ پٹی غذاؤں کے دانے اور تنکوں کو جھاڑو سے صاف کر رہی تھیں۔ عورتیں خاموش تھیں۔ مسالہ دار بھوجن نے تھوڑی دیر کے لیے ان میں آسودگی پیدا کر دی تھی۔ بھابھاسہ خوش نظر آرہی تھی۔ عمر رسیدہ عورتیں ان کے قریب بیٹھی ہوئی ان سے باتوں میں لگی تھیں۔ وہ کچھ وقفہ کے لیے اپنی آنکھیں موند لیتیں اور پھر جاگ اٹھتیں۔ وہ ہر ایک پر اپنی نظر رکھنا چاہتی تھی تاکہ وہ آزادی سے بات چیت کر سکیں ان سب نے گھونگھٹ ڈال رکھا تھا تاکہ ان پر کسی عمر رسیدہ رشتہ دار کی نظر نہ پڑ جائے۔ گیتا چپکے سے اس حلقہ میں جا بیٹھی۔

شام ہونے چلی تھی۔ حویلی میں پھر چہل پہل شروع ہونے لگی۔ گانے بجانے والوں کی ٹولی آ پہنچی تھی اور سنگرام سنگھ جی کی قدیم حویلی میں گانے کی محفل سجی۔ ان گانے بجانے والیوں کے خاندانی افراد کئی پشتوں سے اس حویلی کی تقریبات میں گاتے اور ناچتے چلے آرہے تھے۔ جب محفل میں رنگ جمنے لگا تو ایک سن رسیدہ عورت اٹھی اور یہ نوجوان شادی شدہ عورتیں جو اپنا حلقہ بنائے بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے قریب آئی اور ایک کا کندھا جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ اب تو تمھارا کھانا بھی ہضم ہو چکا ہوگا چلو اٹھو اور ناچو۔ آج شبھ دن ہے اور تم نے جی بھر کے باتیں کی ہیں۔

لڑکیاں شرمساری سے پس و پیش کرنے لگیں اور اپنے ہاتھ آغوش میں چھپائے کانتا جو بھگوت سنگھ جی کی بیوہ بھتیجی تھیں کہنے لگیں۔ "چلو اٹھو اس طرح تو نہ بن بیٹھو جیسے کہ تم نے ابھی ابھی اپنے پیروں میں مہندی لگائی ہو۔ اور تم دلہن بن بیٹھی ہو،" جب میرے اپنے دن تھے تو مجھ کو کسی بلاوے کی ضرورت نہیں تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ جب میں ناچنے لگتی تو مجھ کو رکوانے کے لیے زبردستی فرش پر سے اٹھالیا جانا پڑتا۔ یقین نہیں آتا تو پارلی جی جی سے پوچھ لو۔

مجبوراً ایک لڑکی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنا چہرہ پر گھونگھٹ ڈال لیا اور شرماتی ہوئی آنگن کے بیچوں بیچ کھڑی ہوگئی۔ شروع شروع میں تو وہ ناز و انداز سے اپنے ہاتھوں کو جنبش دیتی رہی لیکن ڈھولک کی دھاپ کے مطابق وہ اپنا بدن لچکانے

سے قاصر رہی۔ اس نے ناچنے کی کسی طرح کوشش کی اور کچھ دیر بعد وہ پشیمانی کے عالم میں وہاں سے بھاگ نکلی گانے والیوں کو اس کی اس حرکت پر مایوسی ہوئی۔

خفیف سا دھکا اور تنگ کیے جانے پر ایک دبلی پتلی اور اونچے قد کی لڑکی اٹھ کھڑی ہوئی اور جلدی جلدی آنگن کے بیچ چلی آئی شروع میں تو وہ لڑکھڑائی اور جھجک سی محسوس ہوئی لیکن اس دوران اس کے ہاتھ اور پاؤں لچیلے بن چکے تھے۔ وہ مست خرام ہو کر ناچنے لگی۔ اس کا گھاگرا زوروں سے لہرانے لگا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ کنول کی مانند جوڑ لیے اس کے بازوؤں کی حرکت تیرتی ہوئی مچھلیوں کی طرح نظر آنے لگی۔ گانے والیوں نے اپنی آواز بلند کر دی اور ڈھولک کی تھاپ تیز تر ہو گئی۔ اس راگ اور رنگ کی محفل سے آنگن گونج اٹھا۔ اپنے چہرہ کو ڈھانکنے کے لیے وہ لڑکی کچھ دیر رکی اور پھر سے ناچنے لگی۔

اس کے رقص کو سراہتے ہوئے عورتیں کہنے لگیں۔ یہ تو نازک اندام ہے اور اپنے فن میں مہارت رکھتی ہے وہ یہ کہتے ہوئے اپنی چولیوں سے روپیوں کے نوٹ نکالے اور اس کے قریب آئیں۔ انھوں نے یہ نوٹ اس لڑکی کے سر پہ گھما کر گانے والوں کی گود میں ڈال دیئے۔ اس نوجوان رقاصہ کو نظر بد سے بچانے کے لیے یہ بھینٹ دے دی گئی

چلو آؤ اب تمھاری باری ہے۔ کانتا نے ایک گداز بدن والی لڑکی سے کہا جو اپنا سر گھٹنوں میں دبائے بیٹھی ہوئے تھی۔ اس نے ناراضگی میں اپنا سر ہلایا لیکن کانتا اس کو گھسیٹ کر آنگن کے بیچ لے آئی۔

یہ لڑکی کچھ دیر بے تکا پن سے آنگن میں کھڑی رہی اور مسکرانے لگی اور اپنے گھونگھٹ کے جھروکے سے ڈھول پیٹنے والوں کو دیکھنے لگی۔ ان ڈھول پیٹنے والوں نے بھانپ لیا کہ انھیں اپنے ساز کی چھیڑ میں ڈھیل دینی چاہیے۔ گانے والیوں نے اپنا گلا صاف کیا اور ایک رومانی مگر بے کیف راگ چھیڑا۔

جب یہ لڑکی آنگن میں جھوم جھوم کر ناچنے لگی تو عورتوں نے حیرت زدگی سے کہا، " اوہ یہ تو بہت اچھی طرح ناچتی ہے۔ کسی کو یہ یقین نہ تھا کہ اس بھاری بھرکم بدن کے باوجود یہ لڑکی اس حسن و خوبی سے ناچ سکے گی۔

اس سے پہلے تو وہ پتلی سی تھی لیکن چوتھے بچّے کے جنم کے بعد وہ موٹی پڑ گئی۔ کسی دوسری عورت نے کہا۔

اس لڑکی کا پُرشکن چہرہ مسرت سے کھل اٹھا اور وہ مسکرانے لگی۔ وہ دوسری عورتوں کے ساتھ ساتھ گانے لگی۔ اس کے بدن کے پیچ و خم نے محفل کو پُرکیف بنا دیا۔ اور اس کے رقص نے جذبات محبت کے سوتے کھول دیئے تھے۔

ایک اور ناچ ہو جائے اب تو تم آرام کر نہیں سکتیں۔ عورتیں جب یہ کہنے لگیں تو وہ لڑکی اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھنے لگی تھی۔ گیتا کو اس وقت اطمینان ہوا جب کہ وہ لڑکی آنگن میں ہی ٹھہری رہی۔ گیتا خوفزدہ تھی کہ کہیں کوئی اس کو ناچنے کے لیے مجبور نہ کر دے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کو ناچنے کے لیے اس لیے نہیں کہا جائے گا کیوں کہ بچّی کے جنم دینے کے بعد وہ کمزور ہو چکی تھی۔

بڑی بوڑھی عورتیں پچھلی مرتبہ کی طرح اٹھیں اس ناچنے والی لڑکی پر سے نوٹ گھمائے اور مسکراتے ہوئے ڈھولچیوں کو دے دیئے۔ گائیکوں نے اس ڈھیر سارے نوٹ پر نظر ڈالی اور اپنی پُرجوش آواز میں راگ الاپنے لگے۔ اس حویلی کی خواتین نے بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ یہ ایک خصوصی تقریب تھی۔ یہاں تک کہ بوڑھی عورتوں نے بھی اپنی نا آشنائی کو بالائے طاق رکھ دیا اور اس مانوس اور دھیمی راگنی جس کو انھوں نے کئی مرتبہ سنا تھا اس کی تال پر وہ بھی ناچنے لگیں۔

رقص و سرور کے اس ہنگامہ میں عورتوں کو یہ پتہ نہ چلا کہ سورج ڈھل چکا ہے اور رات ہونے چلی ہے اور جب حویلی میں روشنیاں ہونے لگی تھیں تو ان کی توجہ کہیں اور تھی اور انھیں یہاں سے رخصت ہونے کا خیال تک نہ آیا۔ گائیکوں کی سحرانگیز موسیقی نے انھیں یہاں زیادہ دیر تک ٹھہرنے پر مجبور کر دیا۔

دھاپو نے گیتا سے دھیمی آواز میں کہا۔" بی جی میرے ساتھ تو چلو گیتا سہمی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ کیا اس سے کوئی غلطی ہو گئی ہے؟ میں نے تمھیں اتنی دیر تک خاموش رہتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔ حویلی کے دوسرے علاقے جو کچھ ہو رہا ہے کیا تمھیں اس کو دیکھنے کا اشتیاق نہیں ہے؟ دھاپو کی آنکھوں سے شرارت جھانک رہی تھی میرے پیچھے پیچھے چلو کچھ دیر کے لیے تو تمھاری غیر موجودگی کوئی محسوس نہیں کرے گا۔

حرم سرا چھوڑ کر گیتا دھاپو کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ اس کو پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے البتہ اس شور و غل سے بچ نکلنے پر اس کو خوشی محسوس ہوئی تھی نہیں نہیں اس راستہ سے نہیں دھاپو نے سہمے ہوئے لہجہ میں کہا۔ یہاں سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلی آؤ۔ وہاں سے ہم سب کچھ اچھی طرح سے دیکھ سکیں گے۔ اور کسی کو پتہ بھی نہ چلے گا کہ ہم انھیں دیکھ رہے ہیں۔ دھاپو گیتا کو اپنے ساتھ لیے ہوئے ایک تاریک راستہ سے تنگ سیڑھیوں کو پار کر کے مردانہ علاقے میں لے آئی۔ وہ گیتا کے ہاتھ تھامے ہوئے اس کو اوپر لے آئی اور کہنے لگی تم اسی جگہ کھڑی رہو۔

گیتا جالی دار کھڑکی سے نیچے کی طرف جھانکنے لگی۔ اس نے اپنی آنکھوں پر اپنے ہاتھوں کا سایہ ڈال لیا تاکہ آپ کو صاف طور پر سب کچھ نظر آئے۔ اس نے اپنے شوہر وجے سنگھ کو دیکھا جو گھٹنوں تک لمبا سفید انگرکھا اور سر پر سرخ رنگ کی پگڑی پہن رکھی تھی۔ وہ اپنے پتا کے قریب کھڑا ہوا تھا جنھوں نے رنگ برنگی پگڑی باندھ رکھی تھی اور سفید انگرکھا پہن رکھا تھا باپ اور بیٹے دونوں ہم شکل تھے۔ ان دونوں کے چہرے ہو بہو ویسے ہی تھے جیسے کہ اس نے دیواروں پر ٹنگی ہوئی تصاویر میں دیکھی تھیں۔ ان کے چہروں پر بھی وہی رئیسانہ شان و شوکت تھی اور آنکھوں میں بلا کی تیزی۔ مہمان اپنے ریشمی اور زریں پگڑیوں کوٹ اور چوڑی دار پاجاموں میں حسین لگ رہے تھے۔ یہ محفل شائستگی کا ایک نمونہ تھی۔ یہاں تک کہ نوکر لوگ بھی مودبانہ انداز میں مہمانوں کی شربت اور مٹھائیوں سے تواضع کر رہے تھے۔ گیتا نے اپنے دادا سسر سنگرام سنگھ جی کو دیکھا جو مسند پر شاہانہ انداز میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اپنی سفید اور لمبی سی داڑھی میں وہ فرشتہ جیسے لگ رہے تھے۔ کبر سنی کی وجہ سے وہ کمزور ہو چکے تھے لیکن ان کی غضب ناک آنکھوں اور سخت زبانی سے پتہ چلتا تھا کہ وہ ایک قوی اور ہیکل شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کے چہرے پر شریف النفسی کی جھلک تھی۔ لیکن ان کی رحم دلی کے آثار نمایاں تھے ان کی نگاہوں سے پتہ چلتا تھا کہ وہ خیالوں میں گم رہتے ہیں۔ گویا انھیں اپنے قریبی ماحول سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور وہ ماضی کی یادوں میں کھوئے ہوئے ہیں۔ انھیں وہ دن یاد ہے جب کہ انیس برس پہلے ان کے پوتے اجے کا جنم ہوا تھا۔ اس کے جنم کے ایک ماہ بعد خود اودے پور کے

مہارانا نے حویلی میں تشریف فرما ہو کر اس لڑکے کے جشن جنم میں شرکت کی تھی۔ اب یہاں پر جو سو مہمان اکٹھا ہیں۔ اس وقت تو پانچ سو مہمانوں نے شرکت کی تھی۔ سونے اور چاندی کے تحفوں سے کمرہ بھرا ہوا تھا۔ مہارانا سرخ اور زریں مسند پر براجمان تھے درباری اہل کاروں نے انھیں گھیر رکھا تھا۔ رئیس اور امرا، انھیں اپنی عقیدت پیش کر رہے تھے۔ مہمانوں کے روبرو عورتیں رقص کر رہی تھیں۔ ان کی نگاہوں میں ان رنگین ساڑیوں کی جھلک باقی ہے جو ان عورتوں نے پہن رکھی تھی اور اس قدر تیزی سے اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھیں کہ نہ تو ان کا چہرہ صاف طور پر دکھائی دے رہا تھا اور نہ کہ ان کے جسم کی ساخت۔ انھوں نے تھوڑی دیر کے لیے اپنی آنکھیں موندلیں اور وہ نظارہ ان کے ذہن سے غائب ہو گیا جب دوست اور رشتہ دار بندگی سے مبارکباد دینے لگے تو ان کے سنجیدہ چہرہ پر مسکراہٹ بکھر گئی اور وقتاً فوقتاً اپنی پگڑی جھکاتے ہوئے ان کے حکم کی سماعت کرتے رہے۔ گیتا نے جب یہ منظر دیکھا تو اس پر ایک عجیب سا عالم طاری ہو گیا۔ اودے پور میں جاگیردارانہ نظام ختم ہو چکا تھا لیکن اس کے باوجود ایسا لگتا تھا کہ میواڑ کی روایات ان کٹھور انسانوں کے ہاتھوں سلامت ہیں جو اس قدر پُرسکون ثابت قدم اور شائستہ دکھائی دے رہے۔ اس پر گیتا کے دل میں ناز اور الفت کے جذبات امنڈ آئے۔ یہ تو اچھے لوگ ہیں۔ رحم دل درد آشنا اور جاں نثار نیچے کا یہ منظر دیکھ کر گیتا اپنی روزمرہ کی کوفتیں بھول گئی۔ خاندان کی ان اونچی روایات کے روبرو وہ اپنی چھوٹی موٹی مشکلات کو ہیچ سمجھنے لگی۔

گیتا نے جب پتھریلی اور جالی دار دریچے سے اپنا چہرہ ہٹا لیا تو دھاپو نے کہا ڈرو نہیں میں جانتی ہوں کہ ہمیں کب واپس چلنا ہے۔ جودھپور سے مشہور آئی ہوئی ہے اس کا سنگیت تمھیں سننا چاہیئے۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ اپنا سنگیت شروع کر دے وہ ایک محفل موسیقی کے لیے پانچ سو روپیہ لیتی ہے اور وہ صرف مردوں کے روبرو ہی گاتی ہے وہ ان بوڑھی عورتوں کی طرح تو نہیں جو اپنی بے سری آوازیں میں آنگن میں گاتی ہیں۔ میرے کانوں میں تو ابھی تک اس کی اذیت باقی ہے۔

گیتا پھر سے جالی دار دریچے سے جھانکنے لگی۔ لیکن اس کو کوئی گائیکہ نظر

نہیں آئی۔ اس کو کسی کے گلا صاف کرنے کی آواز سنائی دی۔ مختلف زاویوں سے گیتا نے اس گائیکہ کو دیکھنے کی کوشش کی لیکن اس کو دیکھ نہ پائی۔ جب گانے کی آواز بلند ہوئی تو وہ صاف سریلی اور میٹھی تھی۔

اس نے جو راگ چھیڑا تھا اس میں راجپوت سپاہیوں کی جاں بازی کا ذکر تھا جب کہ وہ میدانِ جنگ کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔ اس کی بلند آواز فضا میں گونج گئی اور اس کمرہ میں بیٹھے ہوئے مہمانوں کے دلوں میں سما گئی وہ اپنی خاکِ وطن پر ناز کرنے لگے اور ان کے چہرے اس خوشی سے دمک اٹھے۔

"اب تم نے تو عمدہ نغمہ سن لیا۔ اب ہمیں چلنا چاہیے۔ مالکن تو مجھے تلاش کر رہی ہو گی،" دھاپو نے کہا۔

"کچھ دیر اور رک جاؤ بائی" گیتا نے اپنا چہرہ جالی دار کھڑکی سے لگائے ہوئے کہا۔

"دوبارہ مجھ کو نہیں ڈانٹنا۔" دھاپو نے کہا۔ "اگر میں نہ کہتی تو تم ابھی تک ان عورتوں کے ساتھ درد سر لیے ہوئے بیٹھی رہتی۔ تم نے تو بہترین گیت سن لیا اور اس اہم دن کی آن بان دیکھ لی۔ اب ہم یہاں پر ایک منٹ زیادہ نہیں ٹھہر سکتے۔"

بادل ناخواستہ تاہم مسرور ہو کر گیتا مرمریں دیوار سے پرے ہٹ گئی اور دھاپو کے ہمراہ سیڑھیاں اترنے لگی۔

لڑکیوں کا رقص ابھی تک جاری تھا۔ گائیک تھک چکے تھے لیکن ایک اور دو روپیوں کے نوٹوں کے ڈھیر دیکھ کر انھوں نے اپنا گانا جاری رکھا۔ عورتیں یہاں سے رخصت ہونے کی تیاریاں کر رہی تھیں وہ غیر معمولی طور پر یہاں زیادہ دیر تک ٹھہر گئی تھیں۔ بھابھاسہ سو چکی تھیں کسی نے انھیں نہیں جگایا۔ ان کی جگہ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے انکساری سے اس شاندار جشن پر دی گئی مبارکبادیں قبول کیں۔ عورتیں اپنے نوکروں کے ہمراہ آنگن سے رخصت ہونے لگیں۔ آنگن میں گہما گہمی ختم ہونے تک شام ہو چلی تھی۔ جو رشتہ دار شب میں یہاں ٹھہرنے والے تھے وہ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے لیکن بھگوت سنگھ جی کی پتنی جو تھکی ماندی تھیں وہ بچے کھچے لڈو اور کچوریاں رسوئی گھر کے برتنوں کی الماری میں رکھ دیں۔ نوکرانیوں نے آنگن میں

جھاڑو لگائی، برتن صاف کیے، چاندی کے تھالوں اور پیالوں کی گنتی کی اور انھیں طاقوں میں رکھ جب سب کام ختم ہوگیا تو وہ سکون سے بیٹھ گئیں وقت کافی گزر چکا تھا لیکن وہ اتنی تھکی ہوئی تھیں کہ انھیں نیند نہیں آئی وہ آنگن میں بیٹھی گانے لگیں۔ انھوں نے اپنی مدھم آواز میں دیوی دیوتاؤں، رادھا اور کرشنا، رام اور سیتا شیو اور پاروتی کے گُن گانے لگیں۔ گیدڑوں کے چلانے اور کتّوں کے بھونکنے کی آواز میں ان کی آواز ڈوب گئی۔ رات کا سناٹا جب بڑھتا چلا تو آرام کرنے کے لیے وہ چپ چاپ لیٹ گئیں۔

چھٹا باب

اس جشن کے زیادہ تر حصّہ میں گیتا سرگرم تو نہیں رہی لیکن پھر بھی اس نے تھکاوٹ محسوس کی۔ وہ دیر سے جاگی۔ اس کو پتہ تھا کہ نیچے اس کی ساس اس کا انتظار کر رہی ہوگی لیکن بستر چھوڑنے کی اس میں توانائی باقی نہیں رہی۔ دھاپو بھی گیتا کے حمام میں وجے کو دھیرے دھیرے نہلا رہی تھی۔

گنگا یکایک کمرہ میں گھس آئی اور کہنے لگی۔ " بی جی بی جی میں جو سُرخ ساڑی اور گھاگرا چاہتی تھی وہ مجھ کو مل گئیں۔ اب تو وقت نہیں ہے کہ میں وہ پہن کر تمھیں دکھلاؤں۔ مجھے رسوئی گھر جا کر کھیالی کی مدد کرنی ہے وہ تو چلانے لگا ہے۔ یہ کہتے ہوئے گنگا نے یہ بنڈل گیتا کے پلنگ کے قریب رکھ دیا اور جب وہ کمرہ سے چلنے لگی تو چمپا سے ٹکرا گئیں۔

" مجھے بھی وہی ملا جو میں چاہتی تھی۔ چمپا نے کمرہ میں داخل ہوتے ہوئے کہا اس کا چہرہ خوشی سے اس طرح دمک اٹھا گویا اس کو دنیا کا بہترین کمخواب مل گیا ہے ان کی یہ سچّی مسرت دیکھ کر گیتا متاثر ہوئی ان کے اس اظہارِ احسان مندی میں کوئی تصنع تو نہ تھا اس نے پہلی مرتبہ یہ محسوس کیا کہ جس تزک سے یہ جشن منایا گیا وہ فضول تو نہ تھا۔

تو تم ساڑیاں دکھلانے کے لیے بی جی کے پاس گئی تھیں یہ کہتے ہوئے لکشمی جو برآمدے میں جھاڑو لگا رہی تھی اپنے ہاتھ روک لیے۔ یہاں پہ بھابھا بڑی سو رہی تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں میں جھاڑو پکڑے ہوئی تھی اس کی آواز میں طنز تھا اور نگاہوں میں کینہ۔ وہ کہنے لگی " کیا پاری جی جی نے سونے کی چوڑیاں اور سرجو نے

سونے کی بالیاں تمھیں دکھلائیں جو انھیں دی گئی تھیں یہاں تک کہ دھاپو کو بھی سونے کی انگوٹھی ملی۔ اس کے چہرہ سے تو تمھیں اس کا پتہ نہ چلے گا لیکن مجھے یقین ہے کہ اس کو سونے کی انگوٹھی ملی ہے۔

اگر اس کو انگوٹھی ملی بھی تو کیا ہوا۔ تم سمجھتی ہو کہ ہم سب کو سونا ملے گا۔ چمپا نے دلیرانہ لہجے میں کہا۔

"میں اتنی نادان تو نہیں کہ اس طرح سوچوں لیکن میں اس اہم واقعہ پر ایک نئی ساڑی کی توقع رکھتی تھی۔ مجھے ساڑی ملی ہے وہ زیادہ مدت نہیں نبھے گی۔ لکشمی نے طیش میں آکر کہا۔

" چپ رہو بھا بھاسہ کو تو کم سنائی دیتا ہے لیکن وہ بہری تو نہیں۔ یہ کہتے ہوئے چمپا نے اپنے ہاتھ کانوں پر دھر لیے گویا وہ اور کچھ زیادہ سننا نہیں چاہتی۔

نوکرانیوں کی اس آواز نے بھا بھاسہ کو جگا دیا یکایک جیسے کچھ یاد کرتے ہوئے وہ اپنی تیز آواز میں کہنے لگی " اگر میرے کھانے کے لیے کچھ نہ بنایا گیا ہو تو مجھ کو بتا تو دو تاکہ میں سکون سے آرام تو کر سکوں۔ آدھا دن تو گزر چکا ہے اور اب تک میری تھالی نہیں آئی۔ میں بھوکی مر بھی جاؤں تو کسی کو اس کی پرواہ نہیں۔ پتہ نہیں کہ بھگوان نے مجھے زندہ کیوں رکھا ہے اب تو کسی کو میری ضرورت نہیں رہی۔

بھاتیا جی جی جو اس کے بستر کے قریب بیٹھی تھی اس کے پیر دھیرے دھیرے دبا رہی تھی کہنے لگی کہ بھوجن کا وقت ابھی نہیں ہوا ہے۔ نوکرانیوں کو اس طرح باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر بھا بھاسہ نے جو اپنے ذہن میں تھا کہہ ڈالا " بھاتیا جی جی میں نے کہا تھا نہ کہ نوکروں کو اس طرح سر چڑھانا ٹھیک نہیں۔ ان بے شرم لڑکیوں کو تو دیکھو جو آنگن میں اِدھر اُدھر گھومتی پھرتی ہیں۔ ان میں اتنی شائستگی کہاں کہ انھیں جو ملا ہے وہ مجھ کو دکھلائے وہ کیوں کر مجھے دکھلائیں گی۔ میرے پاس دینے کے لیے کچھ بھی تو نہیں ہے۔ اب تو میں مالکن نہ رہی۔ میرے دن بیت چکے ہیں۔ میں تو رخصت ہو رہی ہوں۔

اس طرح مت کہو یہ تمھیں زیب نہیں دیتا۔ جب غصہ آئے تو بھگوان کا نام لو۔ بھاتیا جی جی نے دلاسہ دیتے ہوئے کہا اور اپنا پتلا اور جھریوں بھرا ہاتھ مالکن پر رکھا۔

گنگا نے جب پلنگ کے قریب چارپائی پر چاندی کی تھالی رکھ دی تو اس بڑھیا نے کہا۔ دیکھو تو تمھارا بھوجن آگیا ہے۔ اس نے بوڑھی مالکن کو پلنگ سے اترنے اور فرش پر بٹھانے کے لیے سہارا دیا۔ کنورانی سہ اور پارلی سنگرام سنگھ جی کی پتنی کے روبرو بیٹھ گئیں۔ اس معمر خاتون نے ایک ایک کر کے چاندی کے کٹورے اٹھائے اور انھیں اپنی آنکھوں کے قریب لاکر دیکھنے لگی کہ ان میں کیا ہے۔ اس نے منہ بنا کر ایک کٹوری تھالی سے باہر رکھ ڈالی۔

تھوڑا چکھو تو۔ یہ باغ کی تازہ سیم ہے۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے دبی آواز میں کہتے ہوئے وہ کٹوری پھر سے تھالی میں رکھ دی۔

نہیں۔ میں نہیں چکھوں گی۔ تم جانتی ہو کہ مجھے سیم پسند نہیں۔

تھوڑا تو چکھو۔ ذرا سا پارلی نے پھسلاتے ہوئے کہا۔

پچاس برسوں تک بھگوت سنگھ جی کی پتنی بھوجن کے وقت اپنی ساس کے روبرو بیٹھی رہی۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے حویلی میں اس وقت قدم رکھے جب کہ وہ بارہ یا تیرہ برس کی ہوگی۔ اس کم سن دلہن کے ساتھ بھابھاسہ نے سخت رویہ اختیار کر رکھا تھا۔ گھونگھٹ نے بہو کا بھولا بھالا چہرہ ساس کی نگاہوں سے پوشیدہ ہی رکھا تھا اور اب جب کہ ساس کی بصارت کم ہوتی جا رہی ہے تو بہو نے اب بھی گھونگھٹ میں اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔

میں تو اب دو روٹیوں سے زیادہ کھا نہیں سکتی۔ تم جانتی تو ہو کہ اب میں زیادہ غذا ہضم تو نہیں کر سکتی یہ کہتے ہوئے سنگرام سنگھ جی کی پتنی نے اپنی بہو کا ہاتھ ڈھکیل دیا۔

یہ روٹی تو چھوٹی اور ملائم ہے۔ صرف یہی ایک کھالو۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے اصرار کرتے ہوئے ایک روٹی ان کی تھالی میں رکھ دی۔ بھابھاسہ کو اپنی مرضی کے خلاف بہو کی بات ماننی پڑی

بنی جی۔" آخر تم نے اس جشن پر کتنا خرچ کیا۔ بوڑھی مالکن نے روٹی چباتے ہوئے اپنی کراری آواز میں پوچھا۔ قبل اس کے پارلی اپنی مالکن کی حمایت میں کچھ کہتی وہ کہہ اٹھی " بنی جی پچاس برسوں سے میں تمھیں پیسوں کی قدر و قیمت سمجھاتی آئی

ہوں لیکن میں دیکھتی ہوں کہ میری یہ ہدایت تم پر بے اثر رہی۔ آج تم جس طرح فضول خرچی کرتی ہو اس طرح اگر میں فضول خرچی کرتی تو تم جانتی ہو کہ آج تمھاری حالت کیا ہوتی؟ میں خود بھی اصراف خرچ کر سکتی لیکن مجھے تمھارا اور تمھارے بچّوں کا خیال دامن گیر رہا لیکن میں نادان تھی اور اب تو افسوس کرنا بھی فضول ہے۔ اس نے ٹھنڈی آہ بھری اور پُر زور لہجہ میں کہا مگر بنی جی یہ یاد رکھو کہ بغیر پیسہ کے تمھیں کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔ میں نے تمھیں جو دیا ہے اس کو سنبھال کر رکھنا اور نوکروں کو خوش کرنے کے لیے ان میں مت بانٹ دینا۔ میں نے یہی تو تمھیں ہدایت دی ہے لیکن تم نے اس پر عمل نہیں کیا۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔ ان جوشیلے الفاظ کے بعد اس نے تھکاوٹ محسوس کی۔ پارلی نے اس کو سہارا دیتے ہوئے اس کو بستر پر لٹا دیا۔

"بھابھاسہ اگر کنورسہ اس موقعہ پر برادری کی مہمان نوازی نہ کرتے تو اس پر لوگ کیا کہتے۔ جب بوڑھی مالکن لیٹ چکی تو پارلی کہنے لگی۔ تم نے اپنے لڑکے کو جن روایات کو برقرار رکھنے کی ہدایت کی تھی اگر وہ اس پر عمل نہ کرتے تو کیا تم اس پر ناراض نہ ہوتیں۔

یہ سن کر سنگرام سنگھ جی کی پتنی اٹھ بیٹھی اور کہا میں نے برادری کی خاطر داری نہ کرنے کو کہا تھا۔ سب سے پہلے تو یہی فریضہ ہے لیکن کیا ان بدبخت لڑکیوں کو نئے کپڑے دینا ضروری تھا۔ سونے کی چوڑیوں کی تو تم مستحق ہو۔ سرجو اور دھاپو تو نہیں۔ لڑکے کے پیدا ہونے تک تو انتظار کر لیا ہوتا۔ نوکروں کی ذہنیت کا مجھے علم ہے۔ وہ بھول جائیں گی کہ لڑکی کے جنم پر انھیں سونا ملا تھا۔ کسی ایک نوکرانی نے مجھے ساڑیاں نہیں دکھلائیں وہ کیوں کہ دکھلائے گی بوڑھوں کو تو سب بھول جاتے ہیں اس نے اپنا لہجہ بدلا اور کہنے لگی میرے لڑکے نے برادری کو کھانے پر بلایا وہ بہت اچھا کیا لیکن اس کو کیا پتہ کہ حویلی کے زنانے میں کیا کیا گل کھلائے جاتے ہیں؟ یہ تو ہماری ذمہ داری ہے کیا تم نے بچّوں کو تین تین چار چار لڈو کھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اب تو چینی مہنگی ہو گئی ہے۔ بنی جی ہی اس فضول خرچی کی ذمہ دار ہے۔ بوڑھی مالکن نے کرخت لہجہ میں اپنی بہو کو قصوروار ٹھہراتے ہوئے اس کی

طرف دیکھنے لگی۔

کچھ دیر تک یہاں خاموشی طاری رہی۔ یکایک پارلی چیخ اٹھی۔ تم لڑکیاں ستونوں کے پیچھے چھپی کیا کر رہی ہو؟ تمھیں تو شرم آنی چاہیے۔ آج تم جس حالت میں ہو وہ بھابھاسہ کی بدولت ہے انھوں نے تمھاری شادیاں کرائیں کھلایا پلایا اور تم بندروں کی طرح وہاں نہیں رہی ہو۔ جاؤ اپنی نئی ساڑیاں لے آؤ اور ان کے قدموں پر رکھ دو اور ان کا آشیرواد لو۔"

پارلی انھیں مت ڈانٹنا یہ لڑکیاں جانتی ہیں کہ حویلی میں انھیں کس کی خوشنودی چاہیئے۔ وہ نادان تھوڑے ہی ہیں میں بنی جی کو اپنا سب سونا دے چکی ہوں میرے پاس دینے کے لیے اب کچھ نہیں ہے اور یہ اچھی طرح جانتی ہیں۔ بوڑھی مالکن کے ان الفاظ میں صبر و تحمل کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔

پچاس برسوں سے بھگوت سنگھ جی کی پتنی اپنی ساس کی جھڑکیاں طعنے اور ملامت سنتی چلی آرہی تھی۔ اب ان کے طنز آمیز الفاظ سننے کی عادی ہو چکی تھی۔ اب تو ان طعنوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جب کبھی اس کا اس کا ہمدردی کا ایک لفظ بھی کہہ دیتی تو اس کو حیرت سی ہوتی۔ ان سب بدسلوکیوں کے باوجود بھگوت سنگھ جی کی پتنی اپنی ساس کی خدمت گزاری میں لگی رہی۔ ان پچاس برسوں میں ان دونوں نے مل جل کر اس خاندان کی خوشیوں اور غم میں برابر کی شریک رہیں۔ اب اس بندھن کو کوئی نہیں توڑ سکتا جیسے ہی بوڑھی مالکن کی آنکھیں جھلکنے لگیں تو نوکرانیاں اپنی بغل میں گھٹریاں دبائے ہوئے نزاکت سے آنگن میں آئیں اور اس کے پلنگ کے قریب بیٹھ گئیں۔ بھابھاسہ نے انھیں آتے ہوئے دیکھ کر جاگ اٹھیں اور ان رنگ برنگی ساڑیوں کے ڈھیر کو دیکھنے لگیں۔

کیا لکشمی نے اس کو پسند کیا بوڑھی مالکن نے ساڑی کی بناوٹ کو بغور پرکھتے ہوئے پوچھا۔" اس کو خوش کرنا تو اتنا آسان کام نہیں۔

یکایک اس کی دلچسپی غائب ہو گئی اور ساڑی کا پلو اس کی انگلیوں میں ہی تھا کہ اس پر نیند کا غلبہ ہوا۔ نوکرانیوں نے اپنی اپنی ساڑیوں کی گٹھریاں اٹھالیں اور پارلی کی طرف اپنی نگاہیں ہٹائے بغیر ہی وہ وہاں سے چل پڑیں۔

دوپہر کا بھوجن ختم ہو جانے پر آنگن کے زنانہ علاقہ میں ہمیشہ خاموشی سی چھائی رہتی۔ حویلی کے رسوئی گھر سے نوکرانیاں اپنے اپنے بھوجن لے جاتیں اور چند تو رسوئی گھر کے برآمدے میں کھالیا کرتیں اور چند نوکرانیاں روٹیاں لے جاکر اپنے پتی کے ساتھ اپنی قیام گاہ میں ہی کھالیا کرتیں۔ یہی وقت ہوتا جب کہ صبح کا کام ختم ہو جانے پر نوکر لوگ آرام کرتے۔ ان خادموں کے بچّے مالکن کو اپنی اپنی کہانیاں سناتے مالکن کو پھر سے تازہ دم ہونے کے لیے تھوڑا بہت آرام چاہیئے تھا۔ دوپہر میں جیون نواس کی مالکن سے ملاقات کرنے کے لیے پڑوسی اور دوسری حویلی کے نوکر یہاں آیا کرتے کئی معاملات پر وہ مالکن سے صلاح و مشورہ کیا کرتے۔ وہ شہر کی تازہ خبروں کے ساتھ ساتھ دوسری حویلیوں کے حالات کا بھی تذکرہ کیا کرتے۔ درحقیقت بھگوت سنگھ جی کی پتنی کو برآمدہ میں بہت ساری عورتوں کو دیکھ کر انتہائی مسرت حاصل ہوئی۔ تنہائی اس کو ناگوار لگتی تھی۔ شوروغل سے وہ پریشان نہیں ہوا کرتی۔ البتہ تنہائی اس کے لیے ناقابل برداشت تھی یہ نوکرانیاں گپ شپ کے ساتھ ساتھ اپنا اپنا کام کیا کرتی تھیں۔ برتنوں کو صاف کرانے کے بعد وہ انھیں دھوپ میں رکھ چھوڑ دیتی۔ چاول اور گیہوں کی صفائی بھی کر دیتیں۔ ہر ایک سے کام لینے کا گُر بھگوت سنگھ جی کی پتنی جانتی تھی۔

دوپہر کے وقت لکشمی برآمدہ میں نہیں جایا کرتی تھی جب تک کہ ضروری نہ ہو اس کو اپنے چھوٹے سے کمرہ میں رہنا ہی پسند تھا۔ بھابھاسہ جب سو گئی تو گنگا اور چمپا برآمدہ میں دوسری نوکرانیوں کے ساتھ جا بیٹھی لیکن لکشمی نے اپنی گٹھری اٹھائی اور آنگن سے باہر چلی گئی۔

جیسے ہی اس نے پہلا قدم اٹھایا۔ مردانہ علاقے کے برآمدے سے کسی نے دھیمی آواز میں کہا۔ یہ لو بچّی کے لیے میں یہ لایا ہوں۔ یہ آواز ڈرائیور ہیرالال کی تھی۔ گیتا کے مڑ کر دیکھنے سے قبل ہی وہ پست قد اور دبلا آدمی ستونوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔ اور گیتا کے ہاتھوں میں وہ پیکٹ چھوڑ گیا۔

اِدھر اُدھر دیکھے بغیر وہ سیڑھیوں سے نیچے اتر گئی اس گھبراہٹ میں سیتا اس کے ہاتھوں سے چھوٹنے لگی تھی۔ جب اس نے اپنے کمرہ کا دروازہ اندر سے بند کر لیا

تو اس کو کچھ سکون ہوا۔ کاغذ میں لپٹے ہوئے پیکٹ کو وہ حیرت سے دیکھنے لگی۔ اس نے وہ پیکٹ کھولا۔ اوہ یہ کتنا سندر ہے بالکل ملائم اور دل کش یہ تو اصلی ریشم کا ہے وہ چلا اٹھی۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے وہ گلابی انگیا نکالی اور اس کی نرم و نازک سی بناوٹ کو محسوس کرنے کے لیے اس کو چومنے لگی۔ اس گھبراہٹ سے اس کے رخسار سرخ ہو گئے اس نے بدن میں کپکپی سی محسوس کی۔ لیکن اس کے باوجود اس کے دل کی گہرائیوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ کچھ دیر تک وہ سہمی رہی گھبراہٹ میں اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس کو کیا کرنا چاہیئے وہ اپنی سمجھ کھو بیٹھی۔ کمرہ سے باہر جا کر اپنی گلابی انگیا مالکن کو دکھلائے یا اس کو پھاڑ کر پھینک ڈالے۔ انجانے میں اس نے کمرہ کے کونے میں رکھے ہوئے صندوق کی طرف گئی۔ اس نے ٹین کا ایک بکس نیچے رکھا اور اس کے نیچے رکھا ہوا بڑا بکس کھولا اور اپنے پرانے کپڑوں میں یہ ریشمی انگیا رکھ چھوڑا اور صندوق کو تالا لگوا دیا اس نے عجلت سے اپنے بال ٹھیک کیے اپنی سوئی بچی کو گودی میں لیتے ہوئے کمرہ کے باہر نکل گئی۔

ساتواں باب

سنگرام سنگھ جی کی حویلی کے جشن کے بارے میں اودے پور میں اس کا کئی ہفتوں تک چرچہ ہوتا رہا۔ اس جشن میں خاندان کے تمام قریبی رشتہ داروں سے لے کر اس خاندان کے نائی تک کو مدعو کیا گیا تھا۔ دوکان دار کہنے لگے۔ ایک رئیس باپ کا رئیس بیٹا جو ٹھہرا۔ حقیقی امرار تو اتنی جلدی نہیں بدل جاتے۔ بازاروں میں لوگ بھگوت سنگھ جی کی فیاضی پر فخر کرنے لگے۔ وہ جانتے تھے کہ ان امرار کی جائیدادیں ضبط کرلی گئی ہیں۔ اودے پور میں جب مہارانا کا راج تو یہ شاہانہ ٹھاٹ باٹ کوئی اچنبھے کی بات تو نہ تھی۔ ریاست کے وفادار اہل کاروں کو انھوں نے بہت کچھ دیا لیکن حالات اب بدل چکے ہیں۔ مہارانا اب امرار کی مدد کرتے سے قاصر رہے۔ ان کی آمدنی جاتی رہی اور امرار بھی اسی طرح محروم ہو گئے پھر بھی سنگرام سنگھ جی اور ان کے لڑکے نے بقیہ رشتہ داروں اور سابق خدمت گزاروں کو بھلا نہیں بیٹھے بھلا ایسے کٹھن دور میں محض ایک پڑپوتی کے جنم کے جشن پر ان معمولی سے خدمت گزاروں کا کوئی خیال رکھنا۔

برساتیں ختم ہو چکی تھیں۔ مطلع صاف تھا۔ شام کی ٹھنڈی ہوا جاڑوں کی آمد کا پتہ دے رہی تھی۔ شہر ابھی رات کی گہری سیاہی کی لپیٹ میں نہیں آیا تھا۔ حویلی میں خاموشی طاری تھی۔ گیتا اپنے کمرہ میں بیٹھی صبح کی پھیری والوں کی آخری پکار سن رہی تھی جو اپنے اپنے گھر واپس لوٹنے کی تیاری کر رہے تھے۔

اجے بیٹھا ہوا مطالعہ میں محو تھا۔ میز پر رکھا ہوا لیمپ جس پر نارنگی رنگ کی چلمن لگی تھی۔ اس کشادہ سونے کے کمرہ میں اپنی روشنی بکھیر رہا تھا۔ گیتا اور اس کے

بچی کے لیے تین کمرے مخصوص کیے گئے تھے۔ وہ زنانہ علاقہ کے قریب تھے۔ گیتا نے ان کمروں کو آرام دہ اور خوشنما بنا دیا تھا۔ اس نے دیواروں پر نقش و نگاری کی بڑی بڑی تصاویر ٹانگ تھیں۔ دیوان خانہ کے چاروں طرف کتابیں طاقوں میں سجادی گئی تھیں۔ کتابیں خریدنے کا گیتا کو موقع تو نہ ملا البتہ اس کا بچی کتابیں خریدتا تھا۔ اس کی اس فضول خرچی پر نوکر اس کو ڈانٹا کرتے اور وہ جانتی تھی کہ یہ لوگ اس کی ساس کے خیالات کی ترجمانی کر رہے ہیں اس نے اس پر دھیان نہیں دیا اور اپنے بچی کو کتابیں خریدنے کی ترغیب دیتی رہی۔ اس طرح روپیہ خرچ کرنے پر ایک اعتراض کرتا تھا۔ گیتا قدیم مورتیاں اور پینٹل کی اشیاء خریدا کرتی اور جب تاجروں کو اس کی دلچسپی کا پتہ چلا تو وہ حویلی آنے لگے۔ فرش   توشک پر گیتا اپنا گھونگھٹ ہٹائے ہوئے بیٹھی تھی۔ وہ اپنے سکڑے ہوئے گھٹنوں کو ہاتھوں سے گھیرے ہوئے تھی وہ لمبی سانس لینے لگی گویا جو بات وہ اپنے دل میں چھپائے ہے اس سے اس کا دم گھٹا جا رہا ہے۔

اجے۔ وہ یکایک کہہ اٹھی۔ اس نے اپنی پتنی کی طرف دیکھا اس کے چہرہ پر غصہ کے آثار نمایاں دیکھ کر اس نے بھانپ لیا کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔ اجے نے کتاب میز پر رکھ دی اور گیتا کے بازو میں جا بیٹھا۔ وہ جانتا تھا کہ گیتا اس سے کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن اس کے اداس چہرہ کو دیکھ کر اس نے کوئی بے ڈھنگی بات کرنے سے احتراز کیا۔ وہ کہنے لگا مجھے تمھاری مشکلات کا پتہ ہے لیکن گیتا اس طرح افسردہ ہونے سے حالات تو نہیں بدل جائیں گے۔ اجے کی آواز میں قدرے بے چینی اور ہمدردی تھی۔ کچھ دیر وہ خاموش رہا اور پھر سے دھیمی آواز میں کہنے لگا۔ میں نے تم سے لاپرواہی برتی اور حویلی میں تمھاری روزمرہ زندگی پر کچھ زیادہ دھیان نہیں دیا۔ یہ نشینی تو تمھارے لیے مناسب نہیں ہے۔ تم ہی مجھے بتلاؤ کہ ایسے ماحول میں تم کیا کچھ کر سکتی ہو۔ مجھ پر بھروسہ رکھو کہ تم جو کچھ فیصلہ کرو گی میں تمھارا ساتھ دوں گا۔

مگر اجے تم نے تو کہا تھا کہ تمھارا قیام یہاں پر مختصر ہو گا اب تو تقریباً تین سال بیت چکے ہیں۔ گیتا کی آواز میں مایوسی جھلک رہی تھی۔

کمرہ میں خاموشی سی چھاگئی۔ دونوں چپ ہو گئے اجے کے چہرے پر اداسی

چھائی ہوئی تھی۔ اس کے شانے خمیدہ ہو گئے۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ گویا وہ اپنی گھبراہٹ چھپا رہا ہو اس نے اپنی بھاری اور افسردہ آواز میں کہا تم میرے خاندان میں رہتے ہوئے خوش تو نہیں ہو۔"

بے شک میں خوش ہوں۔ گیتا نے عجلت سے کہا، کس نے کہا کہ میں یہاں خوش نہیں ہوں میں تو صرف تمھارے بارے میں سوچا کرتی ہوں، اس عملی قابلیت کے باوجود اودے پور کی ملازمت تمھارے لیے اطمینان بخش تو نہیں ہو سکتی اس کی یہ بات با اثر تھی حالاں کہ وہ قابلِ یقین نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے اس اظہارِ خیال نے اپنے پتی کو پریشان کر دیا ہے۔ اپنے سکھ اور چین کے بارے میں اس کے پتی کے دل میں جو شبہات تھے وہ اس کو رفع کرنا چاہتی تھی۔ اجے سنگھ مسکرانے لگا۔ اس کے چہرے سے خفگی کے آثار غائب ہو گئے اس نے اپنی پتنی کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا! وہ جانتا تھا کہ اس محدود ماحول میں رہتے ہوئے گیتا کو جو مایوسی ہو رہی تھی وہ اس کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی تاکہ وہ دل برداشتہ نہ ہو جائے۔

تو تم میرے لیے فکر مند ہو۔ اس نے نرم لہجہ میں کہا۔ یکایک۔ گویا کہ اس کے سر سے گیتا کے اظہارِ تشویش کا جادو اتر چکا ہو۔ وہ اٹھ بیٹھا اس کے چہرہ پر ناراضگی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اس نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا، "جہاں تک میری ملازمت کا سوال ہے میں یونی ورسٹی کی ملازمت سے مطمئن ہوں۔ میں اپنے طلبا اور اپنے موضوع سے خوش ہوں۔ دیکھو اعتراضات شروع نہ کر دینا میری بات پہلے سن لو۔ اس نے پُر زور آواز میں کہا جب کہ گیتا کچھ کہنا چاہتی تھی۔

دہلی یونی ورسٹی کی ملازمت کا خیال میں نے ترک نہیں کیا ہے۔ ایک دن ہم دلّی جائیں گے نہ معلوم کب۔ ابھی تو میرے پتا کو میری ضرورت ہے۔ میں انھیں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ سوال میرے آرام کا نہیں بلکہ تمھارے آرام کا ہے۔

میں جانتی ہوں کہ اودے پور میں مردوں کے لیے تو کوئی دشواریاں نہیں ہیں۔ یہاں پر تو آپ سب لوگوں کے نخرے برداشت کیے جاتے ہیں تم لوگ اپنی اپنی مصروفیتوں میں مگن رہتے ہو اور سمجھتے ہو کہ عورتیں تو محض مویشی ہیں۔ گیتا نے خفگی

سے کہا " مجھے یہاں رہنا فضول نظر آتا ہے۔ بہتر ہوگا کہ میں جاکر اپنے ماں باپ کے ساتھ ہی رہوں تمھیں میری غیر موجودگی محسوس نہیں ہوگی۔ تمھاری دیکھ بھال کے لیے تو کئی لوگ یہاں موجود ہیں۔ گیتا کے رخسار جذبات کی تپش سے تمتما اٹھے اور اس کا لہجہ ترش رو ہوگیا۔ اب وہ اپنے احساسات کو پوشیدہ نہ رکھ سکی۔

تم ٹھیک کہتی ہو۔ ہم مرد لوگ کی ضمیر ہی بگڑ چکی ہے۔ لیکن یقین جانو کہ تم میرے لیے بہت اہم ہو مجھے یہ یقین نہ تھا کہ تم میرے ماتا پتا کو بھی خوش رکھ سکوگی جانتی ہو گیتا اگر تم حویلی کی طرز زندگی کو نہ اپناتی تو اودے پور میں میری زندگی دوبھر ہوجاتی میں یہاں سے بھاگ کھڑا ہوجاتا۔ اجے نے کچھ وقفہ بعد اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا مجھے تم پر فخر ہے لیکن اس سے تمھیں کوئی تسلی تو حاصل نہیں ہوگی۔

گیتا کی آنکھیں فرش پر لگی تھیں۔ اب کہنے کے لیے کچھ باقی نہ رہ گیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اودے پور چھوڑ جانے کی جو تمنا اس کے دل میں تھی وہ خاک میں مل گئی۔ اس کو یقین ہو چلا کہ اودے پور کی روایات نے اس کے پتی کو جکڑ دیا ہے۔ اب جب کہ اس کے سسر کو اپنے لڑکے کی موجودگی ضروری ہے تو اس کا ان سے جدا ہوجانا ناممکن سی بات ہے۔ اس تصور سے اس کو سکون حاصل ہوا۔ آخر کار اب اس کو یقین ہو چلا تھا کہ اس کو اسی حویلی میں اپنے رات دن بسر کرنے ہیں۔ اودے پور میں اپنے قیام کو اب وہ عارضی تصور نہیں کرسکتی تھی۔ اجے نے کچھ اور تو نہ کہا اور اب اس کو کہنے کے لیے رہ کیا گیا تھا۔ گیتا اور اس کا پتی دونوں اپنے اپنے خیالات میں گم صم سے بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سنائی دی۔

بابو سہ۔ بابو سہ نیچے آؤ۔ بھابھا سہ کی حالت بگڑ چکی ہے۔ پارلی بند دروازے کے پیچھے سے کہہ اٹھی۔ اس کی تھرتھراتی ہوئی آواز سے اس کی سسکیوں کا پتہ چلتا تھا۔

پارلی کے پیٹھ پھیرنے کے قبل ہی گیتا اور اس کے پتی جلدی سے اپنے کمرہ سے باہر نکل پڑے۔

بھگوت سنگھ جی اپنی ماں کے بستر کے قریب ہی کھڑے تھے ان کی پتنی پلنگ

سے قریب فرش پر بیٹھی تھی۔ ڈاکٹر بوڑھی مالکن کا معائنہ کر رہا تھا۔ ڈاکٹر جب انھیں دیکھ چکا تو وہ پرے ہٹ گیا۔

بھگوت سنگھ جی نے دھیمی آواز میں پوچھا ڈاکٹر، دل کا یہ دورہ خطرناک تو نہیں؟
کنور سہ۔ تمھاری ماں تو اب جوان نہیں رہی لیکن کون کیا کہہ سکتا ہے۔ گزشتہ مرتبہ بھی انھیں شدید دورہ پڑا تھا لیکن وہ بچ گئیں۔ دوائیں لکھ دینے کے بعد ڈاکٹر چل پڑا۔

ڈاکٹر کے چلے جانے کے بعد پارلی نے اس کے چہرہ سے ساڑی ہٹائی۔ مالکن نے اپنی آنکھیں کھولیں اور سر ہلا کر وہ اپنے لڑکے کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

بھگوت سنگھ جی نے جب اپنی ماں کی بات سننے کے لیے اپنا سر جھکایا تو وہ کہنے لگی ۔" بابو میں نے سونے کی جو بھاری چوڑیاں پہن رکھی ہیں وہ تم دیکھ رہے ہو نہ میں چاہتی ہوں کہ تم ان میں سے ایک آدھی چوڑی بھاتیا جی کو دے دو اور آدھی پارلی کو ایک ساری چوڑی گیتا کو دے دینا۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر گہری سانس لیتے ہوئے کہنے لگی میرے رشتہ داروں کو ساڑیاں دینا مت بھولنا خصوصاً میری بہن کے بچّوں کو جو غریب ہیں برادری کی خاطر تواضع کرنا لیکن احتیاط سے۔ بنی جی کو فضول خرچی سے منع کرنا۔ زمانہ بدل چکا ہے۔

جی مالکن تمھاری ہر خواہش میرے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے تم کسی بات کی فکر مت کرنا۔ بھگوان کا دھیان کرو اور اس کا نام لو۔ تم بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گی۔ بھگوت سنگھ جی نے سنجیدگی اور مودبانہ لہجہ میں کہا۔

" بابو تم نے بیٹے کے فرائض بہ حسن و خوبی نبھائے۔ بھگوان تمھیں سکھی رکھے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ اپنے لڑکے کے سر پر رکھا اور دوسری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا " بنی جی کہاں ہے؟ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے اپنا ہاتھ اپنی ساس کے ہاتھوں پر رکھا تاکہ اس کو پتہ چلے کہ وہ قریب میں بیٹھی ہے۔

بوڑھی مالکن نے بے صبری سے کہا۔ بنی جی میرے اور قریب آؤ۔ میں جانتی ہوں کہ میرے ساتھ رہتے ہوئے تمھیں کتنی مشکلیں اٹھانی پڑیں۔ بھگوان تمھیں سکھی رکھے۔ تم ایک اچھی بہو ہو۔ میرے لڑکے کا خیال رکھنا۔ جیون نواس کی مالکن

کی آنکھیں یکایک بند ہوگئیں۔ ایسا لگتا تھا گویا جن لوگوں کو وہ چاہتی تھی انھیں اب دیکھتے ہوئے اسے درد سا محسوس ہونے لگا ہے۔ بہو نے اس کو کٹورے سے پانی پلایا لیکن سانس لیتے ہوئے اس کو تکلیف سی محسوس ہونے لگی۔

شب بھر میں سنگرام سنگھ جی کی پتنی کی علالت کی خبر پھیل گئی اور صبح ہوتے ہوتے جیون نواس میں مردوں اور عورتوں کا تانتا بن گیا۔ مردانہ اور زنانہ آنگنوں میں لوگ جمع ہوگئے۔ بستر کے ایک جانب سنگرام سنگھ جی۔ ان کے لڑکے اور پوتے بیٹھے تھے اور دوسری جانب عورتیں تھیں۔ سگے سمبندھی چپ چاپ برآمدہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عورتیں گھونگھٹ ڈالی ہوئیں آپس میں سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ دن بھر لوگ آتے اور جاتے رہے البتہ قریبی رشتہ داروں نے وہیں قیام کیا۔

حویلی کی مالکن پر بے چینی کا عالم طاری تھا۔ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اس کی آنکھیں کھلتیں اور آس پاس کے لوگوں پر اس کی نظر پڑتی وہ اپنے خاندانی افراد کو اچھی طرح پہچانتی تھی اس کی آنکھوں میں مسرت جھلک رہی تھی اور چہرہ پُرسکون تھا۔ گویا وہ اظہار کر رہا تھا کہ اس کی ماں اپنی دنیاوی ذمہ داریاں ادا کر چکی ہیں۔ اس کے لبوں پر رام کا نام تھا۔ وہ نہ تو اپنی موت پر خوف زدہ سی تھی اور نہ اس کو کوئی گھبراہٹ کہ اب اس کے رخصت ہونے کا وقت آچلا ہے۔ اس نے آخری گھڑی تک اپنی نسوانی شائستگی کو برقرار رکھا۔ جب تک اس کو ہوش رہا اس نے نوکروں کو تاکید کر رکھی تھی کہ ڈاکٹر کی موجودگی میں اس کا چہرہ گھونگھٹ میں ڈھکا رہے۔ دل کا دورہ پڑنے کے دوسرے دن صبح سویرے وہ چل بسیں۔

جس برآمدہ میں بھابھا سہ پڑی ہوئی تھی وہاں شب بھر خاموشی طاری رہی یہاں تک کہ بچے بھی چپ ہوگئے۔ عورتیں جو اناج سے کنکر چنتے وقت گپ شپ کیا کرتی تھیں وہ اب خاموشی سے اپنا اپنا کام کرنے لگی تھیں یہاں تک کہ ان کے پائلوں کی جھنکار بھی مدھم پڑگئی۔ یہاں پر چہل پہل تو برقرار رہی لیکن یہ چہل پہل تو زیادہ تر پنڈتوں، خاندانی منیم اور نوکروں کی تھی۔ جو کریا کرم کی تیاریوں میں خادماؤں کی مدد کرنے آنگن میں اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے رہے۔

بھگوت سنگھ جی کی پتنی اور ان کی بہو اپنی عمر سے بڑے رشتہ داروں کے ہمراہ

اس برآمدہ کی فرش پر بیٹھی تھیں جو آنگن سے جا ملتا تھا۔ عورتیں دھاڑیں مار کر رونے لگیں گویا وہ چاہتی کہ جیون نواس کی مالکن کو پتہ چلے گا کہ ان کی موت پر گہرے رنج اور دکھ کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ حویلی کا زینہ اور اس کی اوپری منزل اس کے آنگن اور اس کے چپہ چپہ پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔

جوں ہی رشتہ داروں اور برادری کی خواتین حویلی کے پھاٹک کے قریب آنے لگے تو رونے اور چلانے کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ وہ روتے بسورتے ہوئے آنگن میں داخل ہوئے اور برآمدہ میں بیٹھ گئے وہ اول و اعلیٰ غمگساروں میں جا مل بیٹھے روتے روتے جب ان کے گلے خشک ہو گئے تو وہ بھگوت سنگھ جی کی بیتنی کی طرف آگے بڑھے اور اس کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔" رو مت تم ایک مثالی بہو ہو ان تمام حویلیوں میں کوئی ایسی نہیں ہے جو تمہارے گھاگرے کی جھالر کی بھی قابل بن سکے۔

تم کمزور ہو۔ ہمت رکھو۔ اب تم اس بڑی حویلی کی مالکن ہو جو تقریباً تین سو سال سے یہاں قائم ہے۔ تمھیں اس طرح آنسو تو نہیں بہانا چاہیئے۔ بھابھاسہ جو کام اپنے پیچھے چھوڑ گئی ہیں تمھیں وہیں سے آغاز کرنا ہے۔ ایک عمر رسیدہ رشتہ دار نے بھگوت سنگھ جی کی بیتنی کا سرا اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

خوش نصیب وہی ہوتی ہیں جو سہاگن مرتی ہیں تم رو مت تمھارے آنسوؤں سے مرنے والے کی آتما دکھی ہوگی۔ کسی ایک اور رشتہ دار نے کہا۔

بھگونت سنگھ جی کی بیتنی جو سسکیاں بھر رہی تھیں وہ کہنے لگیں۔" وہ مجھ کو تنہا چھوڑ کر چلی گئیں۔ پچاس برسوں سے وہ میری شمع ہدایت بنی رہیں۔ اب جب کہ وہ نہیں رہیں تو میں کس کو اپنا حال سنا سکوں گی۔ میری دنیا ان کے بغیر سونی ہوگئی ہے اور حویلی اپنی روشنی کھو چکی ہے یہ اس کے سچے جذبات تھے۔ یہاں تک کہ ان رشتہ داروں کو بھی اس حقیقت کا علم تھا کہ بھابھاسہ ایک سنگ دل ساس تھی اور بھگوت سنگھ جی کی بیتنی نے ان کی کئی سختیاں برداشت کی تھیں۔

حویلی کی عورتوں کو اس صدمہ پر تسلی دینے کے بعد یہ ملاقاتی بھاتیا بنجی سے ملے سبھی یہ جانتے تھے کہ بھاتیا بنجی ساٹھ سال سے بھابھا صاحب میں خدمت میں لگی

رہی۔ دیگر خادمائیں تو کوئی تیس برس اور کوئی چالیس برس تک ان کے ساتھ رہیں۔ لیکن ساٹھ برس تک کسی نے ان کی خدمت گذاری نہیں کی۔ جب یہ عورتیں نوکرانیوں اور پارلی کے قریب آئیں تو پھر سے گریہ وزاری شروع ہو گئی۔ بھانیا نجی اتنی کمزور ہو گئی تھیں کہ ان کے ماتم میں وہ شریک نہ ہو سکیں۔ البتہ اس کے مرجھائے ہوئے چہرہ پر آنسوؤں کی لڑی بہہ رہی تھی۔

میں نے اپنی ماں کو کھو دیا۔ میرا سب کچھ لٹ گیا بھاتیا نجی اپنا سر پیٹتے ہوئے رونے لگی۔ بھا بھاسہ کو چاہیئے تھا کہ وہ مجھ کو اپنے ساتھ لے جاتی انھوں نے زندگی بھر مجھے اپنے ساتھ رکھا اور اب وہ مجھے تنہا چھوڑ کر چلی گئیں۔ بھگوان نے بڑی ناانصافی کی ہے۔

کسی عورت نے کہا، "سنو زندگی اور موت پر کسی کا اختیار تو نہیں ہے۔ جب موت کی گھڑی آئے گی تو تب ہی تم جاؤ گی اس کے ایک دن کے پہلے تو نہیں اگر محض آنسو بہانے سے موت آسکتی ہے تو کوئی غم باقی نہیں رہے گا۔

ایک اور عورت نے اپنی ساڑی کے پلو سے بھاتیا نجی کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا، تم نے بہو اور بیٹی کی طرح مالکن کی خدمت کی۔ اس خدمت گزاری میں کوئی دوسرا تمھارا ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔

اس دوران نوعمر رشتہ دار اور نئی نویلی نوکرانیوں نے مالکن کو نہلا دیا۔ اس کو سرخ رنگ کی ساڑی سے آراستہ کیا جو دلہنوں کا من پسند رنگ ہے۔ ہاتھوں میں چوڑیاں اور پاؤں میں چھلّے پہنا دیئے۔ جو صرف شادی شدہ عورتیں ہی پہنا کرتی ہیں۔ وہ اسی شاہانہ انداز سے لیٹی تھیں جیسے کہ وہ جیتے جی رہا کرتی تھیں۔ وہ سہاگن ہی چل بسیں اور عام طور پر یہ خوشی یقینی تصور کی جاتی ہے۔ جیسے ہی کپڑوں سے ڈھکا ہوا اس کا جسم آرتھی پر رکھا گیا تو پنڈت وید کے اشلوک الاپنے لگے۔

حویلی کے مردانہ علاقہ میں وہ تمام رشتہ دار جمع تھے جو اس ماتمی جلوس میں شریک ہونے کے لیے تیار تھے۔ وہ ننگے پیر تھے اور سفید پگڑیاں باندھے ہوئے تھے۔ انھوں نے ہلکا پھلکا سوتی لباس پہن رکھا تھا اور ہر ایک نے اپنے ساتھ تولیہ رکھا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ خاندان کے سربراہ کے ساتھ ساتھ ندی

کے کنارے آخری رسومات میں شریک رہنے کے لیے جارہے ہیں۔

بھگوت سنگھ جی اور ان کے لڑکے نے جیسے ہی برآمدہ سے دو دیگر رشتہ داروں کی مدد سے ارتھی اٹھائی تو واویلہ سا مچ گیا۔ عورتیں مرتبہ سنگرام سنگھ جی کی پتنی کے پیر چھونے لگیں۔ ارتھی جب مردانہ علاقے میں لائی گئی تو آہ و بکا کی آوازیں اور بلند ہوگئیں۔ سنگرام سنگھ جی جب اپنے کمرہ سے باہر نکلے تو بھگوت سنگھ جی اور ان کے لڑکے پرے ہٹ گئے ان کا یہ عمر رسیدہ چہرہ جس پر خوشنما داڑھی سجی تھی پُرسکون تھا لیکن ان کی آنکھیں پُرنم تھیں اور ان کی نگاہیں کسی دور افق کی طرف لگی تھیں۔

جیسے ہی ارتھی مردانہ علاقے سے اٹھائی گئی تو غمگسار چلا اٹھے۔ رام رام ستیہ ہے۔ بھگوان ستیہ ہے۔ گلی کے دونوں طرف لوگوں کی قطاریں تھیں اور وہ ارتھی پر پھول برسانے لگے۔ گھرانہ کا منیم ارتھی کے روبرو چاندی کے چھوٹے سکے پھینک رہا تھا۔ جس کو حویلی کا بھنگی اور اس کے بچے سمیٹنے لگے۔ سنگرام سنگھ جی ساکت کھڑے ہوئے یہ جلوس اس وقت تک دیکھتے رہے جب کہ وہ ان کی آنکھوں سے روپوش ہوگیا۔ وہ اتنے کمزور ہوچکے تھے کہ شمشان گھاٹ تک پیدل نہ چل سکے۔

زنانہ علاقہ میں ایک عجیب سی خاموشی طاری تھی۔ حویلی کی عورتیں اور قریبی رشتہ دار طہارتی اشنان کی تیاریوں میں لگے تھے۔ سوگواروں کو یہ ضروری تھا کہ وہ اپنی روزمرہ مصروفیات میں پھر سے لگنے سے قبل موت کے اس لمس کو دھوڈالیں۔ عورتیں جب اشنان کے لیے گئیں تو سرجو دایہ اور اس کے مددگار اس کے بدن رگڑنے لگیں اور انھیں پاک وصاف اور نیا لباس پہننے میں ان کا ہاتھ بٹایا۔

شمشان گھاٹ سے واپس لوٹنے میں مردوں کو کافی دیر تھی اور اس دوران تیرہ دن کے سوگ کے لیے تیاریاں کرنی ضروری تھی۔ رشتہ دار اور احباب جو اودے پور میں نہیں تھے وہ بھی تو تعزیت کے لیے آئیں گے۔ ان کا قیام اور طعام حویلی میں ہوگا۔ ان گیارہ دنوں تک دوسو افراد کے کھانے پینے کا انتظام بھی تو کرنا تھا۔ اس رنج و الم کے موقعہ پر بھی مناسب میزبانی ضروری تھی۔ لیکن پہلی دشواری تو ان لوگوں کے لیے جو شمشان گھاٹ تک گئے تھے ان کے لیے شب کے کھانے کا

بندوبست کرنا تھا۔

برآمدے میں نوکرانیاں سبزیاں کاٹ رہی تھیں، رشتہ دار آنگن میں آٹا گوندھ رہے تھے اور رسوئیا رسوئی گھر میں بڑے بڑے برتن لے جا رہا تھا۔ ان آنے جانے دنوں کے لیے گیہوں اور دال کی جو مقدار ضروری تھی اتنی ہی مقدار پارلی نے تول کر پسائی کے لیے دے دی۔ لیکن کوئی اور الجھن تو نہیں تھی۔ ہر ایک اپنا اپنا کام خاموشی سے انجام دے رہا تھا۔

اس خاندان میں موت ہو جانے کا یہ پہلا واقعہ تو نہ تھا۔ اسی حویلی میں تین سو سال سے کئی جنم دن اور شادیاں منائی گئیں اور کئی ماتمی رسومات ادا کی گئیں۔ اس حویلی کے در و دیوار ان خوشیوں اور غموں کی گونج سے آشنا تھے اور وہ اپنی جگہ ثابت قدم رہے۔ سنگرام سنگھ جی کی بیتی ستر برس تک جیون تو اس کے برآمدوں میں گھومتی پھرتی رہی اور خاندانی روایات کی امانت دار بنی رہی۔ وہ اپنے ہی کے آبا و اجداد کے بنائے ہوئے اصولوں پر کارفرما رہی۔ وہ اپنے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ اپنی بہو کو حویلی کے رسم و رواج کو برقرار رکھنے کی ہدایت دیتی رہی۔ خاندانی روایات کو برقرار رکھنے کا یہی تو ایک راستہ تھا۔ سنگرام سنگھ جی کی بیتی اب مٹی کا دیا جلانے کے لیے زندہ تو نہ رہیں، لیکن اس کے باوجود اس دیئے کی لَو اس گھرانہ کی دیوی دیوتاؤں کے روبرو ہمیشہ کی طرح جھلملاتی رہی۔

کریاکرم کی ادائیگی کے بعد جب سب لوگ لوٹ آئے تو سب سے پہلے بھگوت سنگھ جی نے زنانہ آنگن میں قدم رکھا۔ ان کا سر منڈا ہوا تھا اور وہ پوجا گھر کے در پر کھڑے ہو گئے جب انھوں نے احترام سے اپنی پیشانی فرش پر لگائی تو ان کے چہرہ پر سنجیدگی تھی۔ وہ کچھ دیر لکشمی کی مسکراتی ہوئی مورتی کے روبرو کھڑے رہے اور وہاں سے چل پڑے۔

سورج غروب ہو چلا تھا جب کہ آنگن میں بھوجن کے لیے پتے جو چھوٹی چھوٹی ٹہنیوں سے جڑے تھے، بچھا دیئے گئے۔ بھوجن تیار ہو چکا تھا۔ بغیر کسی گھسر پھسر کے عورتیں بیٹھ گئیں۔ سوگیا شیون کے گھر بھوجن کرنا تو عام رواج تھا۔ وہ ایک دوسرے سے سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ اب نہ وہ شادمان تھے اور نہ اس

کی آوازوں میں چمک دمک۔

حویلی کے دونوں حصوں میں علیحدہ علیحدہ طور پر سوگ منایا گیا۔ حویلی کے مردانہ حصے میں رونے پیٹنے کی آوازیں تو نہیں تھیں۔ ملاقاتی آہستگی سے آیا کرتے اور وہ وسیع ہال میں بیٹھ جاتے جہاں سے تمام میز اور کرسیاں ہٹادی گئی تھیں اور فرش پر ایک سفید چادر بچھادی گئی تھی۔ یہاں پر سنگرام سنگھ جی کے خاندان کا ایک مرد البتہ موجود رہتا جو امیر ہو یا غریب بڑا ہو یا چھوٹا جو اپنے اظہار ہمدردی کے لیے آیا کرتا تھا ان کا سواگت کرتا۔ ان ملاقاتیوں کی حیثیت جیسے بھی ہو۔ خاندان کے افراد ان مہمانوں سے ملاقات کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور انھیں وداع کرتے کبھی کبھی تو مکمل سکوت رہتا ان کی آمد سے ان کے اظہارِ غم کا پتہ چل جاتا۔ زنانہ آنگن میں شور وغل تو کم نہ ہوا۔ شام کا دھندلکا ہونے تک عورتوں کے رونے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ بعد ازیں اس بڑی حویلی پر خاموشی تسلط تھی۔ تمام رشتہ داروں کی موجودگی کے باوجود یہ حویلی سونی سونی سی لگ رہی تھی۔

آٹھواں باب

بھابھاسہ کو گزرے ہوئے چھٹا دن تھا۔ لکشمی پورے انہماک سے اپنے کاموں میں لگی رہی کسی کو کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ وہ ہر جگہ موجود رہتی۔ جب وہ اپنے کاموں لگی رہتی اس وقت بھی اس کے ذہن میں اس ملائم اور ریشمی انگیا کا تصور سمایا رہتا اور ہر مرتبہ جب وہ اس پر دھیان دیتی تو وہ اپنے بدن میں ایک بجلی کی سی لہر محسوس کرتی جس سے اس کو جھاڑو لگاتے اور صفائی کا کام کرنے میں مزید توانائی حاصل ہوتی۔

عورتیں جب شام کا بھوجن کر چکیں تو لکشمی تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے آنگن پار کر کے اپنے کمرہ میں چلی گئی۔ جب وہ سیڑھیوں سے نیچے اتری اور فرش پر قدم رکھا تو کسی نے جانی پہچانی آواز میں دھیرے سے کہا "یہ لو۔ یہ تمھارے لیے ہے۔ ہیرا لال جو کار کے قریب کھڑا تھا اس نے اپنے کوٹ سے ایک بنڈل نکالا اور اس کے ہاتھوں میں تھما دیا۔

لکشمی وہاں پر رک نہ سکی۔ کیوں کہ برآمدہ اور اس کے سامنے والی کھلی چھت پر مرد لوگ جمع تھے۔ جب وہ اپنے کمرہ میں پہنچی جہاں سیتا سو رہی تھی تو اس نے اخبار پھاڑ ڈالا اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس مرتبہ اس کا بدن پسینہ سے شرابور تھا۔ اس ہلکے گلابی رنگ کی ساڑی دیکھ کر اس کو کوئی خوشی محسوس نہیں ہوئی۔ جو ساڑی وہ اپنے ہاتھوں میں تھامے ہوئی تھی اس کو گندی دکھائی پڑی۔ اس نے یہ ساڑی فرش پر گری ہوئی اپنی انگلیوں کی نوک

سے اٹھائی گویا وہ اپنے ہاتھوں کو گندگی سے دور رکھنا چاہتی ہے اور اس کو پٹاری میں رکھ چھوڑا۔ لکشمی نے جس تیزی سے یہ کام انجام دیا لگتا تھا کہ اس میں کوئی نئی قوت آگئی ہو۔ اس نے پٹاری پھر سے اسی جگہ پر رکھ دی سوتی ہوئی بچّی کو اٹھالیا اور خفگی میں وہ اپنی چھاتی تان کر وہ کمرہ سے باہر نکل پڑی۔

آنگن بھرا ہوا تھا۔ چند عورتیں گپ شپ کر رہی تھیں اور کچھ سوئی پڑی تھیں۔ وہ سب تھکی ماندی تھیں۔ کیوں کہ آہ وزاری نے رونے پیٹنے کی بہ نسبت انھیں زیادہ ناتواں بنا دیا تھا۔ لکشمی نے برآمدہ میں چٹائی بچھائی اور دوسری نوکرانیاں جو یہاں سوئی پڑی تھیں ان کے بازو میں لیٹ گئی۔

وہ سوچنے لگی اب میں کیا کروں؟ میری معصومیت پر کوئی یقین تو نہیں کرے گا۔ وہ پوچھیں گی تم نے انگیا کیوں چھپائی؟ تم نے جب ہی ہمیں کیوں نہ بتلایا۔ ہم تجھے جانتے ہیں کہ تو آلسی اور ناکارہ ہے۔ یہ سب تیرا ہی قصور ہے تو ایک گھٹیا عورت ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ تجھے اچھی خوراک اور پوشاک چاہیئے؟ اگر میں اس انگیا کو تار تار کر کے دکھادیتی تو وہ مجھ پر یقین کر لیتی لیکن اب تو بہت دیر ہو چکی ہے کوئی یقین نہیں کرے گا کہ میں بے قصور ہوں۔

لکشمی یہ سوچتے ہوئے جاگتی رہی۔ اس کا گلا سوکھ چکا تھا اور اس نے پیٹ میں درد سا محسوس کیا۔ اس کے قریب لیٹی ہوئی نوکرانیاں خراٹے لے رہی تھیں اور وہ اسی طرح کے سکون کی متلاشی تھیں حویلی کے تمام لوگ محوِ خواب تھے۔ اس کو بار بار یہ خیال آتا رہا کہ آخر میں نے ایسا کیا کیا کہ مجھ کو سب برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔

بھابھاسہ کا سورگ واس ہوئے آج تیرھواں دن تھا۔ پچھواڑے میں پیشہ ور باورچی جمع ہو چکے تھے۔ آتش دان کے لیے انھوں نے زمین کھودی تاکہ اس پر پکوان کے بڑے بڑے برتن رکھے جاسکیں۔ ان کے سامنے تیل سے بھرے ہوئے ٹین، گیہوں سے بھرے کنستر اور چاول سے بھرے ڈونگے کھلے پڑے تھے مزدوری پر لائے گئے مددگار سبزیاں کاٹ چکے تھے متوفی کے اعزاز میں یہی ایک آخری ضیافت باقی تھی۔ اس آخری ماتمی دن تمام برادری کے لوگ خاندان

کے دوست احباب اور ان کے نوکر چاکر بھوجن کرایا جاتا ہے۔

دوپہر ڈھلنے کو تھی جب کہ عورتوں اور بچوں کا آخری گروہ بھوجن کے لیے بیٹھنے لگا۔ لکشمی نے جھاڑو سے فرش صاف کیا اور رسوئی گھر میں برتن دھو ڈالے۔ صبح کے بھوجن کے لیے آنگن میں عورتوں کا تانتا لگا رہا۔ اس نے سب نوکرانیوں سے زیادہ محنت کی تھی۔ اور اسی مصروفیت کی وجہ سے اس کا سر چکرانا بند ہو گیا۔

لکشمی تم اوپر چھت پر چلی جاؤ۔ پاربتی نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا۔ جب کہ وہ آنگن میں دوسری مرتبہ جھاڑو لگانے لگی تھی۔" جاؤ تم آرام کرلو اور سکون سے اپنی بچی کی دیکھ بھال کرو۔ تم نے اتنی سخت محنت کی ہے کہ بھابھا سہ کی آتما تم پر خوش ہوئی ہو گی۔

لکشمی نے سیتا کو برآمدہ سے اٹھا لیا جہاں کہ وہ سو رہی تھی۔ وہ آنگن پار کرکے گودام کے کمرہ کے پیچھے گئی جہاں سے زینہ کی سیڑھیاں ایک خلوت گزیں سی چھت کی طرف جاتی تھیں جو اندرونی آنگن کے آخری علاقہ پر لگی تھیں۔ حویلی کے دونوں علاقوں کے لیے ایک ہی زینہ تھا جس کی سیڑھیاں تنگ تھیں۔ جب وہ سیڑھیاں پار کرکے اوپر آئی تو وہ اپنے قدم بڑھاتے ہوئے چھت کی اسی طرف رخ کیا جہاں کہ ایک اونچی دیوار تھی۔ تازہ ہوا کے جھونکوں سے اس کو ذہنی سکون ملا لیکن اس کے دل کی خفیف سی دھڑکن برقرار رہی۔ لکشمی اس چھت سے لگی ہوئی اونچی دیوار کا سہارا لے کر بیٹھ گئی اور سیتا کو دودھ پلانے کے لیے اس کو اپنی گودی میں لٹا لیا۔ وہ اپنا انگیا اوپر ہٹانے ہی والی تھی کہ یکایک اس کے روبرو کوئی چیز آکر پڑی۔" یہ خاص حلوہ ہے۔ جو تمھیں پسند آئے گا یہ کہتے ہوئے ہیرالال نے کھلے ہوئے دروازہ سے اپنا چہرہ دکھایا اور فوراً فرار ہو گیا۔ لکشمی حیرت زدگی سے اس طرح دیکھنے لگی گویا کسی نے اس کے سر پر ڈنڈا دے مارا ہو۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھٹ پڑی تھیں۔ اس نے اپنی بچی کو گودی میں اس طرح دبوچا کہ وہ درد سے چلانے لگی۔ بچی کی چیخ نے اس کو چونکا دیا اور وہ اس پیکٹ کو دیکھنے لگی جو فرش پر پڑی تھی وہ اٹھی اور مٹی کے پرانے برتنوں کے پیچھے یہ پیکٹ پھینک ڈالا اور نیچے کی طرف اس طرح بھاگی گویا کوئی چور

اس کا پیچھا کر رہا ہو۔

عورتیں اور بچّے بھوجن کر چکے تھے ۔ وہ بھگوت سنگھ کی پتنی سے رخصت لے رہے تھے۔ لکشمی نے سیتا کو فرش پر لٹا دیا اور بیزارگی سے جھوٹے پیالے اکٹھا کیے اور آنگن کے باہر ان کا ڈھیر لگا دیا۔

شام ہونے تک حویلی میں خاموشی سی چھا گئی۔ آنگن میں گہما گہمی کم ہو چلی تھی۔ گزشتہ تیرہ دنوں تک بھاگ دوڑ سے ہر ایک فرد جسمانی اور جذباتی اعتبار سے تھک چکا تھا۔ آنگن میں صفائی ہو جانے پر نوکرانیوں نے برآمدہ میں چٹائیاں بچھا دیں اور لیٹ گئیں۔ لکشمی چاندی کی تھالیوں کو جلا دینے میں مشغول رہی۔

کسی کے جاگنے سے پہلے میں اوپر جا کر حلوہ کتّوں کے لیے پھینک دوں گی اور اس کے بعد مالکن سے کہوں گی کہ انھوں نے ایک کمینہ اور چور کو حویلی میں جگہ دے رکھی ہے ۔ ایک ایسا انسان جو عورتوں کی عزت لوٹنے پر تلا ہے وہ مجھ کو سمجھتا کیا ہے ؟ ایک سستی اور بازاری عورت کہ میرے روبرو تحفے پھینکا کرتا ہے۔ میں وہ انگیا اور ساڑی دکھا دوں گی اور اس کو یہاں سے نکلوا کر رہوں گی لیکن اس کے ذہن میں کوئی امر مانع ہوا اور اس نے لبوں نے ایک طویل اور مایوس کن آہ بھری مجھ پر کون یقین کرے گا ۔ کوئی نہیں ۔ کوئی بھی نہیں ۔ یہاں تک کہ چھوٹی مالکن بھی نہیں ۔

"لکشمی یہ پالش کا کام کر دینا۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے رسوئی گھر سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ جاؤ اب سو جاؤ چند دنوں سے تم نے سخت محنت کی ہے۔ کچھ دن تو آرام کر لو ورنہ اس کی بچّی کی پرورش کے لیے تم میں سکت باقی نہیں رہے گی۔

نوکرانیاں برآمدہ میں پڑی سو رہی تھیں۔ لکشمی سیتا کو لیے ہوئے ان کے بازو میں لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔

صبح ہونے چلی تھی لکشمی دبے پاؤں آنگن سے نکل پڑی اور سیڑھیوں سے ہوتے ہوئے چھت پر پہنچ گئی۔ اس کو اب اطمینان سا تھا۔ جب اس نے مٹی کے برتنوں کی طرف نظر کی تو اس کا دل دہل سا گیا۔ حلوہ کا پیکٹ تو وہاں سے غائب تھا۔ اس نے دیکھا کہ چیونٹیوں کی لمبی قطار وہاں پڑے ہوئے تنکوں کو لے جا رہی ہے۔

حیرت زدگی سے وہ وہاں کچھ دیر کھڑی رہی اور جیسے کہ وہ عالم خواب میں چل رہی ہو وہ برآمدہ میں چلی آئی اور اپنی سوتی ہوئی بچی کے بازو میں لیٹ گئی۔

صبح ہو چکی تھی لیکن حویلی میں کوئی گھما گھمی نہیں تھی سوگ کے تیرہ دن بیت چکے تھے اب کوئی کام عجلت سے کرنے کا نہیں تھا نوکرانیاں دیر سے جاگیں۔ مالکن خود بھی تھکی ہوئی تھیں وہ بھی دیر سے جاگی اور رسوئی گھر جانے کی بجائے اپنے کمرہ کے باہر بیٹھی رہی نوکروں کے بچوں میں سے ایک تو اس کی بیٹھ دبا رہا تھا اور دوسرا اس کے پیروں کی مالش کرنے لگا۔

گنگا اور چمپا برآمدہ کے اس تنگ اور تاریک کمرہ میں بیٹھی تھیں جہاں کہ پاری اپنے کپڑے رکھا کرتی تھی۔ یہاں پر جھاڑو ٹوکریاں اور چکیاں بھی رکھے ہوئے تھے۔

گنگا اِدھر تو دیکھو مجھ کو کل رات چھت پر ہانڈیوں کے پیچھے کیا ملا۔ چمپا نے تھرتھراتی ہوئی آواز میں کہا اور چکی کے پیچھے سے حلوہ کا پیکٹ نکالا اور گویا اس مخصوص چھت جانے کی وجہ بتلانے کے لیے وہ کہنے لگی۔ کنورانی سہ کا گھاگرا سکھانے کے لیے میں اوپر چھت پر گئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ شام ہونے تک سوکھ گیا ہوگا۔ جب میں نے ہاتھ بڑھائے تو میں ہانڈیوں سے ٹکرا گئی

گنگا دھیمے سے مسکراتی ہوئی اس مٹھائی کو بغور دیکھنے لگی اور کہا کہ کون ہوگا کہ اس کو چھت پر چھوڑ گیا۔ ہم میں کوئی بھی تو اتنا قیمتی حلوہ نہیں خرید سکتا اور پھر اس کو ٹوٹی ہوئی ہانڈیوں کے پیچھے چھپا دیا۔ کچھ پُر اسرار سا لگتا ہے۔

اس سے زیادہ تو میں کچھ نہیں جانتی اب تم اس جھمیلے میں مجھ کو مت پھانسنا میں نے محض وہاں سے یہ پیکٹ اٹھایا ہے تاکہ یہ کسی اور کے ہاتھ نہ لگے۔ چمپا نے بے رخی سے کہا " میں نے یہ تو نہیں کہا۔ تمھیں پتہ ہے کہ یہ حلوہ وہاں کیسے پہنچا۔ بہانے مت بناؤ یہ ایک سنگین معاملہ ہے اور تم بخوبی جانتی ہو۔ یہ حلوہ کا پیکٹ اپنے آپ چل کر اوپر تو نہیں پہنچ گیا۔ اس پر تو یقین ہے نہ گنگا نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔ کسی اور کے آنے سے پہلے اس کو پھر سے اس طرح باندھ دو اور چکی کے

پیچھے ڈال دو۔

چمپا ابھی اس ہدایت پر عمل نہ کرنے پائی کہ ایک اور نوکرانی کمرہ میں گھس آئی۔ اور اس نصف کھلے ہوئے دروازے سے جھانکتے ہوئے پوچھا گنگا کیا تم پھر سے آرام کرنے جا رہی ہو؟

تم کیا چاہتی ہو؟ کیا تم میرا پیچھا نہیں چھوڑو گی؟ گنگا نے خفگی سے کہا۔ زندگی میں یہ پہلا موقع ہے۔ جب کہ مجھے آرام کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور حویلی بھر کے پوچھنے لگے ہیں۔ گنگا کہاں ہے؟ گنگا کہاں ہے؟

نوکرانی نے کمرہ میں داخل ہو کر آہستگی سے دروازہ بند کر دیا چمپا کو وہاں دیکھ کر اس کو حیرت ہوئی۔ ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر اس نے پوچھا۔ تم دونوں مل کر کیا سرگوشیاں کر رہی ہو۔ چمپا تم اس قدر پریشان کیوں ہو اس نے مزاحیہ انداز میں پوچھا۔ کیا تمھارا پتی کسی اور کے ساتھ بھاگ تو نہیں گیا ہے؟

بکواس بند کرو۔ میں جو جانتی ہوں اگر تمھیں اس کا پتہ چل جائے تو تم بھی پریشان ہو جاؤ گی میں تمھیں بعد میں بتاؤں گی چمپا نے گنگا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بتا تو دو چمپا۔ تم نے رازداری کب سے سیکھی؟ سب جانتے ہیں کہ ہم سب میں تم ہی بڑی گپ باز ہو اور بغیر ظاہر کیے کوئی بات زیادہ دیر تک تمھارے پیٹ میں بچ نہیں سکتی۔ اس کم سن نوکرانی نے ہنستے ہوئے کہا۔

پاگل پن چھوڑ دو۔ یہ دیکھو اور بعد میں کھلانا۔ چمپا نے اس کو اپنی پسینہ سے شرابور ہتھیلی دکھائی جس پر کچھ چپکا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر کے لیے یہ تینوں چپ ہو گئیں۔ گنگا اٹھ کھڑی ہوئی اپنا گھاگھرا ٹھیک کرتے ہوئے سازشی انداز میں کہا: "اگر تم میری مانو تو اپنی زبان بند رکھو میں جانتی ہوں کہ کسی پر آفت آپڑی ہے مجھے امید ہے کہ وہ ہم میں سے تو کوئی نہیں ہو گی۔

لکشمی نے ان تینوں نوکرانیوں کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔ ان تینوں نے جس انداز سے اس کو دیکھا اور اپنی آنکھیں پھیر لیں تو وہ بھانپ گئی کہ انھیں اس

مٹھائی کے بارے میں پتہ چل گیا ہے۔ وہ اپنا سر جھکائے ہوئے پکوان کے برتنوں کو راکھ سے مانجھنے اور انھیں چمکدار بنانے میں محو ہو گئی۔

تم سب لڑکیاں مجھے تنہا چھوڑ کر اس کمرہ میں کیا گپ شپ کر رہی تھیں؟ آج تو تمھارے بچے بھی دکھائی نہیں دیئے پارلی نے برآمدہ میں بیٹھے اپنا سر کھجلاتے ہوئے کہا۔ ان دنوں دھاپو بنی جی کے کمرہ سے باہر نہیں نکلیں۔ وہ ہر وقت بچی سے لگی رہتی ہے۔ کنورانی سہ تو منیم جی کے ساتھ رہیں اور تم سب مجھے تنہا چھوڑ کر اندر ہی اندر گپ شپ کر رہی ہو۔

یہ سن کر نوکرانیاں سنجیدگی سے پارلی کے قریب آ بیٹھیں بھاتیا بنجی جو سورگ واشی مالکن کے کمرہ کے باہر بیٹھی ہوئی تھیں وہ بھی پارلی کے قریب آ گئیں۔

اب تو سب کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔ بھاتیا بنجی آبدیدہ ہو کر لگیں۔ اب تو مجھ کو کوئی آواز دینے والا نہ رہا اور نہ کوئی مجھے پچاس سال پرانے واقعات سنانے کے لیے باقی رہا ہے۔

ہاں۔ بائی۔ ہم سبھی کو تو دیکھو بھابھاسہ اگر زندہ ہوتیں تو کیا مجھ میں اتنی ہمت ہوتی کہ اس وقت میں یہاں بیٹھی باتیں کرتی رہتی۔ پارلی نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

عنقریب میں بھی انھیں کے پاس چلی جاؤں گی۔ اب مجھے کرنے کے لیے کیا باقی رہ گیا ہے۔ بھاتیا بنجی نے خود اپنے آپ پر اظہارِ تاسف کرتے ہوئے کہا۔

بھگوت سنگھ جی کی بیتنی جو اب حویلی کی نئی مالکن تھی وہ اپنے کمرہ سے باہر نکل پڑی اور نوکرانیوں کے ساتھ بیٹھ گئیں۔ بھابھاسہ کے بغیر وہ بھی کھوئی کھوئی سی نظر آ رہی تھی اب اس پر اپنا حکم چلانے والا کوئی نہیں تھا۔ اس کو اپنی یہ آزادی ناگوار سی لگی۔ ان باتوں میں یہ سب اتنی محو ہو گئیں کہ دن بھر کے معمولات جیسے کہ سبزیوں کو تراشنا اور گودام سے چاول اور گھی نکلوانا بھول بیٹھی۔ برآمدوں میں سورج کی تپش محسوس ہونے لگی، لیکن کسی کو بھی کام پر لگ جانے کی جلدی نہیں تھی۔ کھیالی رسوئیا جب تھالی میں ساری سبزیاں لے آیا تو تب ہی انھیں پتہ چلا کہ رسوئی گھر میں آگ یوں ہی فضول جل رہی ہے جب کہ چولہے پر کوئی پکوان نہیں ہو رہا ہے۔ بھگوت سنگھ جی کی بیتنی

نے رسوئیا کو جلدی سے ہدایات دیں اور ان سبزیوں کی نشاندہی کی جنھیں صاف کر کے تراشنا ہے۔

جیسے ہی نوکرانیاں آلو کے پوست نکال رہی تھیں تو انھوں نے گنگا رام کے چیخنے اور چلانے کی آواز سنائی دی اور ان کے ہاتھ خوف سے کانپنے لگے۔

کہاں ہے وہ بدمعاش عورت، مجھ کو مل جائے تو میں اس کو مار ڈالوں گا۔ میں اس کا گلا اس طرح دباؤں گا کہ اس کی جان ہی چلی جائے گی۔

نوکرانیاں گھبراہٹ سے اٹھ کھڑی ہوگئیں۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی اس طرح کھڑی ہوگئی جیسے کہ اس پر کسی نے وار کیا ہو۔ گنگا رام کی سانس پھول رہی تھی اور وہ اپنی خوفناک آنکھوں سے ادھر اُدھر گھورنے لگا جیسے ہی لکشمی پر اس کی نظر پڑی وہ آنگن میں بھاگ آیا اور اس کی گردن پکڑلی۔ لکشمی جلدی سے اس کے پنجے سے نکل گئی اور مالکن کے قریب آگئی۔

مالکن تم اس کو ہاتھ مت لگانے دو۔ وہ گندی ہے۔ گنگا رام نے ان عورتوں کے چاروں طرف گھومتے ہوئے ان کے روبرو کہا اس سے پوچھو یہ اور یہ اس کو کس نے دیئے۔ پوچھو اس سے یہ بازاری عورت سے بھی بدتر ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے وہ انگیہ اور ساڑی فرش پر پھینک دی۔ اس کی سرخ آنکھیں جو شعلے کے مانند بھڑک رہی تھیں اس کی لمبی اور ٹیڑھی ناک پر ابھر آئی تھیں۔ اس نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھالیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ لکشمی پر جا پڑے مالکن حاکمانہ آواز میں کہا "میری نوکرانی کو چھوڑ دے تو یہاں سے جلد چلا جا میرے ہی روبرو اس طرح اس سے بات کرنے والا تو کون ہوتا ہے۔ میں نے اس کو پالا پوسا ہے۔ مرے سامنے اس پر ہاتھ اٹھانے کی تجھے ہمت کیسے ہوئی۔ کیا اس طرح سلوک کرنے کے لیے میں نے تجھ سے اس کا بیاہ کروایا تھا۔ یاد رکھ کہ وہ تیری پتنی ہے۔

گنگا رام کا ہاتھ شل ہو کر نیچے لٹک گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی نے اس کے سر پر وار کیا ہو لیکن اس کا بدن غصّہ سے کانپ رہا تھا۔

مالکن تم اس کو اپنے ہی پاس رکھو۔ میں اس کا چہرہ دوبارہ نہیں دیکھوں گا۔ تمھاری وفادار نوکرانی نے مٹھائی کے جو ٹکڑے پھینکے تھے اس کو بچے سمیٹ رہے

ہیں اس سے پوچھو کہ یہ مٹھائی یہ انگیہ اور ساڑی اس کو کس نے دی ہے۔ گنگارام نے اپنی کڑی آواز میں کہا۔ وہ کچھ اور کہنے والا تھا کہ مالکن نے اپنی پُرزور آواز میں کہا " کچھ اور مت کہنا جا میری نظروں سے دور ہو جا۔
رسوئیا رسوئی گھر سے باہر آیا اور گنگارام کو گھسیٹ کر آنگن کے باہر لے آیا۔ لکشمی گودام کے چھوٹے کمرہ میں بند کر دی گئی اور پارلی باہر سے اس کی پہرہ داری کرنے لگی۔ جب یہاں خاموشی طاری تھی تو مالکن کمرہ میں داخل ہوئی۔ لکشمی اپنا سر اپنے گھٹنوں میں دبائے سسکیاں لے رہی تھی وہ بے زبان تھی اور بے یار و مددگار تھی۔
" اٹھ اور اپنا چہرہ صاف کر۔ ایک لمحہ کے لیے بھی حویلی کے باہر قدم نہ رکھنا۔ مالکن نے لکشمی کو دھیرے سے اٹھایا۔ بقیہ دن تو یوں ہی گزر گیا۔ آنگن میں بے پناہ اداسی چھائی ہوئی تھی۔ نوکرانیاں اپنا کام خاموشی سے کر رہی تھیں۔ کسی نے کچھ نہ کہا اور جب رات کی تاریکی حویلی کے آنگن پر چھا گئی تو سبھی کو سکون ملا۔
بھگوت سنگھ جی کی پتنی پارلی کو اپنے پاس بلا کر خفیہ طور پر کہا " پارلی جی کل تم اس لڑکی سے بات کرو۔ کسی نے اس غریب لڑکی سے ذلیل حرکت کی ہے۔ آخر کار وہ نادان ہی تو ہے کسی کے بہکاوے میں آجانا تو ایک فطری بات ہے۔
قصور نہیں ہے۔ آخر مرد مرد ہی ہوتے ہیں۔ وہ معصوموں سے بیجا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی وجہ سے بھابھا سہ نے کم سن لڑکیوں کو رنگین لباس اور زیورات پہننے سے منع کیا تھا۔ یہ میرا ہی قصور ہے میں نے لکشمی کا خیال نہ رکھا لیکن آئندہ میں ہوشیار رہوں گی مالکن نے کہا۔
مالکن تم پریشان مت ہونا۔ کل میں سب کچھ ٹھیک کر دوں گی۔ جب میں چوبیس گھنٹے نگرانی کرتی ہوں تو یہ کس نے ہمت کی ہو گی۔
رات اندھیری اور خاموش تھی۔ گیدڑوں کے چلانے اور کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ لکشمی برآمدے میں پڑی جاگ رہی تھی۔ اس کے کانوں میں اپنے پتی کی آواز گونج رہی تھی۔ تم ایک سستی اور بازاری عورت ہو۔ میں تمھارا چہرہ دوبارہ نہیں دیکھوں گا۔ تم بازاری عورت ہو۔ اس کے ہونٹ سکڑ گئے اور وہ آگ بگولہ ہو گئی۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں اس کے کانوں میں بادلوں کی گرج کی طرح

سنائی دینے لگی۔ اس نے سوچا کہ یہ آوازیں بند نہیں ہوں گی لیکن رات کی تاریکی جب بڑھنے لگی تو کتوں کی آواز ختم ہوگئی وہ جانتی تھی کہ رات کافی ہو چکی ہے اور یہاں تک کہ مالک کا نوکر گوکل بھی سو چکا ہوگا۔ وہ گستاخانہ انداز میں مسکرانے لگی۔ اس نے ثابت قدمی سے پائل کھول دیئے اور گھاگرا کمر سے لپیٹ لیا اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی جب وہ آہستہ آہستہ آنگن پار کرنے لگی تو نیند میں مگن عورتوں کے خراٹوں کی آواز اس کے کانوں میں دھیمی پڑنے لگی۔

نواں باب

صبح گیتا نے دیکھا کہ سیتا وہیں اکیلی پڑی ہے جہاں کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ لیٹی تھی بچی اپنی انگلیاں چوستے ہوئے اپنے ننھے پیر ہلا رہی تھی۔ اس کے بھوک سے بیتاب ہونے سے پہلے ہی گنگا نے یہ سوچتے ہوئے سیتا کو اٹھا لیا کہ اس کے جاگنے سے پہلے لکشمی ہاتھ منہ دھونے کے لیے نیچے گئی ہوگی۔ گنگا نے لکشمی کا دروازہ کھٹکھٹایا اور جب کوئی آواز سنائی نہیں دی تو اس نے نوکروں کے حمام خانہ کا رُخ کیا جو ان کے رہائشی علاقہ کے پیچھے تھا وہاں بھی اس کا پتہ نہ تھا۔ سیتا جب بھوک سے چلانے لگی تو گنگا نے سوچا کہ سب سے پہلے ان کے لیے دودھ کا بندوبست کیا جائے۔

سیتا کو دودھ پلانے والی عورت تلاش کرنے میں گنگا کو کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ سیتا کو اس عورت کے سپرد کر کے گیتا اوپر گئی۔ نوکرانیاں جاگ اٹھی تھیں۔ اور دھاپو وجے کے اوپر والے کمرہ میں سو رہی تھی۔ روزمرہ کی طرح ہر ایک نہانے اور تیار ہونے میں مصروف تھا۔ کسی نے لکشمی کی غیر موجودگی محسوس نہیں کی اور سب نے یہی سمجھا کہ وہ بھی دوسروں کی طرح اپنا جوڑا بدل رہی ہوگی۔ گنگا، گیتا کے کمرہ میں گئی لکشمی کے بارے میں اس کو خوف سا لگ رہا تھا۔ نوکروں کے علاقے میں لکشمی کے نہ پائے جانے کی خبر سنا کر گنگا نوکرانیوں میں کھلبلی مچانا نہیں چاہتی تھی۔

دھاپو وجے کو گود میں لیے اشنان سے پہلے اس کے بدن کی مالش کر رہی تھی۔ گنگا دھاپو کے قریب آ بیٹھی اور کہنے لگی "بائی، لکشمی نہ تو اپنے کمرے میں ہے اور نہ حمام خانے میں۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی اور اس کی آواز میں چلبلا پن غائب

تھا۔ دھاپو نے وجے کو گیتا کے حوالے کر دیا اور یہ کہتے ہوئے یہاں سے چل نکلی کہ وہ جلد واپس آجائے گی۔ یہ دونوں نوکرانیاں بغیر کچھ کہے نیچے اتر آئیں اور جب انھوں نے آنگن میں قدم رکھا تو انھیں یہ احساس ہوا کہ لکشمی کی غیر موجودگی پاری اور دوسروں کے لیے تشویش ناک امر ہے۔

اتنی اندھیری رات میں وہ کہاں گئی ہوگی؟ دھاپو نے اس سکوت کو توڑتے ہوئے کہا۔" وہ گنگارام سے بچنے کے لیے کہیں چھپ گئی ہوگی۔" پاری نے اپنا سر ہاتھوں میں لیتے ہوئے اور دکھ بھری آواز میں کہا۔ نہیں۔ لکشمی تو چلی گئی وہ کہیں چھپی نہیں ہے۔ دھاپو یہ سب میرا ہی قصور ہے۔ جس لگن سے وہ صبح و شام کام کرتی رہی تھی تو مجھے جاننا چاہیے تھا کہ وہ اپنے دل پر کوئی بھاری بوجھ اٹھائے رکھی ہے۔ اس سے پوچھ تاچھ کر کے مجھے اس کا بوجھ ہلکا کرنا چاہیے تھا۔ اس کی بجائے میں اس کو سراہتی رہی اور یہ سمجھتی رہی کہ ماں ہونے کے ناطے وہ بالغ النظر بن چکی ہے۔

لیکن وہ کیوں کر چلی گئی؟ دھاپو نے مصر ہو کر پوچھا بھا بھاسہ ہمیشہ سے کہا کرتی تھیں کہ بد مزاجی انسان کے لیے انتہائی خطرناک ہوتی ہے اور ان کا کہنا ٹھیک ہی تو تھا دوسری نوکرانیاں ستونوں کی آڑ میں کھڑی اظہار حقارت میں ناک چڑھانے اور اس کو اپنے پلو سے صاف کرنے لگی تھی۔ وہ سب اپنے آپ کو تھوڑا بہت قصور وار تصوّر کرنے لگیں۔

یہ سب رونا دھونا کس لیے ہر ایک تو یہی سمجھے گا کہ لکشمی مر گئی ہے۔ پاری جی تم جیسی تجربہ کار بھی یہاں بیٹھی آنسو بہا رہی ہو۔ کیا یہ وقت رونے کا ہے۔ مالکن نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

کنورانی سا۔ آڑے وقت میں مرد ہی تو کام آتے ہیں عورتیں تو آنسو بہاتی رہتی ہیں یہ کہتے ہوئے کھیالی رسوئی گھر سے باہر نکلا اور ڈانٹتے پھٹکارتے ہوئے پاری کی طرف انگشت نمائی کی۔

تم ٹھیک کہتے ہو۔ کھیالی۔ مالکن نے شکر گزاری سے کہا۔ کنورانی سا میں ارجن جوتشی کے پاس جاؤں گا دھاپو کی سونے کی چوڑی جب غائب ہو گئی تھی تو اس

نے چوری کی نشان دہی کی تھی۔

ہاں میں تو جوتشی کو بھلا بیٹھی۔ بیشک وہ لکشمی کا پتہ جانتا ہوگا مگر کھیالی پہلے تم میرے بھائی کی حویلی جاؤ۔ حویلی کے بازو والی چھوٹی گلی میں اس کی ایک موسی رہتی ہے۔ اندھیری رات میں وہ اس کے سوا اور کہاں جا سکتی ہے؟

"آپ کا جو حکم مالکن" رسوئیا نے کہہ تو دیا لیکن مالکن کی یہ تجویز اس کو موزوں نہ لگی۔

"پاری جی جی تم کھیالی کے ساتھ جاؤ۔ تمھارے جانے سے کچھ بات بن سکتی ہے۔ لکشمی سے کہو کہ میں ان کا انتظار کر رہی ہوں اس کو ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے اور اس کی بچی چلا رہی ہے تم جو چاہتی ہو وہ کہو لیکن اس کو واپس لو" جو حکم مالکن"

پاری اٹھ کھڑی۔ کھیالی نے رسوئی گھر میں نل کے پانی سے اپنے ہاتھ دھوئے۔ چولہے پر جو دال پک رہی تھی اس کے بارے میں اس نے ہدایت کی اور دونوں پچھواڑے کے دروازے سے باہر نکل پڑے یہ دونوں چپ چاپ چلتے رہے۔ گلیاں سنسان سی پڑی تھیں۔ سبزی اور پھیری والوں نے ابھی اپنا صبح کا دھندہ شروع نہیں کیا تھا۔ یہ دونوں تیزی سے چلنے لگے۔ وہ کسی اور سے ملاقات نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بنا کسی ضروری کام کے پاری اس وقت باہر نہیں جایا کرتی تھی۔ البتہ گلیوں میں لوگوں کی چہل پہل تھی۔

سڑک کے کنارے کسی نے آواز دی " کھیالی کیا بات ہے تم اتنے سویرے کہاں جا رہے ہو حویلی میں سب کچھ ٹھیک تو ہے نہ بھگوان کی دیا سے حویلی میں سب ٹھیک ہے یہ کہتے ہوئے کھیالی وہاں سے چل پڑا۔

ایک عورت جس کے سر پر پانی کا گاگر تھا اور جس حویلی میں آنا جانا تھا۔ اس نے کہا پاری جی جی اس وقت تم سوار اجن پول میں کیا کر رہی ہو؟ میں کنورانی سہ کے بھائی کے لیے دوائی لے جا رہی ہوں تم جانتی ہو کہ وہ بیمار ہیں۔ پاری نے عجلت سے کہہ دیا۔ وہ عورت اپنا سر ہلاتے ہوئے اپنی راہ چل پڑی۔

کھیالی اور پاری اب اور تیزی سے چلنے لگے۔ اور اس چھوٹی سی گلی میں داخل ہو گئے جہاں کہ مٹی اور پھوس کی جھونپڑیوں کی قطار تھی۔ ایک شکستہ دیوار کی

طرف اشارہ کرتے ہوئے پاری نے کہا یہی تو وہ گھر ہے ۔ اس نے اپنی ساڑی ٹھیک
کی وہ وہاں رک گئی اور کھنکارنے کے بعد پکار اٹھی " کلوجی کی پتنی ۔ تم کہاں ہو
پاری نے اپنے چہرہ سے گھونگھٹ اٹھایا اور جھونپڑی کے روبرو کھڑی ہوگئی ۔
میں کچھ کھلبلی سی مچی تھی ۔ دروازے سے ایک عورت باہر نکل آئی
اور کہا جی جی میں کتنی خوش قسمت ہوں کہ صبح صبح تمہارا چہرہ دیکھنے کو ملا ۔ جی جی اندر
آجاؤ ۔ یہ گھر ٹوٹا پھوٹا تو ہے اور میرا شوہر تو گاؤں میں رہتا ہے ۔ میں اکیلی عورت
کیا کرسکتی ہوں ۔ پاری کو دیکھ کر وہ اپنا اظہارِ تعجب چھپانے کی کوشش کر رہی تھی ۔
ان دونوں عورتوں کی نگاہوں سے دور کھیالی پتھریلی سل پر بیٹھ گیا ۔" ہاں تم ٹھیک
کہہ رہے ہو ۔ ایک تنہا عورت کیا کرسکتی ہے ۔ پاری نے دلگیر آواز میں کہا ۔ جی جی،
میں تمہارے لیے چائے کی پیالی لے آتی ہوں ۔

نہیں نہیں پاری نے اپنی ساڑی الٹ پلٹ کرتے ہوئے بے چینی سے کہا ۔
تھوڑے وقفہ بعد اپنے آپ پر قابو پاکر اس نے پوچھا کلوجی کی پتنی کیا لکشمی یہاں
اتفاقاً تو نہیں آئی ہے ؟

ہاں جی جی آدھی رات گئے وہ یہاں آئی تھی یہیں سو رہی تھی وہ کہنے لگی کہ گاؤں
میں اس کی بڑی موسی بیمار ہے اور اس کو سویرے والی بس سے وہاں جانا ہے ۔
لیکن اب مجھے خیال آیا کہ یہاں سے تو کوئی بس نہیں نکلی ہے اس کے لیے چائے بنانے
کے لیے جب میں سویرے اٹھی تو وہ یہاں سے غائب ہوگئی ۔ کلوجی کی پتنی پاری جی کے
قریب جا بیٹھی اور پوچھا " جی جی کیا کچھ مصیبت آپڑی ہے ۔ نہیں نہیں ۔ کچھ نہیں
گاؤں جانے سے پہلے لکشمی تم سے ملنا چاہتی تھی ۔ اس نادان لڑکی کو کیا خبر کہ
یہاں سے کوئی بس نہیں نکلتی ۔ اچھا تو میں چلتی ہوں یہ کہتے ہوئے پاری اٹھ کھڑی
ہوئی ۔ کھیالی بھی اس کے ساتھ چل پڑا ۔

" میں نے کہا تھا نہ کہ صرف ارجن کو ہی پتہ ہوگا ۔ کھیالی نے تکبرانہ انداز میں کہا
اور پیچھے کی طرف مڑ کر ہاتھی پل جانے والی سڑک کا رخ کیا جو شہر کا دکھش پھاٹک
تھا ۔ وہ یہاں پر ایک گلی میں داخل ہوا جس کے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے پکے
مکانات تھے اور ان مکانوں کے احاطے میں گائے اور بھینس بندھی ہوئی تھیں ۔

یہ گلی گندی اور کیچڑ سے لت پت تھی۔ مویشیوں کے چارہ کے لیے جو سوکھی اور سڑی گھانس وہاں رکھی ہوئی تھی۔ اس کی بدبو پاری کے لیے ناقابلِ برداشت تھی جو لوگ اس گندے اور مرطوب ماحول میں بسیرا کرتے ہیں وہ ان حالات سے ناواقف تھی۔

وہ ہی ارجن بھوپا کی جھونپڑی۔ کھیالی نے آہستگی سے کہا میرے پیچھے چلی آؤ۔ آؤ کچھ مت کہو۔ صرف بیٹھی رہو اور سنتی جاؤ۔

ارجن کے بال پر تیل چڑھا تھا وہ اس کے دونوں بازوؤں پر بے ترتیب بکھرے پڑے تھے۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے پتہ چلتا تھا کہ اگر وہ چاہے تو وہ مشتعل ہو سکتی تھی۔ وہ جھونپڑی کے باہر اپنے ہاتھوں کو تکیہ لگاتے ہوئے فرش پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ یہ جھونپڑی جو مٹی اور اینٹ سے بنی ہوئی تھی اس کے سامنے گائے اور تین بچھڑے بندھے ہوئے تھے۔ مویشیوں کے بول و براز کے ڈبروں کو پھلانگتے ہوئے کھیالی اپنے دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے ارجن کے روبرو کھڑا ہو گیا۔

آؤ اور بیٹھ جاؤ میں جانتا ہوں کہ حویلی میں کچھ گڑبڑ ہے۔ ارجن نے کھیالی کو اپنے قریب آتے ہوئے دیکھ کر سنجیدگی سے کہا پاری ایک کونے میں جا بیٹھی اور اپنا چہرہ گھونگھٹ میں چھپا لیا۔ کھیالی نے جو ابھی اپنے ہاتھ جوڑے ہوئے تھا مودبانہ لہجہ میں کہا " بھوپا جی کل شب حویلی سے ایک نوکرانی غائب ہو گئی۔

ہاں میں جانتا ہوں ارجن نے الہامی انداز میں کہا اور حقہ کا کش لگاتا رہا اس کی سیاہ آنکھوں میں دھندلا پن دکھائی دے رہا تھا۔ کھیالی نے پانچ روپے کا ایک نوٹ نکالا اور بھوپا کے قدموں میں رکھ دیا پانچ روپیہ کے اس نوٹ میں کوئی جادو تھا کہ ارجن نے حقہ چھوڑ دیا۔ التی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے چہرہ پر بل پڑے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ سنسار میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو جانچنے کے لیے وہ اپنے بدن اور ذہن پر پورا دباؤ ڈال رہا ہے۔ کچھ دیر بعد اس کا بدن پتھر کی مانند ہو گیا وہ کانپنے اور سسکیاں بھرنے لگا گویا کہ اس کے بدن میں کوئی سرا پھوٹ پڑا ہو۔ اس کے بدن کے عجیب و غریب صورتیں اختیار کیں اور جب وہ اپنا بدن ہلانے لگا تو اس کو سکون حاصل ہوا۔ وہ ہانپتے

ہوئے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ اس کے لبوں میں جنبش تو ہوئی لیکن ان میں سے کوئی آواز نہ نکلی وہ عالم بے خودی میں ایک دوسری دنیا میں پہنچ چکا تھا۔ گویا کہ وہ آنے والے کل کا جائزہ لے رہا ہو۔ یہی وہ گھڑی تھی جب کہ اس سے سوالات کیے جا سکتے تھے۔

کھیالی نے مودبانہ لہجہ میں پوچھا " بھوپا جی لکشمی کہاں ہے؟

وہ تو شہر میں ہے۔

وہ کس کے ساتھ رہتا ہے اور کس گلی میں؟

ہاں، میں اس کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ وہ جس کمرہ ہے اس میں کھڑکیاں نہیں ہیں۔ چھت سے پانی ٹپک رہا ہے اور وہاں اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ ہاں وہ اب مجھ کو صاف طور پر دکھائی دے رہی ہے۔ بھوپا کی آنکھیں جھپکنے لگیں۔ اور وہ کراہنے لگا۔ ہاں وہ ٹھیک ہے۔ اس کو کچھ نہیں ہوا۔ بھوپا خاموش ہو گیا۔

بھوپا پھر سے بڑبڑانے اور دھیمی آواز میں رونے لگا گویا کہ اس کو جو آشکارا ہوا ہے۔ وہ اس سے مطمئن نہیں ہے اور اپنے جوہر روحانیت کو بیدار کرنے کے لیے وہ اپنی چھاتی اور ننگی رانیں پیٹنے لگا۔ پھر سے وہ خاموش ہو گیا اور اپنی پُر تکلف اور دھیمی آواز میں کہنے لگا جگدیش مندر کے بازو میں جہاں چمار رہتے ہیں وہاں کے تیسرے یا چوتھے گھر میں وہ رہتی ہے۔ سیارہ زحل نے اس پر گھیرا ڈال رکھا ہے۔ لیکن وہ حویلی واپس آجائیں گی ہاں میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کی برہمی بتدریج گھٹتی چلی جا رہی ہے۔

کھیالی اور پاری نے اٹھنے سے قبل فرش پر اپنا ماتھا ٹیک دیا بھوپا جو بت کی طرح بیٹھا ہوا تھا اس کے روبرو ان دونوں نے بندگی میں کئی مرتبہ اپنے جوڑے ہوئے ہاتھ ہلائے۔ اور اس کے بعد وہ یہاں سے چل پڑے۔

جگدیش مندر کے بازو والی گلی جہاں کہ چمار رہتے ہیں۔ کھیالی نے پھر سے یہ الفاظ دہرائے اوجھن کے ان کمالات کا اس پر گہرا اثر پڑا اور اس کے لکشمی کے بارے میں جو خبر دی اس پر وہ مطمئن تھا۔

پاری اپنے خیالات میں کھوئی ہوئی کھیالی کے پیچھے پیچھے چلنے لگی ان دونوں نے

مندر کے نزدیک کی راہ لی۔ مندر کے پیچھے چماروں کے مکانوں کی ایک قطار تھی۔

"پاری جی جی تم یہیں ٹھہرو۔ میں پتہ لگاتا ہوں کہ وہ کس گھر میں ہے۔" کھیالی نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔ اس نے کچھ ہی فاصلہ طے کیا ہوگا کہ پاری نے دیکھا کہ ایک شخص نے کھیالی سے رکنے کے لیے کہا اور پوچھنے لگا "کھیالی تم کیسے ہو؟ تم سے ملاقات کیے کافی عرصہ ہوگیا۔ یہ کہتے ہوئے وہ کھیالی کے کاندھوں پر تھپکی دینے لگا۔

تمھیں پتہ ہے جیون تو اس ماتم میں ڈوبا ہوا ہے۔ کھیالی نے روکھے پن سے کہا۔ مجھے افسوس ہے۔ میں بھول بیٹھا۔ کیا تم کسی کو تلاش کر رہے ہو۔ کیا میں کچھ مدد کر سکتا ہوں؟

ہاں۔ کھیالی نے سرد مہری میں کہا۔

کیا تمھیں لکشمی کی تلاش ہے صبح میں نے اس کو دیکھا تھا۔

تم جانتے ہو کہ میں سویرے ہی اپنی دکان کھول دیتا ہوں۔ کھیالی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی اور اس کی بے رخی جاتی رہی اس کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر وہ آدمی کہنے لگا۔

"میں نے اس کو اس ٹوٹی دیوار والے گھر میں جاتے ہوئے دیکھا۔ یہ کہتے ہوئے اس نے بائیں طرف اشارہ کیا۔ یہ تو پان والے ہری کا گھر ہے یہ کہتے ہوئے وہ کھیالی گویا کہ وہ کوئی مذاق کر رہا ہے لیکن کھیالی کے لال پیلے ہو جانے پر اس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا۔

ہاں۔ بیشک اس بدمعاش سے جو روپیہ اس نے ادھار لے رکھا تھا اس کو لوٹانے کے لیے وہ گئی تھی۔ کھیالی نے ناگہانی طور پر کہہ دیا وہ آدمی جب وہاں سے چل پڑا تو کھیالی نے پاری کو چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ پان والے ہری کے گھر میں رہتی ہے چماروں کے گھر میں نہیں کھیالی اپنی بلند آواز میں یہ کہتے ہوئے مندر کے پیچھے والی ایک بند گلی میں مڑ گیا۔ جب وہ اینٹ سے بنے ہوئے اس مکان پر پہنچا تو اپنے آپ کو ٹھیک ٹھاک کیا اور اپنا گلا صاف کرنے کے بعد وہ بلند آواز میں پکارا "کیا مکان میں کوئی ہے؟" ایک دبلا پتلا

آدمی جس نے لنگوٹیا باندھ رکھی تھی باہر نکل آیا۔ اس کی بھنویں جڑی ہوئی تھیں۔ جب اس نے کھیالی کو دیکھا تو اپنا سینہ تان لیا اور گستاخانہ انداز میں اس کو گھورنے لگا " تو تم ہی وہ پان والے ہری ہو کھیالی نے اس کو مجرم قرار دیتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں میں وہی ہوں۔ تم کیا چاہتے ہو؟

" لکشمی کہاں ہے؟

مجھے کیا پتہ آج صبح ایک عورت آئی اور اس نے ایک کمرہ کرایہ پر لیا۔ بس میں اتنا ہی جانتا ہوں۔ میں سوالات کرنے کا عادی تو نہیں ہوں گلی میں سبھی جانتے ہیں کہ میرے یہاں کرایہ پر دینے کے لیے دو کمرے خالی پڑے ہیں اور اس کے بغیر میں اپنی پتنی اور آٹھ بچوں کی پرورش کیسے کر سکتا ہوں۔

کھیالی نے اس طرح قدم بڑھایا گویا کہ اس آدمی کی گستاخی پر وہ حملہ کرنا چاہتا ہو لیکن جوں ہی اس نے دروازہ کی طرف ایک عورت کو آتے ہوئے دیکھا تو وہ رک گیا یہ لکشمی تھی۔ وہ ان کے روبرو کھڑی ہو گئی اس کے ہاتھ کمر پر تھے اور اس کا چہرہ بے نقاب تھا" تم کیا چاہتے ہو؟ لکشمی نے دلیرانہ لہجہ میں پوچھا اس کی سرخ آنکھیں ابھری ہوئی تھیں۔

گھر چلو۔ کنورانی سب تمھارا انتظار کر رہی ہیں حویلی کے سب لوگ رنج و غم میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ پاری نے دکھ بھری آواز میں کہتے ہوئے دروازہ کی جانب آگے بڑھی۔

جی جی چلی جاؤ۔ میں واپس نہیں آؤں گی کبھی نہیں میں بھوکی مر جاؤں گی لیکن حویلی واپس نہیں آؤں گی۔ تم سمجھتی ہو کہ میں اناتھ ہوں اور میرا کوئی گھر نہیں ہے۔ تمھیں پتہ چلے گا کہ میں اناتھ نہیں ہوں اور میں اپنے شوہر پر ثابت کر دوں گی کہ میں کوئی بازاری عورت نہیں ہوں۔ واپس جاؤ اور اپنی مالکن سے کہہ دینا کہ ہیرالال ایک چور، بدمعاش اور لفنگا ہے۔ تم جا کر بس یہی کہہ دو اور مجھ کو اکیلا چھوڑ دو۔ لکشمی نے جب سانس لیا تو پاری نے کہا" لکشمی، گنگارام جی نے تمھیں جو برا بھلا کہا تھا وہ اس کی غلطی تھی۔ تم جانتی ہو کہ وہ بدمزاج ہے لیکن تم اپنا گھر اور بچّی کو تو نہیں چھوڑ سکتی"۔

مجھے کسی کی نصیحت نہیں چاہیے میں تم سب کو جانتی ہوں ہیں عمر بھر شانۂ ملامت بنی رہوں گی تمام نوکر اور ان کے نوکر یہی کہیں گے کہ میں بد اخلاق عورت ہوں۔ جات کے لیے اس نے ہیرالال کو پھسلایا محض ایک ساڑی کے لیے وہ سب کچھ کرنے پر رضامند ہو سکتی ہے۔ اب تمہارے ان میٹھے بولوں کا مجھ پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ کیا تم لوگوں نے مجھ پر اس سے پہلے نکمی اور بے وفائی کا الزام نہ لگایا۔ نہیں نہیں میں زندگی بھر نوکروں اور ان کے بچوں کے طعنے سننے کے لیے ہرگز ہرگز حویلی نہیں آؤں گی نہیں ہرگز نہیں۔ لکشمی کی آواز حقارت آمیز تھی جی جی تم چلتی جاؤ تم اور کھیائی جی دونوں چلے جاؤ ورنہ میں تمھیں دروازہ سے باہر نکال دوں گی۔ لکشمی نے چلاتے ہوئے دروازہ کا رُخ کیا۔

میری بات سنو لکشمی میں نے تمھیں پالا پوسا۔ اور جب تم نے شرارت کی تو تمھیں مارا پیٹا لیکن تم حویلی سے بھاگی نہیں۔ اپنی پتنی کو بُرا بھلا کہنے کا ہر پتی کو حق حاصل ہے اور ضرورت پڑنے پر وہ اس کو مار پیٹ سکتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ کوئی پتنی اپنے پتی کو چھوڑ کر بھاگ نکل جائے میری بات مانو لکشمی۔ پاری نے گڑگڑاتے ہوئے کہا گویا کہ وہ اس سے بھیک مانگ رہی ہے۔

" میں نے کہہ دیا نا کہ مجھے تمھاری نصیحت نہیں چاہیے۔ میں اس کی قدر و قیمت جانتی ہوں۔ تم اب جاؤ ورنہ میں دروازہ بند کر دوں گی میں پھر سے کہے دیتی ہوں۔ جی جی تم مجھ کو اکیلا چھوڑ دو۔ لکشمی نے تھرتھراتی آواز میں کہا۔ جب وہ چلا رہی تھی تو اس کی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ تمھاری بچی دودھ کے لیے ترس رہی ہے۔ کیا تمھیں اس کا خیال نہیں آتا۔ وہ تو ماں کے بغیر مر جائے گی پادری نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اس کو بھوکی ہی مر جانے دو۔ تب ہی اس کے پتا کی سمجھ میں آئے گا کہ اس کو اپنی لمبی اور زہریلی زبان قابو میں رکھنا چاہیے۔ لکشمی نے اپنے رخساروں سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ اور باوجود اس کے پاری وہاں موجود تھی۔

کیسی عجیب سی صورت ہے یہ پاری نے بدحواسی میں کہا۔ وہ کچھ دیر دروازہ کی

طرف دیکھنے لگی اور آخر کار لڑکھڑاتے پیروں سے باہر نکل پڑی۔

حویلی میں مالکن کے کمرہ میں تمام نوکرانیاں بیٹھی ہوئی کھیالی اور پاری کی واپسی کا انتظار کر رہی تھیں اور جب کہ باہر کے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی تو یہ سب اٹھ کھڑی ہو گئیں۔ پاری اپنا سر جھکائے ہوئے کمرہ میں داخل ہوئی اور کھیالی جو اس کے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ اس کے چہرہ سے مسکراہٹ غائب تھی۔

مالکن اس لڑکی کو بھول جاؤ اس کے سر پر بھوت سوار ہے پاری نے ترش لہجہ میں کہا ” کیا تم نے اس کو دیکھا؟ اور اس سے بات کی؟ مالکن نے اشتیاق سے پوچھا۔

بھوپا نے غلط کہا تھا۔ لکشمی اب کبھی واپس نہیں آئے گی وہ اب پان والے ہری کے ساتھ رہتی ہے۔ اس نے وہاں ایک کمرہ کرایہ پر لے رکھا ہے۔ پاری نے کہا مجھے اس کی پتنی ذرا بھر پسند نہیں وہ ایک نکمی عورت ہے۔ وہ اپنے ساتھ دوسروں کی مٹھی بھی خراب کرے گی۔ پاری نے گہری سوچ بچار کے ساتھ کہا۔ پان والے کی پتنی کے بارے میں پاری نے جو کہا اس کو نظر انداز کرتے ہوئے مالکن نے پوچھا لکشمی نے کیا کہا؟

اس نے کہا ” چاہے میری بچی بھوک سے مر جائے لیکن میں حویلی میں واپس نہیں جاؤں گی پاری فرش پر بیٹھ گئی اور اپنا سر گھٹنوں میں لیتے ہوئے سسکیاں بھرنے لگی۔ نوکرانیاں اِدھر اُدھر منتشر تھیں وہ اپنی زبان میں چلو دبائے اپنا رنج و غم ضبط کر رہی تھیں مالکن نے رسوئی گھر کا رُخ کیا لکشمی کے بارے میں دوبارہ کسی نے کوئی تذکرہ نہیں کیا۔

حصّہ دوم

پہلا باب

اس تین سو سالہ قدیم جیون تو اس پر اب مزید پانچ بہاروں کے موسم آئے اور چلے گئے۔ اس کی سفید دیواریں قدرے زرد پڑ گئی تھیں۔ اس کی لیپ پر زیادہ تر پھپھوندی چھا گئی تھی اور نمی کی وجہ سے اس کا آہنی پھاٹک زنگ آلود ہونے لگا تھا۔ لیکن حویلی اتنی استقلال سے کھڑی تھی گویا کہ وہ مزید ایک سو سال یوں ہی اپنی جگہ قائم رہے گی۔ حویلی کی روزمرہ زندگی میں کئی تبدیلیاں ہوئیں۔ اس دوران سنگ رام سنگھ جی چل بسے تھے۔ اور مالکن کے گزر جانے کے چند مہینوں بعد بھاتیا بنجی کی آرتھی بھی اٹھ چکی تھی۔ پاری کو دکھ اور درد ستانے لگے البتہ اس کی آواز کی گرج برقرار رہی اور اس کا اقتدار یوں ہی بحال رہا۔ دھاپو کی ساری توجہ و کرم پر رہی جس کا جنم اس کے پردادا کی موت کے تین ماہ بعد ہوا اس مرتبہ کوئی جشن منایا نہیں گیا۔ گھرانے کے لوگوں نے محض دیوی کی پوجا پاٹ کی تھی۔

بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے لکشمی کو ابھی نہیں بھلایا تھا شروع شروع میں تو ان تمام افواہوں کی تردید کرتی رہی۔ جو حویلی کی عورتوں نے اپنے اظہارِ ہمدردی کے بہانے اس کو سنایا کرتی تھیں۔ سچ بات کو چھپانے کے لیے اس نے پہلے پہل یہ کہہ دیا کہ لکشمی کو اس کے بھائی نے یکایک بلایا تھا۔ کیوں کہ اس کی پتنی سخت علیل ہے۔ لیکن اس پر کسی کو یقین نہ آیا۔ گلی کوچوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ لکشمی حویلی سے بھاگ گئی ہے۔ کچھ لوگ کہنے لگے کہ چاندی کی پیالی چوری کرنے پر مالکن نے اس کو پیٹا تھا۔ اس لیے وہ بھاگ گئی۔ لیکن حویلی کے باہر والوں کو لکشمی کے بھاگ جاتے

کی اصلی وجہ معلوم نہ تھی۔ جیون نواس کے ملازمین نے اس بارے میں کچھ کہنے سے انکار کر دیا۔ متجسّس عورتوں کو یہ راز جاننے کا اشتیاق بڑھا اور اس کے لیے وہ ہر ممکن کوشش کرنے لگیں گلی کوچوں میں جب لکشمی گھومتی پھرتی نظر نہ آئی تو یہ افواہ پھیل گئی کہ اس نے کنوئیں میں کود کر خودکشی کر لی کچھ اور لوگ کہنے لگے کہ وہ پرانے کپڑوں کا پھیری والا جو ہر تین ماہ حویلی سے پرانے اخبارات خرید کرنے آیا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ بھاگ گئی۔

پانچ سال گزر چکے لیکن بھگوت سنگھ جی کی پتنی یہ آس لگائے بیٹھی تھی کہ ایک نہ ایک دن لکشمی حویلی واپس آجائے گی۔ ہر دو ماہ بعد وہ پارکی یا کھیالی کو اس کا پتہ لگوانے کے لیے بھجواتی۔ کچھ مدت بعد کھیالی کو مالکن کی کھوج فضول سی دکھائی پڑی اور اس نے اشارۃً یہ کہہ دیا کہ لکشمی بے حیائی کی زندگی گزار رہی ہے لیکن بھگوت سنگھ جی کی پتنی کو اس پر اعتبار نہ آیا۔ اس نے سنا تھا کہ لکشمی اپنے گاؤں تو گئی تھی لیکن اس کے سگے سمبندھیوں کے غصّہ کی تاب نہ لاکر وہ شہر لوٹ آئی ہے لکشمی کے بھائی نے اس کو پناہ دینے سے انکار کر دیا کیوں کہ اس اقدام سے خاندان کے بڑے بوڑھے لوگ ناراض ہو جائیں گے۔ خاندان کا کوئی فرد لکشمی کے رویہ کو سمجھ نہ پایا ان کے نزدیک پتی کا اپنی پتنی کو بُرا بھلا کہنا تو فطری امر ہے۔ انھیں یقین تھا کہ لکشمی اگر اس حقیقت سے واقف ہو جائے کہ اس کا کوئی حمایتی نہیں ہے تو وہ حویلی واپس چلی جائے گی۔ لیکن ان کا یہ تصوّر غلط ثابت ہوا۔ لکشمی کو جب پتہ چلا کہ اپنے بھائی کے گھر اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے تو وہ اودے پور واپس آگئی۔ وہ پان والے ہری کا مکان چھوڑ کر شہر میں ایک درزی کے گھر ملازم ہو گئی۔ حویلی کا کوئی فرد جب اس کو بازار میں دیکھ پاتا تو وہ اپنا منہ پھیر لیتی۔ اور اس سے کوئی بات چیت نہیں کرتی البتہ بھگوت سنگھ جی کی پتنی کو اطمینان تو ہوا کہ لکشمی اودے پور میں ہی رہتی ہے اور وقتاً فوقتاً دکھائی دیتی ہے۔ اس کو یقین تھا کہ جس دن لکشمی حویلی سے بھاگ نکلی تھی یہ اس کی نادانی تھی اور اس پر وہ پچھتائے گی اور اگر اپنے شوہر سے نہ سہی تو وہ اس کے پاس ضرور لوٹ آئے گی۔

لکشمی کو حویلی سے نکلے ہوئے پانچ سال بیت گئے۔ گیتا کو قدرے سکون حاصل ہوا۔ حویلی کی عورتوں کے ناز و انداز نے اس کا دل لبھایا تھا اور خود اپنی ذات میں بھی اس نے کوئی پوہڑپن محسوس نہیں کیا۔ اس نے حویلی میں کسی کو اپنا ساتھی نہیں بنایا۔ ان کی شرمیلی نگاہوں اور بھولی بھالی اداؤں میں چالاکی اور خود غرضی پوشیدہ تھی۔ وہ کبھی اپنے خیالات اور احساسات کا اظہار نہیں کیا کرتی تھیں۔ ان کی حالت ان پنجرے کی بلبلوں کی مانند تھی جو گاتی اور چہچہاتی ہیں لیکن ان میں جوش اور ولولہ دکھائی نہیں دیتا۔ ان کی بڑی بڑی اور خمار آلود آنکھوں میں گھونگھٹ کے باہر کی دنیا دیکھنے کی جستجو تھی وہ کم سن ہونے کے باوجود انھیں ایک عجیب سا خوف لگا تھا جو ان کے فطری جذبات کو گھن کی طرح کھا رہا تھا۔ انھوں نے اپنے بڑوں کے کہنے پر خاندانی روایات کو برقرار رکھا لیکن ان میں نہ تو اس طرح کا اعتماد تھا اور نہ جذبۂ کارفرمائی گیتا نے یہ محسوس کیا کہ وہ اس دن کی منتظر ہیں جب کہ وہ اس قید سے رہا ہو جائے گی لیکن انھوں نے بظاہر اپنی اس بے چینی کا اظہار نہیں کیا۔ درحقیقت گیتا ان کی اس پرسکون زندگی کا راز جاننا چاہتی تھی۔

بھگوت سنگھ جی کی پتنی کو یہ شکایت رہی کہ ان میں گھربار سنبھالنے کی توانائی باقی نہیں رہی۔ البتہ وہ روزمرہ معمولات پر اپنی نگاہ لگائے رکھتی تھی صبح وہ سب سے پہلے بیدار ہوتیں اور شب میں سب سے آخر میں آرام کرتیں۔ وجے اور اس کے بھائی وکرم کو وہی بہلا پھسلا کر بھوجن کراتی اور دوسری حویلیوں کی عورتوں سے ملاقات کیا کرتی۔

اپنی انفرادیت کے باوجود گیتا میں بھی بہت کچھ تبدیلیاں ہوگئیں اس کا طفلانہ جوش قدرے کم ہوگیا۔ اور اس کے مزاج میں نرمی آگئی۔ دھیرے دھیرے وہ اپنے بچپن کے خوشگوار دن اور آزاد فضا بھول چکی تھی وہ دوسروں سے تھوڑا بہت الگ تھلگ تو رہی لیکن بتدریج اس نے حویلی کے روزمرہ معمولات کو اپنا لیا اور بغیر کسی شکایت کے وہ حویلی کے قواعد کی پابند رہی۔ لیکن اکثر اوقات اس کو حویلی کی چاردیواری میں گھٹن سی محسوس ہونے لگی کیوں کہ باہر کی دنیا اس

کی نظروں سے پوشیدہ ہو چکی تھی۔ نوکرانیوں کی گپ شپ اور افواہوں سے بھرا ہوا آنگن اس کے لیے دلچسپی کا باعث تو تھیں لیکن یہ اس کو حقیقی معنوں میں مطمئن کرنے کے لیے ناکافی تھیں۔

حویلی میں غیر معمولی طور پر مکمل سکوت تھا۔ مالکن کچھ دنوں کے لیے اپنے بھائی کے رشتہ داروں کے یہاں گئی ہوئی تھیں اور بھگوت سنگھ جی اور ان کا لڑکا کاروبار کے سلسلہ میں شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ جاڑے کی اس چاندنی رات میں آنگن دھیمی اور زرد روشنی سے روشن تھا۔ آنگن کے برآمدہ میں مٹی کی ٹوٹی پھوٹی ہانڈیا جس میں ٹہنیوں سے آگ جلائی گئی تھی نوکرانیاں اس کے قریب اپنے ہاتھ پیر سمیٹے ہوئے بیٹھی ہوئی تھیں۔

گیتا چٹائی پر بیٹھی ہوئی تھی اس کے شانے شال سے لپٹے ہوئے تھے اور وہ جلتی ہوئی ٹہنیوں سے اپنے ہاتھ سینک رہی تھی۔ گیتا اس بھڑکتی ہوئی آگ کو دیکھ رہی تھی جب کہ اس میں اور ٹہنیاں ڈالی جانے لگیں۔ اس آگ کے شعلوں سے اس کا چہرہ روشن تھا لیکن اس کی نگاہیں کہیں دور لگی ہوئی تھیں لگتا تھا کہ اس کا من یہاں نہیں بلکہ کسی دوسری جگہ لگا ہوا تھا۔ اس کے چہرہ پر بیزارگی کے آثار نمایاں تھے۔

"بی بی جی آدھی رات ہونے کو چلی ہے پاری نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔ کنورانی سہ اگر یہاں موجود ہوتیں تو تم اب تک آرام کرنے چلی گئی ہوتیں لیکن آج پونم کی رات ہے اور لکشمی جو دھن کی دیوی ہے اور ہمیں سب کچھ دیتی ہے۔ اس کی پوجا کرنا ضروری ہے۔ پاری نے اپنی منمین اور دبی ہوئی آواز میں کہا۔

گیتا نے اپنا سر ہلایا اور اپنے شانوں پر سے ڈھلکی ہوئی شال پھر سے اوپر ڈال لی۔

کنورانی سہ کے نہ ہونے سے سب کچھ بدل گیا ہے۔ دھاپو نے مایوسی کہا۔ وہ اگر یہاں موجود ہوتیں تو تم سمجھتی ہو کہ ہم سب یہاں بیٹھی ہوئی اس آگ کا نظارہ کرتی رہتیں۔ ہم سب تو گپیں ہانکتی اور ہنسی مذاق میں اتنی مگن ہوتیں کہ کسی بچہ کی آنکھ لگنا بھی محال ہو جاتا۔

بی جی تو ایسی نہیں ہیں،" پاری نے کہا وہ پڑھی لکھی ہیں اور انھیں کرنے کے لیے کئی کام پڑے ہوئے ہیں۔ گپیں ہانکنا تو ہم جیسوں کے لیے ہے جو ان پڑھ ہیں۔ اس کے یہ الفاظ طنز آمیز تھے۔

گیتا نے اس پر دھیان دیتے ہوئے کہا، " پاری جی دھاپو نے تو ٹھیک ہی کہا ہے۔ بھابھی کے بغیر حویلی سونی سونی سی لگتی ہے۔ وہ کب تک واپس آجائیں گی؟

دوپہر دایہ یہاں آئی تھی اور اس نے بتلایا کہ تمھارے چچا سسر کی صحت ٹھیک نہیں ہے۔ کنورانی سہ کو وہاں تین چار دن اور ٹھہرنا پڑے گا۔ یہ کہتے ہوئے پاری نے اپنی ناس کی ڈبیا نکالی۔ جب کتوں کے بھونکنے کی آواز کم ہونے لگی اور گیدڑ بھی خاموش ہو گئے۔ تو گنگا وہاں سے اٹھی اور برآمدہ میں سوئی ہوئی عورتوں کو بیدار کیا کیوں کہ دھن کی دیوی لکشمی کی مسکراتی مورتی کے روبرو بتی جلانے کا وقت آچکا تھا نیند سے جاگی عورتیں لڑکھڑاتی ہوئی پوجا کے کمرہ میں داخل ہوئیں۔ جہاں دیوی کی مورتی پھل پھول اور سوکھے میووں سے ڈھکی ہوئی تھی اور لوبانی بتیاں جلانے کے لیے چوکیاں رکھی ہوئی تھیں۔ دھاپو نے دھیمی آواز میں کہا" بی جی دیوی کے ماتھے پر پہلے بندیا لگاؤ اور جب گیتا اس کی ہدایت پر عمل کر چکی تو دھاپو نے کہا" اب ناریل رکھو اور اس کے بعد دیوی کے قدموں میں پھل اور مٹھائیاں رکھ دو۔ کچھ دیر بعد دھاپو نے کہا اب ایشور کا دیا جلاؤ۔

گیتا نے وہی کیا جو اس کو کہا گیا تھا جیسے ہی چاندی کا دیا جلایا گیا عورتوں نے بندگی میں اپنے ہاتھ جوڑے اور دیوی کی شان میں بھجن گانے لگیں۔ پوجا کا کمرہ لوبان کی خوشبو سے مہک اٹھا۔ پوجا جب ختم ہوئی تو پوجا نے بھینٹ کیے ہوئے پھل اور میوے عورتوں میں تقسیم کر دیئے۔ تم سدا سہاگن رہو اور تمھیں پڑپوتے دیکھنا نصیب ہو۔ پاری نے پیار بھری آواز میں کہا گیتا نے پاری کے پیر چھوئے اور تھوڑی دیر بعد وہ اپنے اوپر والے کمرہ میں چلی گئی۔

دونوں بچے اپنے کمرے میں میٹھی نیند سو رہے تھے اور حسب معمول سیتا

وجے کے بستر کے قریب بل کھائی ہوئی سو رہی تھی۔ دھاپو جو گیتا کے ہمراہ کمرہ میں چلی آئی تھی وہ گیتا کے سو جانے کا انتظار کرنے لگی اور اس کے بعد اس کے بستر سے قریب بچھی ہوئی قالین پر لیٹ گئی۔

بی جی تمھیں پتہ ہے کہ کنورانی سہ کیوں اپنے بھائی کے ساتھ رہتی ہیں؟ دھاپو اپنی پراسرار آواز میں کہتے ہوئے اٹھ بیٹھی نہیں تو تم ہی کچھ بتاؤ تاکہ میں یہ سنتے سنتے سو جاؤں۔ گیتا جو نرم اور ریشمی لحاف میں لیٹی پڑی تھی اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اگر تم سچ بات جاننا چاہتی تو سنو۔ اس کی آواز سے پتہ چلتا تھا کہ وہ کچھ کہنے کی تمنا رکھتی ہے۔ کنورانی سہ کے بھائی گوپال سنگھ جی اتنے سخت بیمار تو نہیں کہ تمھاری ساس کا ان کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ دھاپو نے کہا اس کے لبوں پر ایسا چٹخارہ تھا گویا وہ کہنے لگی " تم جانتی ہو وہ بڑے امیر آدمی ہیں اور کئی زمینوں کے مالک ہیں اور ان کے پاس کافی سونا ہے۔ ان کی جائداد کا ابھی بٹوارہ نہیں ہوا ہے۔ یہ دھنوان اگر چاہیں یا نہ چاہیں انھیں بھی تو ایک دن مرنا ہے۔ یہ کہتے ہوئے دھاپو تھوڑی دیر رک گئی اور ایک لمبی سانس لی گویا وہ اپنی بات جاری رکھنے کے لیے مزید توانائی چاہتی ہو گیتا کا اشتیاق بڑھنے لگا اور اس نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور حیرت زدگی سے پوچھا۔ ان کو تو اولاد ہے تو پھر انھیں فکرمند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

بیشک ان کے لڑکوں کو تو جائیداد مل جائے گی۔ تم کیا سمجھتی ہو کہ وہ اپنی جائیداد نوکروں میں بانٹ دیں گے؟ لیکن یہ اتنا آسان کام تو نہیں ہے۔ دھاپو نے گیتا کے اور قریب آتے ہوئے کہا تم یہ بھول چکی کہ گوپال سنگھ جی کی پہلی پتنی سے ایک لڑکا ہے اور دوسری پتنی سے دو لڑکے۔

" اور دو لڑکیاں بھی تو ہیں۔" گیتا نے کہا۔

"بیٹیاں جائیداد کی حقدار نہیں ہوتیں۔ شادی کے وقت انھیں اپنے حصّہ کا سونا دے دیا جاتا ہے۔ ان کا کوئی بکھیڑا نہیں ہے۔" دھاپو نے اس خلل اندازی کو ٹالتے ہوئے کہا تو اور سنو ورنہ ہمیں نیند نہیں آئے گی۔ گوپال سنگھ جی کی پہلی

پتنی جب بیمار ہوئیں تو ان کی سالی نے وہاں آکر اس کی دیکھ بھال کی۔ حقیقی معنوں میں اس نے رات دن جاگ کر اپنی بیمار بہن کی تیمارداری کی میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یہاں تک کہ وہ دن بدن کمزور ہونے لگی تھی ،، کہتی جاؤ۔ اصلی بات تو بتاؤ تمھیں تو مرچ مسالہ لگانے میں کتنا مزہ آتا ہے۔

اتنی بے صبر نہ ہو اور جیسے کہ وہ کوئی گہرے راز کی بات بتانا چاہتی ہو۔ اس نے آہستگی سے کہا تمھیں یاد ہوگا کہ بھابھی سہ اپنے ساتھ ایک چھوٹا سائز کا صندوقچہ رکھا کرتی تھی۔ اس میں کچھ زیادہ تو نہ تھا لیکن وہ آخری دم تک اس کو اپنے تکیہ کے نیچے رکھے ہوئے تھے۔ اسی طرح گوپال سنگھ جی کی پتنی کے پاس بھی ایک چھوٹا سا صندوقچہ تھا۔ بخار سے جب اس کا بدن تپ رہا تھا تو اس حالت میں بھی وہ لحاف کے نیچے ہاتھ ڈال کر اس صندوقچہ کو ٹٹولا کرتی تھی جس رات اس نے دم توڑا تو سارا کنبہ اس کے بستر کے قریب کھڑا تھا لیکن جب انھوں نے یہ صندوقچہ ڈھونڈا تو اس کا کہیں پتہ نہ چلا وہ غائب ہو گیا۔

"تمھیں مجھے کچھ بتلانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے یہاں رہتے ہوئے اتنی مدت ہو چکی ہے اور میں جانتی ہوں کہ مٹھائی کا ایک ٹکڑا بھی کسی نے غائب نہیں کیا۔ اور تم مجھے بتلانا چاہتی ہو کہ سونے بھرا صندوقچہ یوں ہی غائب ہو گیا؟

"کیا کسی نے جوتشی ارجن کا دروازہ کھٹکھٹایا نہیں تھا؟" گیتا نے طنز آمیز لہجہ میں کہا۔

لو چلو تم نے پھر سے حویلیوں پر نکتہ چینی شروع کر دی تم چاہو یا نہ چاہو تمھیں تو نہیں رہنا ہے۔ اور تم جتنی جلدی ہمیں اچھی طرح جان لو اتنا ہی اچھا ہے۔ دھاپو نے کھلکھلاتے ہوئے کہا اور گیتا کی دل جمعی کے لیے اس نے اپنے ہاتھ ریشمی لحاف پر رکھے۔ اس نے اپنا گلہ صاف کیا گویا کہ وہ کسی گہرے راز کا انکشاف کرنے جا رہی ہوں بتائے دیتی ہوں۔ اس نے سنجیدگی سے کہا سنا ہے کہ گوپال سنگھ جی کی سالی نے وہ صندوقچہ چرایا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ یہ زیورات اپنی بہن کے اکلوتے لڑکے کے لیے رکھتی ہوگی۔ کتنی چالاک ہے وہ۔ گیتا نے خفگی سے پوچھا "کس نے کہا اس نے صندوقچہ چرایا ہے؟" کسی نے تو نہیں

لیکن ہر کوئی اس کی بہن پر ہی شک کرتا ہے۔ بالراست کون اس پر الزام لگا سکتا ہے؟ اس کا کوئی ثبوت تو نہیں ہے لیکن میں نے دیکھا ہے کہ جب کبھی وہ نیا زیور پہنتی ہے تو عورتیں کسی شرارتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا کرتی ہیں۔

تم سب کتنی احسان فراموش اور دھوکہ باز ہو؟ خاندانی خلوص اور میل ملاپ کا تو ہمیشہ تذکرہ کرتی رہتی ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک معصوم عورت کو چور کہنے سے باز نہیں آتیں۔ خیر جانے دو بھابھی جی اپنے بھائی کی حویلی میں کیا کر رہی ہے؟

وہ اس مرتبہ لاپرواہ نہیں رہیں گی وہ اس لیے وہاں ٹھہری ہوئی ہیں تاکہ تینوں لڑکوں میں جائیداد کی تقسیم برابر ہو خصوصاً اس خاندانی سونے کی جو بچا ہوا ہے۔ تم تو جانتی ہو کہ آخر وہ سوتیلی ماں جو ٹھہری اس سے انصاف کی امید کیسے رکھی جا سکتی ہے۔ کنورانی سہ فطرتِ انسانی سے واقف ہے۔ اس کا بھائی بوڑھا ہو چکا ہے اور وہ چاہتی ہے کہ اس کے جیتے جی تمام چیزوں کا بٹوارہ ہو جائے۔ کیا یہ بھی کوئی دھوکہ بازی ہے؟ دھاپو نے خندہ زنی میں کہہ ڈالا۔

" نہیں جو کچھ وہ کر رہی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔ دھن دولت کے بارے میں کسی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ گیتا نے ترش روئی سے کہا اور دھاپو کی طرف اپنی پیٹھ پھیر لی۔

دوسرا باب

دوسری صبح گیتا غیر معمولی طور پر جلد جاگ اٹھی اب جب کہ اس کی ساس گھر پر نہیں ہے تو روزمرہ اناج کے نکالنے کی ذمہ داری اس پر لگی تھی جیسے ہی وہ کن گھا کررہی تھی تو اس کو وجے کے کمرہ سے چمپا کی تیز آواز سنائی دی۔

"سیتا اٹھ لاڈ پیار نے تجھے بگاڑ دیا ہے تو اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہے؟ کیا تو جیون نواس کی ہونے والی مالکن ہے؟ جو وجے بھائی صاحب کے تیار ہو جانے کے بعد بھی سوئی پڑی ہو؟" بائی اتنی سردی جو ہے یہ کہتے ہوئے سیتا نے نوکرانی سے لحاف چھین لیا تھوڑی دیر مجھے اور سونے دو۔

فوراً اٹھ ورنہ میں تجھے ایک طمانچہ لگاؤں گی۔ تجھے کیا ہو گیا ہے؟ دن بدن بگڑتی جارہی ہے۔ وہ دن دور نہیں جب کہ تم چاندی کی تھالی میں بھوجن مانگو گی۔ تو اب ننھی تو نہیں رہی یہ مت بھولنا صفائی اور جھاڑو لگانا سیکھ لے ورنہ مالکن بھی تجھے نکمی سمجھے گی وجے بابا صاحب کے ساتھ کھیلی ہو تو اس سے یہ مت سمجھ لینا تو ان کی برابری کر سکتی ہو۔

سیتا اپنی آنکھیں رگڑتی ہوئی اٹھ بیٹھی اپنا بستر لپیٹا اور وجے کے پلنگ کے نیچے ڈھکیل دیا اور نیچے چلی آئی چمپا اس کے پیچھے پیچھے ہولی۔

گیتا نے کپڑے بدلے اور تھوڑی ہی دیر میں وہ رسوئی گھر میں آپہنچی اس نے دیکھا کہ پاری روزمرہ پکوان کی چیزیں نکال چکی ہے۔ سبزیاں علیحدہ علیحدہ کردی ہیں اور تیل اور گھی ناپ کر چھوٹی چھوٹی کٹوریوں میں بھر دیا ہے۔ پاری نے گیتا

سے پوچھا کہ جو چیزیں نکالی ہیں وہ کہیں زیادہ تو نہیں تو گیتا بوکھلا سی گئی۔ جہاں تک رسوئی گھر کے معاملات تھے اس کی ساس کو اس پر بھروسہ نہ تھا اس کی وجہ سے گیتا میں عدم اعتمادی کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ یہاں کی نوکرانیاں اس کے یہاں آنے سے بہت پہلے حویلی میں کام کر رہی تھیں اس لیے اس کو حویلی کی چھوٹی مالکن کا روپ کچھ عجیب سا لگا۔ نوکرانیوں کو ہدایت دینے یا ان سے جھگڑا کرنے سے اسے ڈر سا لگ رہا تھا خصوصاً پاری جو رسوئی گھر کا سارا انتظام اس سے زیادہ جانتی تھی۔ اس نے رسوئیا کو نوکروں کی روٹیوں پر زیادہ گھی ڈالتے ہوئے دیکھا تو دیکھا لیکن اس کو ڈانٹنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔

جیسے ہی گیتا رسوئی گھر کے برآمدہ میں رکھی ہوئی اشیاء خرد و نوش دیکھ چکی تھی تو وجے دھاپو کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے ہوئے نیچے اتر آئی اسکول کے نیلے اور سفید کلف دار وردی میں وہ صاف ستھری نظر آ رہی تھی۔ وہ اپنی ماں کے روبرو کھڑی ہو گئی تاکہ وہ اپنی پسندیدگی کا اظہار کرے۔ یہاں پر بیٹھ جاؤ اور دودھ پی لو ورنہ اسکول کے لیے دیر ہو جائے گی دھاپو نے وجے سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

میں یہاں نہیں بیٹھوں گی۔ دودھ تو میں دوسرے برآمدے میں پیوں گی۔ وجے نے علانیہ طور پر کہا اور آنگن کی طرف دیکھنے لگی جہاں سیتا سردی سے بچنے کے لیے اپنے ہاتھ پیر سمیٹے بیٹھی ہوئی تھی۔ یہیں بیٹھ جاؤ اور گڑبڑ مت کرو گیتا نے سخت گیر آواز میں کہا۔

وجے کو دھکہ سا لگا اس سے کسی نے اب تک اس طرح سخت کلامی نہیں کی تھی وہ اپنی بھیگی آنکھوں سے دھاپو کو دیکھنے لگی۔

"بچے اگر تمھیں تنگ کرتے ہوں تو انھیں میرے حوالے کر دو۔ یہ کہتے ہوئے دھاپو نے وجے کو اٹھا لیا اور جلدی جلدی رسوئی گھر سے چل پڑی۔ بغیر کسی عذر کے پانچ برس کی چھوٹی سی بچی پر اس طرح برس پڑنا کہاں تک ٹھیک ہے؟ یہ بڑبڑاتے ہوئے وہ وہاں سے نکل گئی۔

گیتا جو سبزیوں کو علیحدہ علیحدہ کر رہی تھی اس کے چہرے پر مسکراہٹ کی

ہلکی سی لہر دوڑ گئی ساس کی غیر موجودگی ہی ایک ایسا وقت تھا جب گیتا وجے کو ڈانٹ ڈپٹ کر سکتی تھی۔ لیکن جب کبھی وہ وجے کو ڈانٹا کرتی تو نوکرانیاں اس پر فوراً ٹوٹ پڑتیں اور اس کو ایک سنگ دل ماں قرار دیتیں۔ نوکروں کے اس لاڈ و پیار کے باوجود وجے کو اپنی نخرے بازی کے قیود کا علم تھا۔ دیکھو تو بائی صاحب کتنی اچھی لڑکی ہے۔ اس نے سادا دودھ پی لیا۔ دھاپو نے کچھ دیر کے بعد چھوٹی مالکن کے روبرو خالی گلاس رکھتے ہوئے فخریہ انداز میں کہا۔

ہنسی بند کرو اور چلی جاؤ ورنہ کنور صاحب کے لیے گاڑی وقت پر اسٹیشن نہیں پہنچ پائے گی۔ گیتا نے کہا دھاپو اپنا گھاگھرا سنبھالتے ہوئے وجے کو لینے کے لیے لپکی اس کو یاد نہ رہا کہ آج صبح کی گاڑی سے بھگوت سنگھ جی چتوڑ سے آرہے ہیں۔ وجے نے سیتا کا ہاتھ پکڑا اور اس کو ستون کے پیچھے سے جہاں وہ کھڑی سردی سے کانپ رہی تھی۔

سیتا تم بھی میرے ساتھ اسکول چلو۔ کتنا مزہ آئے گا اگر تم بھی میرے ساتھ کار میں اسکول وجے نے سیتا کو گھسیٹتے ہوئے کہا۔" بائی سہ اس کو اکیلا چھوڑ دو۔ تمھاری ہی وجہ سے وہ سب کو پریشان کرتی ہے۔ دھاپو نے کہا میں اگر اسکول جا سکتی ہوں تو سیتا کیوں نہیں؟ وجے نے سیتا کے ٹھنڈے ہاتھ تھامے ہوئے نیک مزاجی سے پوچھا۔

دھاپو نے پوری قوت لگا کر وجے کا ہاتھ سیتا سے چھڑا دیا۔ سیتا چپ چاپ ستون کے پیچھے جا کر اپنا سر گھٹنوں میں دبائے بیٹھ گئی۔

اب تو اداس کیوں ہے؟ اٹھ اور ہاتھ منہ دھو تو اگر اپنے الجھے ہوئے بال اور بہتی ہوئی ناک سے گھومنے پھرنے لگی تو وجے بائی سہ تیرے ساتھ نہیں کھیلیں گی چمپا نے اس کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا لیکن سیتا اپنی جگہ یوں ہی بیٹھی رہی۔

نوکرانیاں سیتا کو جھڑکتی رہتیں اور کبھی کبھی اس کو طمانچہ بھی لگاتیں لیکن وہ سب اس کو پیار ضرور کرتیں اور اس کی دیکھ بھال کرتی تھیں اور جب وجے کا مزاج بگڑا ہوا ہوتا تو وہ سیتا کو اپنے گھاگھرا کی آڑ میں چھپا لیتیں لیکن جب سیتا کو سنبھالنا انھیں دشوار ہو جاتا تو وہ اس سے کہتی کہ وہ بے ماں کی لڑکی ہے

اور وہ بدصورت ہے اور اس کی دیکھ بھال کے لیے انھیں تنخواہ نہیں دی جا رہی ہے۔ اس ظاہری سخت برتاؤ کے ساتھ ساتھ وہ اس کی ناز برداری اٹھاتیں۔ جس دن لکشمی نے حویلی کے باہر قدم رکھا اس دن سے وہ اس کی دیکھ بھال میں لگی رہیں اور اپنے ہی بچّوں کی طرح اس پر اپنی کڑی نگاہ رکھی اور اس کو گلیوں میں کھیلنے سے روک رکھا۔ وجے سیتا کا ہر حکم مانتی۔ وہ اسے ڈرانی دھمکاتی۔ اس کے بال نوچتی اور جب کبھی سیتا بگڑ جاتی تو اس کو مٹھائیاں اور کھلونے دے کر اس کی خوشامد کر دیتی وہ حویلیوں کے تمام بچّوں کی بہ نسبت سیتا کو زیادہ پسند کرتی تھی۔ پاری نے بھنڈار کا کمرہ بند کر کے رسوئی گھر میں آ بیٹھی جہاں اس کو سکون حاصل ہوا۔

پاری جی جی سیتا کو تو دیکھو وہ کتنی ضدی بن گئی ہے۔ میرے کہنے کے باوجود وہ وہیں اداس بیٹھی ہے۔ چمپا نے سیتا کا ہاتھ گھسیٹتے ہوئے کہا۔ بائی مجھے تنہا چھوڑ دو۔ میں اپنا چہرہ صاف نہیں کرنا چاہتی۔ سیتا نے روتے ہوئے چمپا سے کہا اور اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

تیرا بدن اگر زخموں سے بھر جائے تو تو سمجھتی ہے کہ میں اس کی پرواہ کروں گی چمپا نے فوراً اس کا جواب دیا لیکن جب تیرے بالوں میں جوئیں رینگیں گی اور تیرا چہرہ کھجلائے گا تو چلاتی ہوئی میرے پاس چلی مت آنا۔ میں تو تجھ سے تنگ آ چکی ہوں۔

”چمپا تم اس کو دق نہ کرو۔ سورج کی تپش کچھ اور تیز ہونے دو۔ وہ اٹھ بیٹھیں گی کیا تمھیں دکھائی نہیں دیتا کہ اس کو جاڑا سا لگ رہا ہے۔ گیتا نے کڑی آواز میں کہا۔ وہ کچھ پریشان سی لگ رہی تھی۔ اسکول جانے سے قبل وجے نے جو کہا تھا۔ اس پر وہ سوچ رہی رسوئی گھر کی آگ میں اپنے ہاتھ سینکنے کے لیے پاری اٹھ کھڑی ہوگی۔ اس نے چمپا کو جھلاتے ہوئے وہاں سے جاتے ہوئے اور سیتا کو وہیں پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو وہ کہنے لگی ”بی جی میں جانتی ہوں کہ تم سیتا کو چاہتی ہو۔ لیکن لاڈ و پیار سے وہ بگڑ جائے گی آخر وہ نوکرانی کی لڑکی ہے اور دیکھ بھال کے لیے اس کی ماں نہیں ہے۔ اگر وہ ابھی سے آرام پسند بن گئی تو

آئندہ اس کو تکلیف اٹھانی پڑے گی اور اس کے علاوہ اس کو چاہیئے کہ وہ ہم نوکرانیوں کا حکم مانتے۔

" پاری جی جی تمھارا کہنا ٹھیک ہی ہے۔ گیتا نے معذرتی انداز میں کہا۔

سیتا کو اس طرح سمٹی ہوئی بیٹھے دیکھ کر پاری کو گزرے دنوں کی یاد آگئی۔ اس کی نگاہیں کہیں دور لگی تھیں۔ وہ کہنے لگی بی جی پانچ سال بیت چکے لیکن وہ دن ابھی تک مجھے یاد ہے۔ جب کہ کنور صاحب نے گرجتی ہوئی آواز میں ہیرالال سے کہا تھا۔ حرام زادے میری نظروں سے دور ہوجا۔ نکمہ کہیں کا۔ ہیرالال ان کے روبرو کانپتے ہوئے کھڑا تھا۔ میں نے تجھ پر بھروسہ کیا لیکن تو نے مجھے دھوکہ دیا۔ ہیرالال کیا تجھے سنائی نہیں دیتا۔ جا اس حویلی سے نکل جا اور اپنا چہرہ کبھی دوبارہ مجھ کو نہیں دکھلانا۔ کیا میں نے تجھ کو بچپن سے اس لیے پالا پوسا اور بڑا کیا کہ تو ایک معصوم عورت کی عزت لوٹ لے۔ بی جی تم نے کبھی کنور صاحب جیسے بامروت شخص کو اس طرح غضبناک ہوتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا۔ وہ اتنے طیش میں تھے کہ ان کی زبان سے کوئی بات نہ نکلتی تھی۔ ہیرالال ان کے پیروں میں گر پڑا اور روتے ہوئے کہنے لگا۔" مجھے معاف کر دو۔ ان داتا میں آپ کو دکھ دینا نہیں چاہتا۔ اگر آپ چاہیں تو مجھے مار ڈالیے اور جو چاہیں سو کریں لیکن میں حویلی نہیں چھوڑوں گا۔ بہتر ہوگا کہ آپ مجھے حویلی سے نکالنے کی بجائے میرا گوشت پوست گہ کو کھلادیں۔

پاری اور کچھ نہ کہہ سکی وہ رونے لگی۔

گیتا کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔ وہ غم کے گھونٹ یوں ہی پی گئی۔

اب رونے دھونے سے کیا فائدہ جی جی کھیالی نے کہا یہ سب تو بیت چکا اس واقعہ کے اسی دن سے ہیرالال میں کافی تبدیلی ہو چکی ہے۔ اور وہ اپنے قریب سے گزرتی ہوئی کسی عورت پر آنکھ تک اٹھا کر نہیں دیکھتا وہ خاموشی سے کام میں مشغول رہتا ہے اور یہاں تک کہ ہم مرد لوگوں سے بھی وہ دور دور رہنے لگا ہے۔ یہ کہتے ہوئے وہ چولھے پر گلتی ہوئی مسور ہلانے لگا۔

ٹھیک ہے کھیالی۔ ہیرالال کو تو اس کی سزا مل گئی۔ لیکن اس غریب لکشمی کا کیا ہوگا؟ پاری نے دکھ بھری آواز میں کہا۔

تم عورتیں کس خیال میں رہتی ہو کھیالی نے طنزیہ انداز میں کہا۔ لکشمی تو خوش حال ہے۔ میں نے بتایا تھا کہ کچھ دن پہلے میں نے اس کو ہاتھی پول میں دیکھا تھا۔ پہلے تو میں اس کو پہچان نہ سکا۔ وہ اب اتنی موٹی جو ہو گئی ہے۔ جب میں نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی تو اس نے بڑی شان سے اپنا منہ پھیر لیا۔ تمھیں اندازہ نہیں کہ کتنی حقارت آمیز نگاہوں سے اس بات پر یقین نہیں آتا کہ وہ حویلی ہرگز ہرگز واپس نہیں آئے گی۔

گیتا نے نوکرانیوں کی باتوں پر پوری توجہ نہیں دی اس کے چہرہ پر سنجیدگی تھی اور ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔ اس کی نگاہیں آنگن پر لگی تھیں جہاں برآمدہ میں سیتا سمٹی ہوئی بیٹھی تھی وہ دم بھر میں اٹھ بیٹھی گویا کہ وہ زیادہ دیر تک اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکتی ہو اور حاکمانہ انداز میں کہنے لگی پاری جی جی سیتا ضرور اسکول جائے گی۔ چھوٹی مالکن کی یہ بات سن کر پاری حیرت زدگی سے اس کی طرف دیکھنے لگی گویا کہ کسی نے اس کے سر پر پتھر دے مارا ہو۔ کھیالی رسوئی گھر جاکر چولھے پر پکتی ہوئی دال ہلانے لگا۔

اس اچانک فیصلے سننے کے تھوڑی دیر بعد پاری اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہنے لگی۔ بنی جی سیتا نوکرانی کی لڑکی ہے وہ اسکول کیسے جاسکتی ہے؟ گیتا پاری کو بے باک نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ غصہ سے اس کی آواز تھرتھرانے لگی وہ کہنے لگی ”جب وجے اسکول جاتی ہے تو تمھیں کوئی شکایت نہیں۔ سیتا کیوں کہ اسکول نہیں جاسکتی؟

وجے بائی سہ کو بھگوان سلامت رکھے وہ تو اس حویلی کی دختر ہے۔ اس پر انگلی اٹھانے کے لیے کسی میں ہمت ہے۔ اس کے پاس دھن دولت ہے اور سر پر ماں باپ کا سایہ ہے۔ سیتا کے پاس ہے کیا؟ اس کو دنیا والوں کی نگاہوں سے بچانا چاہیے۔ بنی جی تم اودے پور اور یہاں کے طور طریق کو نہیں جانتی ہو سیتا بیاہ دی جائے گی۔ تم اس کی ذمہ داری ہم نوکروں پر چھوڑ دو۔ اس کے

کے لیے کیا بہتر ہے وہ ہم جانتے ہیں۔ پاری نے غیر معمولی طور پر اپنے خیالات کا بے ٹوک اظہار کر دیا۔

نوکرانی کی اس زہر افشانی پر گیتا آگ بگولا ہو گیا اس کی آنکھوں میں بدلہ کی آگ بھڑک اٹھی لیکن اس نے بہت جلد اپنے جذبات پر قابو پالیا۔

گیتا کو خاموش دیکھ کر پاری نے کہا۔" بی جی تم پریشان مت ہونا سیتا کو سہارا دینے کے لیے کئی اور راستے بھی تو ہیں تم اگر اس کو بھاری جہیز دو گی تو اس کو اچھا شوہر مل سکتا ہے۔ پاری نے بھلی سی آواز میں کہا وہ پھر سے کہنے لگی " بی جی جس لڑکی کو گاؤں میں رہنا ہے اس کو ہٹی کٹی ہونا چاہیے۔ اس کو زیادہ لاڈ نہیں دینا چاہیے۔ کنویں سے پانی نکالنے کھیتوں میں ہل چلانے اور گوبر اکٹھا کرنے کے لیے تو اس کے ہاتھ پیر کا مضبوط ہونا ضروری ہے ویسے تو سیتا آلسی ہے۔ جب تم اسکول بھیجو گی تو وہ اپنے آپ کو رانی سمجھ بیٹھے گی۔"

وہ تو ابھی سے گلی کوچوں میں لڑکوں کے ساتھ کھیلتی رہتی ہے اور جب اس کی نگرانی کے لیے کوئی نہ ہو تو اس کی شرارتیں بڑھ جائیں گی۔ اس کی ذمہ دار کون ہو گی ؟ میں تو نہیں۔ ویسے وہ اب بھی شرارتیں کرتی رہتی ہے اور مجھ کو کچھ سمجھتی ہی نہیں چھپانے شکایتی لہجہ میں کہا۔

گیتا جیسے ہی اٹھنے لگی تھی کہ پھاٹک سے کار کے اندر آنے کی آواز سنائی دی۔ نوکرانیاں اِدھر اُدھر بھاگنے لگیں۔ حویلی کے مالک کی آمد ان نوکرانیوں کے لیے خاموش ہو جانے اور کام پر لگے رہنے کا ایک اشارہ تھا۔ کھیالی نے چولھے پر سے وہ برتن نیچے اتار دیا جس میں مسور پک رہی تھی اور مالک کو گرم پانی سے اشنان کرنے کے لیے ایک بڑی سی پتیلی آگ پر رکھ دی پل بھر میں آنگن میں گہما گہمی ہونے لگی جیسے ہی گوکل جی رسوئی گھر کے برآمدہ میں داخل ہونے لگے تو گیتا نے اپنی ساڑی ٹھیک کی اور چہرہ پر گھونگھٹ ڈال لیا۔

مالکن کنور سہ آدھے گھنٹے بھر میں بھوجن کرنے چلے آئیں گے۔ اس نے گیتا سے مودبانہ انداز میں کہا۔

پاری اٹھ کھڑی ہوئی اس کے ہاتھ پیروں میں پھر سے پھرتی آگئی اس نے

جلدی جلدی الماری سے نمکین چٹ پٹی چیزیں اور اچار نکالے ۔" بی جی تم تھوڑا آرام کرو۔ جب تک مجھ میں قوت ہے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ پاری نے مدھم سے لہجہ میں کہا اور اپنے کام پر لگ گئی۔

گیتا کسی بہانے رسوئی گھر سے باہر نکلنے کے لیے منتظر تھی وہ تھکی ماندی تھی اور اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب کہ پاری سے اس کی نوک جھونک ہوئی تھی اور اس نوک جھونک نے اس کی ساری قوت سلب کردی۔ وہ تنہائی چاہتی تھی لیکن جب تک کہ اس کے سسر جی بھوجن نہ کرلے تب تک وہ اپنے اوپر والے کمرہ میں نہیں جاسکتی تھی۔

وہ جاکر نیچے والے کمرہ میں ہی لیٹ گئی اس کمرہ میں اس کو ٹھنڈک سی لگی اور یہ مردانہ دیوان خانہ کی طرح آرام دہ تو نہ تھا اور نہ یہاں جاذبیت کی کوئی شے تھی۔ دیواروں پر جن مناظر کی مصوّری کی گئی تھی وہ بھونڈی سی تھیں۔

گیتا نے اس موٹے سے گدیلے پر اپنے پیر پھیلا دیئے اور آنکھیں بند کرلیں وہ دل شکستہ تھی اور یکایک اس کے ذہن میں اپنے میکہ جانے کا خیال ابھر آیا۔ بمبئی میں اس کے پتا اپنی مصروفیت کے باوجود اپنے بچوّں کا پورا پورا خیال رکھتے تھے اس کو اپنی شادی کا خیال آنے لگا۔ اس کی ماں نے بدائی کے وقت دروازے پر کھڑی اپنی آنکھوں میں آنسو کا سیلاب تھامے ہوئے اجے سے کہا تھا۔

" میری لڑکی کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنا۔ وہ ہمارے لیے جان سے زیادہ عزیز ہے اور اگر وہ کوئی زیادتی کربیٹھے تو صبر سے کام لینا گیتا کے رخساروں پر آنسو کی دو بڑی بڑی بوندیں لڑکھڑانے لگیں۔ اس کمرہ میں اس کو گھٹن سی محسوس ہوئی؟ اس نے محسوس کیا کہ اس کو اس حویلی کی روایات اور دقیانوسی طور طریقہ کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے۔ اس کو ان بڑی بڑی تصاویر کا خیال آیا جو سنہری چوکھٹوں میں جکڑی ہوئی مردانہ دیوان خانہ میں ٹنگی تھیں۔ خاندان کی چھ پشتوں کے افراد کی نگاہیں اس پر لگی تھیں اور ہر ایک تصویر سے ان کی آن بان اور شان جھلک رہی تھی۔

گیتا سوچنے لگی۔ اگر آبا واجداد کے بارے میں میری معلومات محض داداجی

تک محدود ہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں دبی رہوں اس میں بغاوت کا جذبہ پیدا ہوا اور اس کے چہرہ پر سخت روئی کے آثار نمایاں تھے۔ اس نے حویلی کی ان قدیم روایات کو ختم کرنے کی ٹھان لی۔

باہر برآمدہ میں عورتوں کی چہل پہل سنائی دی۔ سرجو دایہ گوپال سنگھ کی صحت کے بارے میں اطلاع دینے کے لیے حویلی آئی ہوئی تھی۔ دھاپو جب کمرہ میں چلی آئی تو اس نے گیتا کو مغموم پایا اور کہا "بنی جی پریشان مت ہو۔ وہ گدیلے کے کنارے بیٹھ گئی اور کہنے لگی کیا سیتا کو اسکول بھجوانے کا تمھارا فیصلہ اٹل ہے؟ تو میں تمھیں ایک ترکیب بتاتی ہوں۔ تمھیں اس کے بارے میں باری جی جی کو کچھ نہیں کہنا چاہیئے تھا۔ میں تمھیں کئی بار تاکید کر چکی ہوں خیر جانے دو تمھارے اس ارادے کی تکمیل کے لیے کافی وقت باقی ہے۔" گیتا کے ہونٹوں پر روکھی سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

بنی جی تمھارے سسر جی ایک فراخ دل انسان ہیں۔ تم اپنی خواہش کا اظہار ان سے کر دو۔ انھیں کسی کا خوف نہیں۔ تم خوش قسمت ہو کہ کنورانی سہ یہاں موجود نہیں ہیں۔ لکشمی کی اس حرکت کے بعد وہ اس کی لڑکی کا پورا پورا خیال رکھے گی۔ گیتا نے پوچھا "کنور سہ سے جب میں بات چیت ہی نہیں کر سکتی تو میں کیوں کر ان کی اجازت مانگ سکتی ہوں؟

لیکن اس سے پہلے بھی تو تم اپنے خیالات کا اظہار کر چکی ہو تمھیں یاد ہوگا کہ جب تم اپنے میکہ جانا چاہتی تھیں تو کنورانی سہ نے اس لیے اجازت نہ دی تھی کیونکہ وہ دیوالی کے دن تھے یاد کرو کہ کس نے تمھاری اس خواہش کا اظہار کنور سہ سے کیا تھا۔ دھاپو نے جب یہ کہا تو اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ لو غور سے سنو۔ کنور سہ جب بھوجن کے لیے بیٹھیں گے تو میں ان سے کہہ دوں گی کہ تم ان سے کچھ صلاح لینی چاہتی ہو۔ اس وقت تم مجھ کو بتلانا کہ تم کیا کرنا چاہتی ہو میں انھیں اس کی اطلاع دے دوں گی جیسے کہ میں نے پچھلی بار بھی کہا تھا۔ کنور سہ ٹھیک ہی فیصلہ کریں گے چلو اب تو مسکراؤ اور چڑچڑاہٹ چھوڑ دو یہ کہتے ہوئے دھاپو مطمئن ہو کر گیتا کے ساتھ اٹھ کھڑی ہو گئی۔

دھاپو نے گدیلے پر پڑا ہوا لحاف صاف کیا چلمن ایک طرف ہٹا دیا اور گیتا کے ہمراہ کمرہ سے باہر نکل پڑی۔ گوکل نے کھیالی سے کہہ دیا کہ مالک بھوجن کے لیے آرہے ہیں۔

بھگوت سنگھ جس زنانہ آنگن میں چلے آئے وہ کلف دار سفید قمیص اور ڈھیلی ڈھالی سفید پتلون پہنے ہوئے تھے۔ ان کا قد اونچا تھا اور ان کا قوی بدن بھورے رنگ کی شال میں لپٹا ہوا تھا۔ گیتا نوکرانیوں کے پیچھے اپنا سر جھکائے اور ہاتھ جوڑے ہوئے کھڑی تھی۔ اور ان کے آنے کی آہٹ سن کر ان کے قدموں کے روبرو دالی زمین پر اپنا ماتھا ٹیک دیا۔ وہ ایک سیدھے سادے شائستہ انسان تھے جنھیں دیکھ کر دوسرے انسانوں کے دل میں جذبہ احترام پیدا ہوجاتا ہے۔ ان کی اس ناآشنا مزاجی سے ایک عجیب و غریب آسائش کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ ان کی موجودگی میں لوگ دبے دبے سے رہتے تھے۔ ان کی شخصیت میں خلوت نشینی کی خصوصیات تھیں جو کسی قسم کی بدتمیزی برداشت نہیں کرسکتی تھی۔

کچھ دیر تک وہ نوکرانیوں سے بات کرتے رہے اور ان کے بچّوں کے بارے میں دریافت کررہے تھے۔ اس کے بعد وہ زنانہ دیوان خانہ میں چلے گئے۔ جب وہ بات چیت میں لگے ہوئے تھے تو دھاپو نے گیتا کو کہنی سے دھکہ دیا۔ وہ سمجھ گئی کہ اب اس کو بازو والے کمرہ میں جاکر انتظار کرنا ہوگا۔

گوکل نے مالک کے روبرو ایک چھوٹی سی نقش و نگار کی رنگ برنگی چارپائی رکھ دی ان سے تھوڑے فاصلہ پر پاری فرش پر بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ پلو سے ڈھکا تھا۔ گوکل نے چاندی کی ایک تھالی اس چارپائی پر رکھ دی پاری نے ہر ایک کٹوری پر نظر ڈالی وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ رسوئیا نے سبزیوں میں گھی ٹھیک ڈالا ہے یا نہیں۔

پاری نے کہا مالک کنورانی جب یہاں نہیں ہوتیں تو کھانا اتنا ذائقہ دار تو نہیں ہوتا۔

پاری یہ تو بہت زیادہ ہے۔ میں اتنا کچھ تو نہیں کھا سکتا۔ بھگوت سنگھ جی نے یہ کہتے ہوئے تھالی سے ایک کٹوری اٹھائی اور دوسری چارپائی پر رکھ دی۔ یہ کچھ زیادہ تو نہیں ہے مالک" بنی جی نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے تمھیں

بھی کچھ چکھنا پڑے گا۔ پاری نے پھر سے وہ کٹوری تھالی میں رکھ دی۔
"کیسی ہیں بنی جی؟
وہ ٹھیک سے ہیں مالک؟ بھگوت سنگھ جی جب کھانے میں مصروف تھے تو پاری باتوں میں لگ گئی۔ اس نے ان کے سالے کی صحت کے بارے میں بتلایا اور دوسری حویلیوں کے حالات سے بھی آگاہ کیا۔ اس نے بتلایا کہ جیون نواس کے منیم جی کے یہاں لڑکا ہوا ہے۔ بھگوت سنگھ جی یہ سب باتیں بغور سنتے رہے دیگر حویلیوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا جاتا ہے اس کے بارے میں وہ پاری سے جانکاری حاصل کرتے تھے۔

"پاری مجھے امید ہے کہ بنی جی تنہائی تو محسوس نہیں کرتی ہوں گی اس بڑے گھر میں کبھی کبھی اس جیسی عورت کو گھٹن تو محسوس ہوتی ہو گی۔ ابھی تو اس کی ساس اور ابجے دونوں ہی حویلی سے باہر ہیں تم اس کا خیال بخوبی تو رکھتی ہو گی ان کے ان الفاظ میں ہمدردی کا اظہار تھا۔ گیتا نے دروازے کے پیچھے سے جب ان کی یہ بات سنی تو اس کے دل میں محبت کی لہر سی ابھر آئی وہ سسر جی سے اپنا جذبۂ محبت اور قدردانی کا اظہار کرنا چاہتی تھی لیکن حویلی کی ان قدیم روایات نے اس کی خواہشوں پر پانی پھیر دیا۔ وہ ان مراسم کو حقیر سمجھنے لگی۔ جو ایک بہو اپنے سسر جی سے آزادی سے بات کرنے کو ممنوع قرار دے رکھا تھا۔ سات سال گزر جانے پر بھی میں یہاں ہمیشہ اجنبی ہی بنی رہوں گی۔ عالم مایوسی میں وہ یہ سوچنے لگی۔
پاری نہیں میں ایک اور روٹی نہیں کھا سکتا۔ یہ سب وزنی غذائیں مجھ سے ہضم نہ ہو سکیں گی تم شاید بھول گئی ہو کہ میں اب بوڑھا ہو چلا ہوں بھگوت سنگھ جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔
رسوئی گھر میں کھیالی کا ہاتھ بٹانے کے بعد دھاپو گیتا کے قریب آ بیٹھی۔ بات کرنے کا وہی تو وقت تھا۔ بھگوت سنگھ جی یہاں سے اٹھنے ہی والے تھے۔
مالک بنی جی آپ سے کچھ صلاح کرنا چاہتی ہیں دھاپو نے اپنی دبی ہوئی آواز میں کہتے ہوئے نصف کھلے ہوئے دروازہ کے قریب آ گئی۔ بھگوت سنگھ جی نے چارپائی ہٹا دی اور نوکرانی کی بات سننے کے لیے منتظر تھے۔" مالک بنی جی آپ

سے پوچھنا چاہتی ہیں کہ سیتا کو اسکول بھیجنے لگے جو بے حرکت وساکت ان کے روبرو بیٹھی ہوئی تھی۔ گویا کہ اس کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور جب خاندان کے افراد آپس میں کوئی بات چیت کرتے ہوں تو اس میں خلل اندازی کرنے کا اس کو حق حاصل نہ تھا۔

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بھگوت سنگھ جی آگے کی طرف جھکتے ہوئے کہنے لگے تعلیم حاصل کرنا بہت اچھا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اودے پور میں لڑکیاں اسکول نہیں جایا کرتیں۔ پڑھی لکھی لڑکیوں سے شادی کرنے پر یہاں کے لوگ ڈرتے ہیں۔ لیکن پاری زمانہ بدلتا جارہا ہے۔ وہ پاری کو بغور دیکھتے ہوئے کہنے لگتے آخر گلیوں میں کھیل کودنے سے اسکول جانا تو بہتر ہے۔ تھوڑے وقفہ کے بعد انھوں نے کہا ہمیں اس پر غور کرنا چاہیئے۔ یہ ایک اہم بات ہے۔ جس پر ہمیں فیصلہ کرنا ہے اور ہمیں اس میں کوئی جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔ بھگوت سنگھ جی کھڑے ہوئے اور کہتے سیتا کی ذمہ داری تو ہمیں پر ہے۔

آنگن سے سسر جی کے چلے جانے تک گیتا ایک طرف کھڑی رہی۔ اس کی آنکھوں میں پیار اور شکر گزاری کے آنسو امڈ آئے۔ ان کی سادہ مزاجی میں کتنی خوبیاں پنہاں تھیں۔

میں نے تم سے کہا تھا نہ دھاپو نے گیتا کی طرف دیکھتے ہوئے فاتحانہ انداز میں کہا۔ جب تم حویلی میں آئی تھیں تو میں نے پہلے دن ہی تنبیہ کی تھی کہ اس حویلی کی عورتوں سے بحث مت کیا کرو، ہم سب گھٹیا لوگ ہیں مرد لوگ تو فراخدل ہوتے ہیں اور سمجھ بوجھ رکھتے ہیں وہ ہماری اس چھوٹی سی دنیا سے بہت دور کی سوچتے ہیں چلو اور اب خوشیاں مناؤ۔ تمھارا دکھی چہرہ دیکھ کر میں اپنا آدھا لڈو چھوڑ آئی ہوں سارا لڈو تو مجھ سے کھایا نہ گیا، وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

لیکن بائی بھابھی تو مجھ پر خفا ہو گی گیتا نے خوفزدہ ہو کر کہا۔ وہ کیوں خفا ہوں گی ؟ کیا تم نے سونا چرایا ہے لیکن یقیناً وہ خوش نہیں ہوں گی انھیں تو مزید اخراجات کا فوراً خیال آئے گا۔ لیکن اس کے لیے تم پریشان مت ہو، یہ تو اس کی عادت ہے کوئی کسی کی فطرت تو نہیں بدل سکتا دھاپو نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

آنگن پار کر کے گیتا اپنے کمرہ کی طرف جانے لگی۔ دھاپو کی اس یقین دہانی سے وہ مطمئن نہیں تھی۔ وہ پاری سے بھی خوف زدہ تھی کہ وہ اس کے بارے میں کیا سوچے گی۔

آنگن میں خاموشی تھی۔ برآمدہ میں بھی کسی کی کھسر پھسر سنائی نہیں دی۔ سرجو جا چکی تھی۔ نوکرانیاں اور ان کے بچّے تو بھگوان سنگھ کی پتنی کو گھیرے ہوئے تھے۔

تیسرا باب

حویلی کے کمروں کو قدرے گرم رکھنا دشوار تھا۔ کچھ کمرے تو کشادہ اور ہوادار تھے اور کچھ تو بہت ہی تنگ تاریک اور مرطوب تھے۔ گیتا نے اپنے کمرہ کی چھوٹی سی کھڑکی کھولی تاکہ تازہ ہوا اور سورج کی روشنی کمرہ میں داخل ہو سکے اس کی نظر چھت کے کونے پر جا پڑی جہاں شہد کی مکھیوں کا چھتہ بنا ہوا تھا۔ شہد کے زیادہ جمع ہو جانے سے یہ چھتہ بھاری نظر آرہا تھا۔ حویلی کے پیچھے سے کبوتروں کی غٹرغوں کی آواز آرہی تھی۔ نیچے گلی میں عورتیں اپنے سروں پر گاگر لیے ہوئے سبک رفتاری سے گزر رہی تھیں۔ پھیری والے دھندہ شروع کرنے سے پہلے اپنی اپنی گاڑیوں میں سامان آراستہ کر رہے تھے۔ گیتا جو اپنے لمبے اور سیاہ بالوں میں کنگھا کر رہی تھی وہ یوں ہی کھڑکی نیچے کا نظارہ دیکھ رہی تھی اپنی ساس کے غیر موجودگی کے احساس نے اس کو لاپرواہ بنا دیا تھا۔ اس نے نیچے رسوئی گھر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہاں اس کی غیر موجودگی سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیوں کہ پاری روزمرہ کی ضروریات بھنڈا سے نکال دیا کرتی اور کھیالی اپنی مرضی کے مطابق اپنا کام کر دیتا جیسے ہی وہ کھڑکی سے پرے ہٹنے لگی تو اس کو قریب کے کمرہ سے وجے کی چیخ سنائی دی۔ وہ اسکول کی وردی پہننے سے پہلے ضرور گڑبڑ کیا کرتی آخر سیتا کے اسکول جانے پر نوکرانیوں نے جو اعتراضات کیے تھے وہ ٹھیک ہی نکلے صبح وجے کو تیار کروانے کے لیے دو نوکرانیاں درکار تھیں۔ اب کون بھلا سیتا کو ٹھیک وقت پر تیار کروائے گا؟

گیتا سوچنے لگی مجھے گیتا کے حالات میں دخل نہیں دینا چاہیئے تھا۔
سیتا دوسرے بچوں کے ساتھ آنگن میں خوشی خوشی کھیل رہی تھی دوسری نوکرانیوں کی لڑکیوں کی طرح اس کا بیاہ بھی ہو جاتا۔ میں نے اب اس کی زندگی کا رُخ بدل دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بذاتِ خود میں بھی اس کا شکار بن چکی ہوں۔
عالم بیتابی میں اس نے جو قدم اٹھایا ہے اس پر وہ افسردہ ہو گئی۔ پاری کا وہ پیار اور شفقت بھرا چہرہ اس کے ذہن میں آیا جب کہ اس نے کہا تھا "سیتا کی زندگی میں مخل نہ ہو۔ اس کو کسی حویلی کا سہارا تو نہیں ہے۔ ہمیں تو اس کی آبرو پر نظر رکھنی چاہیئے۔"
پاری نے ٹھیک ہی تو کہا تھا۔ گیتا یہ سوچتے ہوئے کھڑکی سے پرے ہٹ گئی سیتا اگر اسکول جانے لگے تو اس کے ذہن میں غلط تصورات پیدا ہوں گے وہ اپنے آپ کو اہم سمجھنے لگے گی اور اس کا یہ رویہ نوکرانیوں کو ناگوار لگے گا۔ آخر انہی لوگوں نے تو سیتا کو کئی برسوں سے جاڑے کی راتوں میں گرم رکھا انھوں نے ہی تو اپنے حصّہ کی لذیذ غذائیں اس کو کھلائیں جب وہ چیختی چلاتی تو اس کو تسکین دیا کرتی اور جب وہ بیمار ہوئیں تو اس کی تیمارداری بھی انھوں نے کی۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا کیوں کہ وہ سمجھنے لگی تھیں کہ سیتا اپنوں میں ہی سے ہے۔ انہی کی محنتوں کی وجہ سے سیتا کو اپنی ماں کی غیر موجودگی کا کبھی احساس نہیں ہوا ان کے پیار و محبت کو گیتا نے پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا اور اس کی حیثیت ایک تماشائی جیسی تھی۔ جس کو سیتا کے حالاتِ زندگی سے کوئی سروکار نہ تھا اور جب سیتا اسکول جانے لگے گی تو وہ بالکل بدل جائے گی نوکرانیوں کو گویا ناگوار لگے گا اور جو پیار و محبت وہ اب سیتا پر نچھاور کر رہی ہیں وہ بذاتِ خود اس کا نعم البدل نہیں بن سکتی۔
میں نے کتنی بھاری غلطی کی ہے گیتا سوچنے لگی۔ قریب کے کمرہ سے زور و شور کی آوازیں آنے لگیں۔ لیکن گیتا اپنی چٹیا گوندھنے میں لگی رہی اور چرچراہٹ سے دروازہ کھلنے کی آواز اس کو سنائی نہیں دی۔
چمپا نے مودبانہ انداز میں کہا " بنی جی، پاری جی کہہ رہی ہیں کہ ابھی ہمیں

گوپال سنگھ جی کی حویلی چلنا چاہیے۔ گیتا اب تصوراتی دنیا سے باہر آ چکی تھی۔ وہ اپنے خیالوں میں اتنی کھو چکی تھی کہ اس کو یاد نہ رہا کہ اس کو اپنی ساس سے ملاقات کے لیے جانا ہے۔ اس نے جلدی سے چٹیا گوندھ لی چمپا نے الماری سے سبز رنگ کی کلف دار ساڑی نکالی اور اس کے سامنے رکھ دی۔

"بھابھی سیتا کب اسکول جائے گی دجے نے کمرہ میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا اس کا بھائی قریب میں کھڑا ہوا مسکرا رہا تھا۔ گیتا نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا وہ اپنی ساڑی کی سلوٹیں ٹھیک کرنے میں مصروف تھی۔" بھابھی سیتا اسکول کب جائے گی دجے چلانے لگی جب اس کو کوئی جواب نہیں ملا تو وہ طیش میں آ کر کمرہ سے باہر نکل گئی۔ پاری اپنے کاندھوں پر پھٹی ہوئی شال ڈالے ہوئے رسوئی گھر کے برآمدہ کے ایک کونے میں اپنی جگہ بیٹھی ہوئی تھی اور جب گیتا نے اس کے پیر چھوئے تو اس نے کہا "بھگوان کرے کہ پتی پتنی کی یہ جوڑی سو سال سلامت رہے۔ اس کے اس اظہار میں نہ کوئی کینہ تھا اور نہ اس کی محبت بھری نگاہیں جو گیتا پر لگی تھیں اس میں کوئی جذبہ کار فرما تھا۔

وہ آہستہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے گیتا کی سبز رنگ کی ساڑی ٹھیک کی اور اپنی چھوٹی مالکن کا چہرہ ساڑی سے ڈھانپ دیا اور کہا "چلو، اب چلیں۔"

موٹر کار دھیرے سے چلنے لگی کیوں کہ گلی تنگ تھی اور لوگوں کی بھیڑ بھاڑ کچھ زیادہ گوپال سنگھ جی کی حویلی فصیل شہر کے دور افتادہ علاقہ میں واقع تھی اور وہاں تک پہنچنے کے لیے شہر کے بازار سے گزرتے ہوئے بڑی سڑک کا راستہ طے کرنا پڑتا تھا۔ شہر کی چہل پہل دیکھ کر گیتا، سیتا کو بھول بیٹھی اس کو ایک پھیری والے کی بلند آواز سنائی دی۔ جو چھوٹی سی گھنٹی بجاتے ہوئے اپنی گاڑی دھکیل رہا تھا۔ پیتل نیا چاہیے یا پرانا۔ جلدی جلدی آؤ ورنہ سب ختم ہو جائے گا۔"

ہیرا لال نے ہارن تو بجایا لیکن وہ پھیری والا سڑک کے بیچوں بیچ کھڑے ہوئے چیخ رہا تھا۔ ٹوٹے پھوٹے برتن لے آؤ اور اس کے بدلے میں نئے برتن لے جاؤ۔ اس پھیری والے کے بازو والی گلی میں مڑنے تک موٹر کار کی رفتار

سست پڑ گئی۔

گلی کے نکڑ پر غبارہ والا چیخ رہا تھا۔ "آؤ بچو امیر ہو یا غریب سب کے سب آؤ اور اپنی اپنی پسند کا لے جاؤ۔ سبھی رنگوں کے غبارے ہیں۔ صرف دو آنے میں آئے ہیں۔ یہاں زیادہ دیر تک تو نہیں ٹھہروں گا۔" گلیاں بائیسکل رکشائیں، بیل گاڑیاں اور تانگوں سے کھچا کھچ بھری تھیں۔ پیدل چلنے والوں کا ہجوم تھا۔ ہر ایک اتنی تیزی سے اپنی راہ چل رہا تھا گویا کوئی دوسرا اس کا راستہ روک رہا ہو۔

گیتا نے ان دیہاتی عورتوں کو دیکھا جو اپنے سروں پر سبزی کی ٹوکریاں رکھے گزر رہی تھیں۔ ان کے چہروں پر گھونگھٹ نہیں پڑا تھا۔ یہ اونچی اور دُبلی پتلی عورتیں، جن کے ہاتھوں میں لکڑی کی روغنی چوڑیاں اور پیروں میں چاندی کی پائلیں تھیں۔ اس بھیڑ بھاڑ کو نظر انداز کرتے ہوئے تیز رفتاری سے اپنی راہ چل رہی تھیں۔ ان کے وزنی گھاگھرے ہوا میں لہرانے لگے جب کہ وہ چیخنے لگیں۔ "تازہ پیاز آٹھ آنے کلو صرف آٹھ آنے ایک کلو کھیت کا تازہ اور میٹھا بھٹہ چار آنے ایک کلو۔ لوبیا اور پھول گوبھی چھ آنے ایک کلو۔"

گیتا نے راستہ بھر میں دیکھا کہ نائی سڑکوں پر لوگوں کی حجامت بنا رہے ہیں۔ چمار چمڑے کی جوتیاں ہتوڑیوں سے ٹھوک رہے ہیں اور ننھے منے بچے جوتیاں پالش کرنے کے لیے راہگیروں کو رجھا رہے ہیں۔

موٹر کار اس مقام سے گزر گئی جہاں تانگہ والے سواری کے لیے منتظر کھڑے تھے۔ یہاں پر پیشاب کی نالیاں بہہ رہی تھیں اور گھوڑے ہری گھاس چبا رہے تھے۔ ایک بیل گاڑی کے سڑک پار کرنے کی وجہ سے ہیرالال کو کار روکنی پڑی۔ گاڑی بان اپنی چھوٹی سی چھڑی سے بیلوں کی پسلیوں کو ڈسنے لگا۔ وہ ان بیلوں کو گالیاں دیتے ہوئے ان کی دُم مروڑنے لگا لیکن ان بیلوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اس نے دھیرے دھیرے ہی سڑک پار کی۔

کپڑوں کی دکانوں میں سبز سرخ اور زرد رنگ کی ساڑیاں جو چھت سے ٹنگی تھیں وہ لہرا رہی تھیں۔ دکانوں کے باہر مرد اور عورتیں لکڑی کی تپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دُکان داروں سے سودا بازی کر رہے تھے۔

موٹر کی رفتار جب سست ہوئی تو گیتا نے ان گاہکوں کو دیکھا جو اشتیاق بھری نگاہوں سے اس کار کو دیکھ رہے تھے ان کی اس انفرادی آزادی پر اس کو رشک ہونے لگا۔ بیسیوں رنگ برنگی اور وضع قطع کی ساڑیوں میں انھیں اپنی اپنی پسند کی ساڑیاں خریدنے کی مکمل آزادی تھی۔ لیکن گیتا کو تو انہی ساڑیوں میں سے کچھ پسند کرنا تھا۔ جو منیم گھر لے آتا تھا۔ گیتا نے چند بچوں کو دیکھا جو بھیڑ بھاڑ کو چیرتے ہوئے مونگ پھلی بیچنے والے کے قریب کھڑے تھے ان بچوں کی ہنسی خوشی میں شریک ہونے کا اس میں اشتیاق پیدا ہوا۔

ہیرالال کو اودے پور کی گلیوں میں کار چلانے کا تیس برس سے تجربہ تھا اور وہ ان گلیوں میں کار چلانے کے خطرہ سے بخوبی واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ چھوٹے بچے نالیوں میں پیشاب کر کے تیزی سے گلی پار کرتے تھے اس کی اس حرکتوں پر اس کو حیرت نہ ہوتی تھی اور جب پھیری والوں پر ہارن کی آواز کا کوئی اثر نہ پڑتا تو وہ صبر کر لیتا وہ موٹر چلانے والے پہیہ کے پیچھے سکون سے بیٹھا کرتا اور جن راہگیروں سے اس کی جان پہچان تھی انھیں دیکھ کر اپنا سر ہلا دیتا۔

شہر کے وسط میں گھنٹہ گھر کے قریب جب کار پہنچی تو ہیرالال نے ایک دکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ دکان حویلی کے سنار کی ہے۔ گیتا نے اس کے تیار کیے ہوئے زیورات تو دیکھے تھے لیکن اس کی دکان نہیں دیکھی تھی۔ گلی کے آخری حصہ میں سناروں اور صرافوں کی چھوٹی چھوٹی دکانیں لگی تھیں۔ ان کے روبرو روپیہ، آنے اور چار آنے کے سکوں کے ڈھیر قرینے سے لگے ہوئے تھے۔ دیہاتی لوگ جو شہر آیا کرتے تھے۔ ان سے یہ دکانیں بھری رہتی تھیں یہ دیہاتی عورتیں سرخ ساڑیاں چھاپہ دار ساڑیاں اور گھاگھرے پہنا کرتی تھیں۔ ان کے ہمراہ دبلے پتلے اور نیم برہنہ بچے رہتے۔ جو اپنی ماؤں سے چمٹے ہوئے رہتے۔

ان دیہاتی مردوں کی نظر ترازو پر لگی رہتی جو چاندی کی چوڑیاں خریدنا چاہتے تھے۔ عورتیں جب اپنے ہاتھوں میں کنگن اٹھائے ہوئے اس کو دیکھا کرتیں تو ان کے چہرے خوشی سے دمک اٹھتے۔

گیتا نے دیکھا کہ خوشی کے مارے ان عورتوں کی آنکھیں کسی طرح چمکنے لگی ہیں لیکن حویلی کی عورتیں تو اپنے سونے کے زیورات کو حریفانہ نظروں سے دیکھا کرتی تھیں اور وہ اپنے زیورات کو چھپائے رکھنا اور اس کے بارے میں سوچ بچار کرنا ہی جانتی تھیں۔ وہ ان سے کبھی مطمئن نہیں تھیں کیوں کہ کسی دوسری حویلی میں کسی اور کے یہاں ان سے کچھ زیادہ ہی ہوگا۔ گیتا کو ان دیہاتی عورتوں پر رشک آیا جو خوشی خوشی ان دکانوں سے نئے لنگن خرید کر کے اپنے ہاتھوں میں ڈالے ہوئے تھیں اور اپنی اپنی گھڑیاں بغل میں دبائے وہاں سے چل پڑی تھیں۔

بازاروں کے یہ دل کش نظارے اس کا دل لبھانے لگے وہ چاہتی تھی کہ ڈرائیور اپنی گاڑی یوں ہی چلاتا رہے، وقت ٹھہر جائے اور سسرال والوں سے اس کی ملاقات لامتعینہ وقفہ تک ملتوی ہو جائے۔ گلیوں میں آزادی سے گھومتی پھرتی عورتوں کو۔ جو مسرتیں حاصل تھیں وہ حویلی کی اونچی دیواروں کے پیچھے رہنے والی عورتوں کو میسر نہ تھیں ان کی حالت تو ان سجی سجائی گڑیلوں کے موافق تھی جو کسی کٹھ پتلیوں کی نمائش میں کانچ کے ڈبے میں رکھی جاتی ہیں۔

کار یکایک ایک بند گلی میں داخل ہوئی۔ بازاروں کا شور و غل دھیما پڑ گیا۔ ہیرا لال نے گاڑی کا رُخ موڑا یہ گلی اتنی تنگ تھی کہ وہاں صرف ایک ہی کار گزر سکتی تھی۔ یہاں تک کہ سیکل سواروں کو بھی نیچے اتر کر راستہ طے کرنا پڑتا تھا راہگیر بمشکل ایک قطار میں کار کو چھوتے ہوئے گلی سے گزر رہے تھے اس گلی کے دونوں طرف کھلی نالیوں میں زرد کیچڑ جمع ہوا تھا۔ اور ان گندی نالیوں کے پیچھے شکستہ مکانوں کی لمبی قطاریں لگی تھیں جو مرمت کی محتاج تھیں۔ چند مکانوں کے دروازے ٹوٹے ہوئے تھے اور چند مکانوں کی دیواروں کے کئی حصوں کی سفیدی جا چکی تھی۔ یہ کچی سڑک کوڑا کچرا سے بھری ہوئی تھی جو عورتیں اپنے دریچوں سے باہر پھینکا کرتی تھیں۔ کوڑے کچرے کے ان ڈھیروں کو سونگھتے ہوئے گائیں گھوم رہی تھیں اور کار ان کے روبرو کھڑی ہو جانے پر ہی وہ وہاں سے ہٹنے لگیں۔

گیتا کو پتہ نہ چلا کہ بھیڑ بھاڑ اب کم ہو چکی ہے اور کار گوپال سنگھ جی کی

حویلی کے ذاتی مندر سے گزر چکی ہے۔ وہ ابھی تک گلیوں کے رنگین نظاروں اور اپنے ہی خیالات میں کھوئی ہوئی تھی جب کہ کار آہستگی سے رک گئی بی جی۔ ہوشیاری سے قدم اٹھانا۔ کہیں پتھروں سے ٹھوکر نہ لگ جائے پاری نے یہ کہتے ہوئے کار کا دروازہ کھولا گیتا کے دونوں بازوؤں میں دو نوکرانیاں چل رہی تھیں یہ سب کی سب خاموش تھیں۔ بڑے گھرانے کی عورتیں گلیوں میں بات چیت نہیں کیا کرتیں۔ یہ تینوں عورتیں گوبر کے ڈھیر جو اس گلی میں تھے ان سے اپنا دامن بچاتے ہوئے وہ اپنی ناک بند کیے ہوئے پیشاب کے گڑھوں کو پار کیا تاکہ اس کی بدبو سے محفوظ رہ سکیں۔ گوپال سنگھ جی کی حویلی کے لکڑی کے بڑے نقاشی پھاٹک پہنچنے تک اس گندگی کی تیز بدبو ان تک پہنچتی رہی۔

جب جاگیردارانہ نظام بام عروج پر تھا تو حویلیوں کے مالک ہاتھیوں پر بیٹھے ہوئے پھاٹک سے گزرتے ہوئے آنگن کے وسیع اور کھلے احاطہ میں اتر پڑتے تھے اور اب تو ان در و دیواروں کے قریب گائے اور کتے لوٹتے ہیں باہر کے آنگن کے ایک کونہ میں جہاں کہ مویشیوں کا سائبان تھا وہاں سے باسی اور سڑی گھاس کی بو آرہی تھی۔ یہ عورتیں ایک بغلی گیٹ سے ہوتی ہوئی حویلی میں داخل ہوگئیں۔ ورنہ بڑے دروازے سے داخل ہونے کے لیے انھیں حویلی کا چکر لگانا پڑتا۔

حویلی کے پرانے نوکروں نے گیتا اور نوکرانیوں کا سواگت کیا۔ پاری ان کے ساتھ برآمدہ میں بیٹھ گئی اور ہانپنے لگی۔ زنانہ علاقہ تک لے جانے والی سیڑھیاں چڑھنے کی اس میں قوت نہ تھی۔ گیتا اس مستطیل کمرہ میں داخل ہوئی جو عورتوں سے بھرا ہوا تھا لیکن وہ سب غیر معمولی طور پر مدھم سی آواز میں سرگوشیاں کررہی تھیں۔

گیتا نے اپنی ساس کے پیر چھوئے اور جو اپنے بڑے سگے سنبدھیوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں وہ سوچ رہی تھی کہ گوپال سنگھ جی کی حالت نازک ہوگی۔ گیتا اپنی ساس کے قریب بیٹھ گئی اور آہستگی سے پوچھا بھابھی ماما سرا اب کیسے ہیں؟

ان کی صحت ویسے ہی ہے جیسے کہ ان کے ہم عمر والوں کی ہوا کرتی ہے۔

جوتشی نے کہا ہے کہ آنے والے دو دن ان کی حالت خراب رہے گی اس کے بعد یہ منحس ستارے ٹل جائیں گے دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے سنجیدگی سے کہا اس نے گہری سانس لیتے ہوئے پوچھا۔" حویلی کے حالات تو سب ٹھیک ہیں نہ تم کھیالی کا کوئی بھروسہ نہیں وہ چوری چھپے ہر کسی کو روٹیاں دے دیا کرتا ہے جب کہ کوئی اس کی یہ حرکت دیکھ نہ رہا ہو۔ ان دنوں اس طرح اصراف تو کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔

کاکی سہ تم ٹھیک کہتی ہو۔ ان دنوں کسی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک عورت جو اس کے بازو میں بیٹھی تھی اس نے اتفاق رائے کیا۔ تمھیں پتہ ہے کہ کچھ دن پہلے ایک تھالی بھر دودھ کی مٹھائی غائب ہوگئی میری کیا مجال کہ میں نوکروں کو کچھ کہوں ان کے سر جو چڑھے ہوئے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ ان کے بغیر ہمارا گزارہ دو بھر ہو جائے گا۔ وہ دن بیت چکے جب نوکر لوگ اپنے کو نوکر سمجھتے تھے۔ وہ تو اب گستاخ اور بدتمیز ہو چکے ہیں۔ وہ عورت اظہار غمزدگی میں کہنے لگی۔

گیتا کو جب پتہ چلا کہ اس کے چچا سسر کی حالت اتنی نازک تو نہیں ہے تو اس کو اطمینان ہوا اس کی چالاک آنکھیں ململ کی ساڑی میں سے جھانک رہی تھیں اس کو کسی ہم عمر عورت کی تلاش تھی جو اس کے قریب میں بیٹھی ہو۔ یہاں پر کسی کی شناخت کرنا دشوار تھا یہاں پر سب عورتیں اپنا سر جھکائے اور گھونگھٹ ڈالے ہوئے ایک جیسی لگ رہی تھیں وہ اپنی ساس سے کہیں دور جا کر بیٹھنا چاہتی تھی۔ گیتا جانتی تھی کہ پاری سے اس کی نونک جھونک ہوئی تھی اس کی خبر اس کی ساس تک پہنچ چکی ہوگی اور اس کے بارے میں وہ گیتا سے پوچھ تاچھ ضرور کرے گی۔ وہ دوسروں کے رو برو اپنی رسوائی نہیں چاہتی تھی۔ آخر کار گیتا کو ان رنگ برنگی اور مہین گھونگھٹوں میں چند شناسا چہرے دکھائی دیئے اور موقعہ پاتے ہی وہ ان کے ساتھ جا بیٹھی۔

جوں ہی گیتا ان کے قریب بیٹھی تو ایک لڑکی نے پوچھا تم کیوں ان سب بڑی بوڑھی عورتوں کے ساتھ جا بیٹھی، تو اور کیا کرتی میری ساس جو وہاں موجود تھی گیتا نے اپنی مدھم آواز میں کہا تو تم نے آخر ہمارے رہن سہن کے طریقے سیکھ لیے

تمھیں یاد ہوگا کہ بڑوں کی موجودگی میں ہمارا تم سے بات نہ کرنے پر تم نے ہماری ہنسی اڑائی تھی۔ اس لڑکی نے گیتا کو کہنی سے دھکا لگاتے ہوئے کہا۔

ایک اور لڑکی جمائی لیتے ہوئے کہنے لگی۔ " نہ جانے ہمیں یہاں سے چلنے کی اجازت کب ملے گی میں صبح سویرے سے یہاں بیٹھی ہوں اور اب تک تو بچے اسکول سے واپس آگئے ہوں گے۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ آدھے گھنٹے میں واپس آجاؤں گی۔ لیکن حسب معمول میری ساس یہاں باتوں میں لگی بیٹھی رہی تو کیا مجھے اپنے بچوں کا خیال نہیں آئے گا۔

کیا گوپال سنگھ جی ماماسہ کی حالت اتنی خراب ہے ؟ گیتا نے حیرت زدگی سے پوچھا کیوں کہ کوئی بھی اس کے بارے میں کچھ نہ بتا رہا تھا لیکن انھیں کی علالت کی وجہ سے تو وہ سب یہاں اکٹھا ہوئی تھیں۔

" چپ رہو۔ تمھیں اس طرح کے بیہودہ سوالات نہیں کرنے چاہئیں بیشک وہ علیل ہیں۔ وہ کچھ آگے کی طرف جھکی اور مسکرانے لگی گیتا کو کچھ عجیب سا لگا کہ جب مریض کی حالت اتنی نازک نہیں ہے تو یہ تمام عورتیں یہاں کیوں کر ٹھہری ہوئی ہیں۔ کیا انھیں اپنا کام کاج چھوڑ کر اتنی صبح یہاں بیٹھے گییں ہانکنا پسند ہے۔ مالکن ان سبھی افراد سے ملاقات کرتی رہیں جو انھیں تسکین دینے کے لیے یہاں آئے ہوئے تھے۔

تم کب آئیں ؟ میں نے تمھیں آتے ہوئے نہیں دیکھا۔ میری بصارت تو دن بہ دن کم ہوتی جا رہی ہے۔ گیتا کو اپنی پھوپھی ساس نندو بواسہ کی اکتا دینے والی آواز پیچھے سے سنائی دی۔ نوجوان لڑکیوں نے شرم سے اپنا سر نیچے جھکا دیا۔

نندو بواسہ بھگوت سنگھ جی کی بہن تھیں۔ وہ دبلی پتلی سی سنگ دل عورت تھی۔ اس کے چہرے پر ہمیشہ خفگی کے آثار نمایاں رہتے۔ اس کی ناک اور بھنویں چڑھی رہتیں اور اس کے مضطرب ہونٹ پھڑکتے رہتے۔ اس کی تیز نگاہیں ہر ایک پر لگی رہتیں تاکہ اس کو ان کے جذبات کا صحیح اندازہ لگ سکے البتہ گیتا کو پتہ تھا کہ درحقیقت وہ ایک رحم دل انسان ہے۔ دو سال قبل اس کے پتی کی موت واقع

ہوئی تھی اور بیوہ ہونے کے قبل اس کو زیورات اور شوخ رنگ بہت بھاتے تھے۔
اس کی موجودگی میں گیتا کو اپنا لباس نیم برہنہ سا لگتا تھا۔ اس کی پھوپھی ساس
اپنے گہنے اور اطلسی گھاگھرا اس امتیازی شان سے پہنا کرتی جس پر اس کو آدھی
سے کم عمر والیوں کو رشک آنے لگا تھا اور ابھی بھی وہ کلف دار اور استری لگی ہوئی
سیاہ رنگ کی ساڑی پہنا کرتی ہے۔

بنی جی مجھے کب تمھارے ہاتھوں سے بنا ہوا بھوجن ملے گا۔ گیتا کا چہرہ
دیکھنے کے لیے اس نے اس کے سر پر سے پلو ہٹاتے ہوئے کہا۔ گیتا نے اپنا
سر نیچے کر لیا۔

میری لاڈو تمھیں دیکھ کر کون یہ کہہ سکتا ہے کہ تم ہم میں سے نہیں ہو۔ تم تو اب
اصلی راجستھانی بن چکی ہو۔ اس کی پھوپھی ساس نے شفقت بھرے اور فخریہ انداز
میں کہا لیکن تمھارا یہ رنگ اتنا سیاہ کیوں ہو چکا ہے؟ جب تم یہاں آئی تھیں
تو خوش رنگ تھیں۔ تمھیں کیا پریشانی ہے کہ تم اس طرح سیاہ لگ رہی ہو۔ تم ہی تو
حویلی کی اکلوتی بہو ہو اور تمھیں جو ساس ملی ہے وہ تو ہیرا ہے پھر اس سے بڑھ کر
تمھیں اور کیا چاہیے؟

"ہاں۔ حویلی میں جو کچھ ہے وہ سب تمھارا ہی تو ہے اور بھگوان نے تمھیں
ایک لڑکا دیا ہے اور اس کے آشیرواد سے تمھارے کئی اور لڑکے ہوں گے۔ کسی
دوسری عورت نے کہا۔

بنی جی تھوڑا قریب آؤ۔ نندو بواسہ نے کہا۔ اس نے اپنی مدھم آواز میں
پوچھا کیا یہ سچ ہے کہ تم سیتا کو اسکول بھیج رہی ہو؟

" بنی جی کو کیا حق ہے کہ وہ اس بات کا فیصلہ کرے بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے
قریب آتے ہوئے کہا۔ کچھ دنوں سے تو میرے پتی نوکروں کے بچّوں کو اسکول
بھجوانے کے بارے میں سوچ رہے ہیں یہاں تک کہ لڑکیوں کو بھی۔ تم تو جانتی ہو
کہ اب حویلیوں میں نوکروں کے بچّوں کو ملازم نہیں رکھا جا سکتا حالات بدل چکے
ہیں اور ہمیں ان کے مستقبل پر نظر رکھنی چاہیے۔ وہ اتنی عجلت سے یہ سب کچھ
کہے جا رہی تھی گویا وہ کوئی غیر پسندیدہ حرکت کی پردہ پوشی کر رہی ہو۔ وہ چاہتی تھی

کہ کسی پر یہ ظاہر نہ ہو کہ بغیر اس سے صلاح و مشورہ کیے۔ گیتا کو کوئی فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے۔

" تم نے ٹھیک ہی کہا ان دونوں نوکروں اور ساتھ ساتھ ان کے بچوں کو کون دانہ پانی دے سکتا ہے۔ پرانے زمانے میں نوکر لوگ تو لوبیا اور سوکھی روٹیوں سے مطمئن ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن آج کل تو وہ روٹیوں پر گھی اور چائے میں چینی چاہتے ہیں۔ شاید وہ نہیں جانتے کہ اب حویلیوں میں اتنا دھن تو نہیں ہے۔ ایک دوسری عورت اس پر اتفاق کرتے ہوئے اپنا سر ہلانے لگی۔

" گیتا سر جھکائے ہوئے یہ سب کچھ سن رہی تھی کمرہ میں گرمی رہنے کے باوجود وہ اپنے بدن میں ٹھنڈک محسوس کر رہی تھی ان سب بوڑھی عورتوں کی گزشتہ زندگی میں یکسانیت تھی۔ انھوں نے جاگیردارانہ جاہ و جلال دیکھا تھا۔ کوئی کچھ زیادہ تو کوئی کچھ کم وہ قدیم مہارانوں کو پوجا کرتی تھیں۔ ان کے ذہن میں یاد ماضی کے نقوش باقی تھے وہ جانتی تھیں کہ انھیں اپنے محبوب مہارانوں کی وجہ سے یہ خوش اقبالی یہ حویلیاں اور یہ دھن دولت نصیب ہوئی تھیں اور اب ان کے مر مٹنے پر انھیں گہرا دکھ تھا۔ سالہا سال کی متواتر روایات نے ان میں جذبہ اعتماد پیدا کر دیا تھا۔ ان کے پایۂ استقلال میں کوئی جنبش نہیں آئی اور جب کبھی انھیں تشویش ہوتی تو وہ نجومیوں سے رجوع کرتیں۔

یہ مصائب و آرام بھری زندگی تو ناقابلِ برداشت تو نہ تھی وہ ایک دوسرے کی خوشیوں اور غم میں برابر کی شریک رہیں اور خاندانی رسم و روایات اور تعلقات کو برقرار رکھنے کے لیے وہ اپنے فیصلے پر سختی سے کاربند رہیں۔ رسم و رواج کی پابندیاں ان کے لیے گویا ایک ایسا قلعہ تھا جو انھیں باہر کی فضا سے محفوظ رکھتا۔ انھیں روایات میں انھیں پناہ ملی اور ان میں جذبہ برتری پیدا کیا۔

گیتا نے اپنے آپ کو ایک اجنبی اور تماشائی سا محسوس کیا۔ وہ ان کی سابقہ روایات کی شریک کار تو نہ تھی۔ لیکن اس طویل مدت نے گیتا میں ان روایات کا احترام پیدا کر دیا۔ حالاں کہ وہ اس دور کے ختم ہو جانے کا اس کو کوئی افسوس نہ تھا۔

ہوا کے جھونکے بند ہونے کی وجہ سے اس کمرہ میں دم گھٹا جا رہا تھا۔ عورتیں بے چین سی نظر آ رہی تھیں۔ گیتا تازہ ہوا کے لیے بیتاب تھی لیکن یہاں سے اٹھنے کی اس میں ہمت نہ تھی کیوں کہ وہ سسرال کی کئی بڑی بوڑھی عورتوں سے گھری ہوئی تھی۔

" بی جی میرے ساتھ اوپر چھت پر چلو۔ میرا مزاج کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ " باجی بواسہ نے کہا۔ وہ بھگوت سنگھ جی کی خالہ زاد بہن تھی۔ یہ ساٹھ برس کی تھیں۔ لیکن اس کی ملائم جلد پر جھریاں نہیں تھیں۔ وہ خوب رو تھیں۔ اس کی ستواں ناک اس کے گلابی ہونٹوں پر بھلی سی نگتی تھی۔ اس کی شاہانہ چال سے پتہ چلتا تھا کہ وہ کبھی کسی کے روبرو اپنا سر خم نہ کرے گی۔ وہ بظاہر الگ تھلگ سی رہا کرتی تھیں لیکن اس کی باطنی رقیق القلبی نے ہر ایک کو اس کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ گیتا پہلے پہل تو اپنی خالہ زاد ساس کے حسن اور تمکنت سے ہی مرغوب تھی لیکن جب وہ اس کے قریب تر ہوئیں تو اس کو پتہ چلا کہ اس کے دل میں دوسروں کے لیے کتنا درد ہے تو اس کی نگاہوں میں اپنی خالہ زاد ساس کی قدر و منزلت اور بھی بڑھ گئی۔

چھت پر سورج کی خوشگوار تپش تھی۔ جالی دار دیواروں پر چڑیاں چہچہا رہی تھیں اور بعد میں وہ پھر سے اڑ گئیں۔ اس ٹھنڈی ہوا سے گیتا تازہ دم ہوگئی وہ اپنے چہرہ پر سے گھونگھٹ ہٹا کر جھکی اور صاف ہوا میں سانس لینا چاہتی تھی لیکن وہ اپنی خالہ زاد ساس کے روبرو ایسی حرکت تو نہ کر سکتی تھی اس کے بجائے اس نے دیوار سے اپنی پیٹھ لگا دی۔ اس کے چہرے کا گھونگھٹ ہوا میں لہرانے لگا۔

" مجھے خوشی ہے کہ تم نے حویلی میں کئی تبدیلیاں کی ہیں۔ ماں جی نے اس صراحت سے کہا جس کو سن کر گیتا کو سکون ملا۔ مجھے پتہ نہیں کہ حویلی کے روزمرہ معمولات میں تبدیلیاں کرنا کہاں تک مناسب ہے۔ گیتا نے بغیر جھجھکتے ہوئے کہا۔

ڈرو مت یہ تبدیلیاں تو اب ضروری ہیں۔ جب ہم بڑے بوڑھے لوگ دنیا

سے گزر جائیں گے تو یہ حویلیاں باقی نہیں رہیں گی۔ بیتے دنوں کی یاد میں زندگی گزارنا بیکار ہے۔ ہمیں اپنے بچّوں کی خاطر مستقبل کا خیال رکھنا چاہیے۔

مگر میں یہ نہیں جانتی کہ یہ طرزِ عمل غریبوں کے لیے بھی ٹھیک رہے گا۔ گیتا نے کہا شاید یہ بہتر ہوگا کہ سابق کی طرح انھیں اپنی حالت پر ہی چھوڑ دیا جائے۔ انھیں اپنی غربت کے دنوں میں تعلیم اگر انھیں ایک دوسرے سے جدا کر دے تو وہ نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔

کیا تعلیم کسی بچّے کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ مانجی نے پوچھا دھار مک کتابوں میں تو یہ لکھا ہوا ہے کہ غریبوں کو تعلیم یافتہ بنانا تو سب سے بڑی نیکی ہے سیتا اگر لکھنا پڑھنا سیکھ جائے تو وہ اپنے آپ کو بے سہارا نہیں سمجھے گی۔

مانجی کے پُرسکون چہرہ پر اظہار افسوس کی پرچھائیاں نظر آنے لگیں۔ اس نے سر ہلاتے ہوئے اس کو ذہن سے نکال دیا اور سنجیدگی سے حقیقت حال بیان کرنے لگی۔ چودہ برس کی عمر میں میرا سہاگ لٹ گیا میں جانتی ہوں کہ گنوار رہنا کیسا ہوتا ہے۔ میری راتیں اور دن بہت ہی طویل ہوا کرتے تھے۔ میری طرف اس طرح سے تو نہ دیکھو اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں۔ سات سال کی عمر پانے کے بعد ہم لڑکیوں کو اندرونی آنگن کے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی لیکن اسکول جانے کا تو کوئی مسئلہ درپیش نہ تھا۔ وقت اب بدل چکا ہے اور حویلی کی مضبوط دیواریں ہلنے لگی ہیں۔ گیتا اپنی سبز ململ کی ساڑی کی اوٹ سے اس کا چہرہ تکنے لگی۔ "ہمارے مرد لوگ تو اب اپنی جائیداد پر گزارہ نہیں کر سکیں گے انھیں اپنی حویلیوں سے دور رہنا پڑے گا اسی وجہ سے ان کی عورتوں کو حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا پڑے گا۔ جب یہ کہہ رہی تھیں تو اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی ہونے لگیں۔ بیتے ہوئے ان اجڑے دنوں کی یاد فطری طور پر ابھر آئی۔ وہ اپنی داستان بے باک کہے جا رہی تھی اس کا چہرہ تصنع سے بری تھا۔ اس کا یہ اداس چہرہ کبھی بھلایا تو نہ جا سکتا تھا لیکن یہ باوقار چہرہ کسی کے رحم و کرم کا محتاج نہیں تھا۔

تم نے اتنے سال کیسے گزارے؟ گیتا نے تھوڑے وقفہ کے بعد پوچھا۔

وہ اپنی خالہ زاد ساس کے بارے میں یہ مزید تفصیلات جاننی تھی ۔
ہاں تو میں پچیس میں ہی بیوہ ہو گئی تھی البتہ میں لاوارث تو نہیں تھی ۔ میری سسرال والے تو بہت ہی اچھے انسان تھے تمھیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے ۔ ہمارے اسلاف ایک ہی تو تھے ۔ وہ مسکرائی اور کہنے لگی جس سال میرے پتی چل بسے اسی سال ان کے بھائی کی پتنی بھی چل بسی ان کے دونوں بچوں کی پرورش میں نے ہی کی وہ میری اولاد بن چکے تھے ۔ یہ سچ ہے کہ میں نے زندگی کی بہاریں نہیں دیکھی ہیں ۔ اس نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا ۔ جب میں کم سن تھی تو میں سمجھ نہ پائی کہ مجھے دوسری عورتوں کی طرح زیورات اور رنگ برنگی ساڑیاں پہننے سے کیوں منع کیا گیا تھا ۔ مذہبی تقاریب میں کسی بیوہ کی موجودگی منحوس قرار دی جاتی تھی ۔ اس سے مجھے ٹھیس لگتی ۔ ان تہواروں میں جو رنگ رلیاں ہوتیں اس کی میں بے حد شوقین تھی لیکن آگے چل کر یہ بات میری سمجھ میں آئی اس میں کسی کا قصور تو نہیں یہ تو اودے پور کے رسم ورواج ہیں ۔ اس جہنم میں میرا بیوہ ہو جانا یہ تو میری بد قسمتی تھی ۔ میں نے اس کو اپنا مقدر سمجھ کر مان لیا ہمیں اپنے کرموں کی سزا جو بھگتنی تھی ۔ پتہ نہیں کہ میں نے کون سے گناہ کیے کہ میرے پتی چل بسے لیکن اس کے عوض مجھے کسی کے رحم وکرم کی ضرورت نہیں ۔ یہ مت بھولو کہ سماج میں بیوہ کا بھی کچھ مرتبہ ہوتا ہے ۔ یہ سگے سمبندھی جو تم یہاں دیکھ رہی ہو انھیں میری فکر لگی ہوئی ہے ۔ اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کھیلنے لگی ۔ لیکن بچے اب بڑے ہو چکے ہیں اور کسی دن وہ چلے جائیں گے ۔ اگر میں پڑھی لکھی ہوئی تو مجھے تنہائی محسوس نہیں ہوگی ۔ ان کے چلے جانے پر تو یہ تنہائی ناقابل برداشت ہو جائے گی ۔ تمھیں سیتا کو اسکول بھجوانا چاہیئے اس میں تمھیں کچھ زحمت تو ہوگی اس نے پر زور آواز میں کہا یہ سن کر گیتا اتنی متاثر ہوئی کہ وہ اپنی زبان سے کچھ نہ کہہ سکی ۔ اس کی ساس جو بالاخانہ پر آپہنچی تھی اس کا اس کو پتہ ہی نہ چلا ۔

" ماں جی جب تم دکھائی نہیں دی تو میں نے سمجھا کہ تم جا چکی ہو بھگونت سنگھ کی پتنی نے یوں ہی کہہ ڈالا ۔

نیچے کمرہ میں تو غضب کی گرمی تھی اس لیے ہم دونوں ٹھنڈی ہوا کے لیے

کھلی چھت پر چلی آئیں۔ ماں جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ " تم دونوں یہاں بیٹھی کیا باتیں کر رہی تھیں۔ گیتا کی ساس نے اپنا گھونگھٹ ہٹاتے ہوئے پوچھا " اوہ۔ کوئی خاص بات تو نہیں۔ بنی جی کو میں اپنی بات سنا رہی تھی۔" مجھے یقین ہے کہ تم نے اس کو بتا دیا ہوگا کہ جب لڑکی بیاہی جاتی ہے تو اس کے پتی کا گھر ہی اس کا گھر ہوتا ہے۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے کہا وہ ہمیشہ گیتا کو یہی سبق دیتی رہی کہ سسرال والوں کی خدمت گزاری ہی اس کا پہلا اور اوّلین فریضہ ہے۔

" ہاں تمھاری ساس جو کہہ رہی ہے وہی سچ ہے۔ ماں جی نے گیتا کو شفقت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ گیتا حالت اضطرابی میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ کسی گھرانہ کا فرد کہلانے سے قبل یہ ضروری ہے کہ وہ بڑوں کا کہا مانے بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے سرکشی انداز میں کہا۔ اس کی نگاہوں میں نفرت کی آگ تھی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ کہنے لگی۔ ذرا دیکھو تو سیتا اسکول اس وقت بھجوائی جا رہی ہے جب کہ گھر پر اس کی سخت ضرورت ہے لیکن بنی جی سمجھنے لگی ہے کہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور نادان ہوں۔ شاید میں ایسی ہی ہوں لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ آج کل نوکروں کا ملنا اتنا آسان نہیں اور میں یہ جانتی ہوں کہ لڑکی جب ایک مرتبہ اسکول جانے لگے تو وہ کبھی اپنے ہاتھ میں جھاڑو نہیں پکڑے گی۔ بنی جی میرے نوکرانیاں بھی ہیں۔ وہ مجھ سے جدا نہیں ہوں گی۔ لیکن میں تو تمھارے آرام کے بارے میں سوچتی ہوں تمھیں ایک طویل زندگی جو بتانی ہے۔ تمھاری خدمت کے لیے سیتا ٹھیک رہے گی۔ میں کسی نوکر کے لڑکے سے اس کا بیاہ کر دوں گی اور یہ دونوں پتی پتنی مل کر تمھاری خدمت کریں گے لیکن یہ تب ہی ممکن ہوگا جب سیتا اسکول نہ جائے۔

کاکی سہ تمھارا خیال صحیح ہو سکتا ہے لیکن اگر ہم کسی غریب کی مدد کرنا چاہیں تو ہمیں اس قدر خود غرض نہیں بننا چاہیئے ماں جی نے استقلالی سے کہا لیکن یہ فیصلہ کرنے سے پہلے بنی جی کو چاہیئے تھا کہ وہ مجھ سے اجازت تو لے لیتیں۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے پھر سے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

ہاں۔ تمھارا کہنا بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن ہم سب غلطیاں کر بیٹھتی ہیں۔
تمھیں اس مرتبہ بی جی کو معاف کر دینا چاہیئے وہ دوبارہ ایسی حرکت نہیں کریں گی
ماں جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کی مسکراہٹ میں لاڈ و پیار کی جھلک تھی۔
بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے دیکھا کہ کمرہ میں بیٹھی ہوئی عورتیں ایک۔ کے بعد ایک اپنے
گھر واپس جانے کی تیاریاں کر رہی ہیں۔ وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی لیکن جب
مہمان جانے لگے ہیں تو اس کا اپنی نند کے ساتھ رہنا ضروری تھا۔ گیتا کی ساس اور
ماں جی جب اندر جانے لگیں تو گیتا ان کے پیچھے پیچھے ہولی نندو نے جب ان تینوں
کو اندر آتے ہوئے دیکھا تو وہ اپنے قریب بیٹھی ہوئی عورتیں جن سے وہ باتوں
میں لگی ہوئی تھی پرے ہٹ گئی۔ اور بھگوت سنگھ جی کی پتنی کے قریب آ گئی۔
اور اس کے شانہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا اور
پوچھا " تم نے ان تینوں لڑکوں میں اپنے بھائی کو اتنی جلدی اپنی جائیداد کا
ٹھیک بٹوارہ کرنے پر کیسے رضامند کر لیا۔ اس کے اس سوال میں اس کی
پسندیدگی کا اظہار پنہاں تھا۔
میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ یہ سب کچھ میرے بھائی کی مرضی کے مطابق کیا گیا۔
وہ نہیں چاہتے کہ ان کے بعد ان کی حویلی کی بدنامی ہو۔ تمھیں پتہ ہے کہ جائیداد
کے جھگڑوں میں کئی حویلیوں کی آبرو خاک میں مل چکی ہے۔ میرے بھائی چاہتے
ہیں کہ جیتے جی ہر چیز کا بٹوارہ ہو جائے اور اس کا تحریری ثبوت موجود ہے۔
بھگوت سنگھ جی کی پتنی کا انداز بیاں ایسا تھا گویا کہ اس نے جو کہا اس پر بھروسہ
کیا جائے۔

نندو اس بیان صفائی کی تردید نہیں کرنا چاہتی تھی حالاں کہ اس کو پتہ تھا
تھا کہ بھگوت سنگھ کی پہلی پتنی کے لڑکے کو بھی دوسرے لڑکوں کی طرح برابر کا
حصتہ دلوانے کے لیے بھگوت سنگھ جی کی پتنی اپنے بھائی کو تین دن تک منوانا
پڑا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ نند اور بھاوج میں سخت کلامی بھی ہوئی بھی۔ اس
بارے میں نند کچھ اور چھان بین کرنا چاہتی تھی لیکن چند عورتیں بھگوت سنگھ جی
کی پتنی سے رخصت لینے کے لیے وہاں آ پہنچیں اور انھیں دلاسہ دیا کہ وہ پریشان

نہ ہوں اور ان کے بھائی جلد تندرست ہو جائیں گے۔

دور کے سبھی سگے سمبندھی جا چکے تھے۔ صرف ماں جی اور نند وہاں ٹھہری ہوئی تھیں۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی اٹھ کھڑی ہوئیں اور انتہائی انکساری سے اپنی بھاوج سے کہنے لگی۔ میں تمھیں تنہا چھوڑ کر تو نہیں جانا چاہتی لیکن آج اگر میں نہیں گئی تو مجھے یہاں تین دن اور ٹھہرنا پڑے گا کیوں کہ یہ تین دن منحوس ہیں۔ مگر تم پریشان مت ہو میں پھر آؤں گی دیوی کے سامنے گھی کا چراغ جلائے رکھنا۔ میں نے منیم جی سے کہہ دیا کہ برہسپتی کی منت کے لیے پروہت کو ایک سو روپیہ دے دے۔ بھگوت سنگھ جی کی بھاوج نے اظہار احسان مندی میں اپنا سر جھکا لیا۔ اور اپنی نند کے پیر چھونے لگی۔

چوتھا باب

گیتا سے کچھ کہنے سے قبل بھگوت سنگھ جی کی پتنی گھر واپس جانا چاہتی تھی ۔ گیتا اور اس کے سسر جی کے درمیان جو کچھ بات ہوئی تھی اس کا اس کو پورا علم تھا ۔ جب وہ ساڑی بدل رہی تھی تو پاری نے اس کو سب کچھ بتلا دیا تھا کہ کس طرح اس نے گیتا کے فیصلہ کی مخالفت کی تھی لیکن جیسے ہی اس کو کنور سہ کے خیالات کا پتہ چلا وہ خاموش ہو گئی ۔

پاری جب کمرہ میں مالکن کو یہ سب کچھ بتلا رہی تھی تو بھگوت سنگھ جی کی پتنی اس کتھی کو سلجھانے کی تدبیر سوچ رہی تھی ۔ اس نے اپنے پتی سے بالراست گفتگو کرنے کو فضول سمجھا ۔ اس نے سوچا کہ اپنے پتی پر دباؤ ڈالنے کے لیے حویلی کے وفادار منیم جی کا سہارا مفید ثابت ہوگا ۔

بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے منیم جی کو طلب کیا اور اس کو ہدایت دی کہ وہ اپنے پتی سے کہ سیتا کو اسکول بھجوانا ٹھیک نہیں ہے ۔ منیم ایک ادنیٰ اور چالاک آدمی تھا جس کے باپ دادا نے اس حویلی میں خدمت گزاری کی تھی ۔ اس نے مالک کو اس اقدام سے روکنے کی ٹھان رکھی تھی ۔ مالکن نے اس بارے میں جو کچھ کہا تھا اس پر وہ فوراً رضامند ہو گیا ۔ حویلی کے وقار کو برقرار رکھنے کے لیے بھگوت سنگھ جی کو ہدایت دینے میں اس کو کوئی جھجک محسوس نہ ہوئی لیکن وہ بذات خود ان سے اس کا تذکرہ کرنے کے بجائے اپنی طلبی کا منتظر تھا ۔

دو دن بعد جب منیم جی حویلی کا ماہانہ حساب کتاب انھیں دکھا چکا ، تو

بھگوت سنگھ جی نے اس سے کہا کہ وہ سیتا کے لیے کوئی مناسب اسکول تلاش کرے
منیم جی نے گھبراہٹ میں اپنے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے عاجزانہ الفاظ میں کہا کہ
مالک کا یہ اقدام دوسرے نوکروں کو ناگوار لگے گا اس نے کہا کہ دوسرے نوکر بھی
تو ہیں جو گنگا رام جی سے زیادہ مدت تک اس حویلی میں خدمت کرتے آئے ہیں
اور اس کے علاوہ دھاپو اور گنگا کی بھی تو اولادیں ہیں۔ بھگوت سنگھ جی نے دھیان
سے یہ سب کچھ سنا اور کہا کہ ان کے پتا نے تمام نوکروں کو زمینیں دے دی تھیں
مالکن دھاپو کے بچوں کی شادیاں کروائی تھیں اور اس کے علاوہ خود انھوں نے
دھاپو کے پتی کو تین ایکڑ کاشتکاری زمین بھی دی تھی۔ منیم جی نے اثبات میں سر
ہلایا۔ ان کی نگاہیں فرش پر لگی تھیں اس کے اختلاف رائے کا یہی وہ طریق عمل
تھا بھگوت سنگھ جی نے نوکروں کو جس فیاضی سے نوازا تھا اور ان کے مستقبل کے
لیے جو کچھ دیا تھا وہ ایک حقیقت تھی بھگوت سنگھ جی نے جو دلیل پیش کی اس کا
انکار منیم جی تو نہ کر سکتا تھا۔ البتہ اس کو مکمل یقین تو نہ آیا اس کو اپنے مالک کی اچھی
پرکھ تھی وہ جانتا تھا کہ اس کے کہنے کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور وہ اپنے
فیصلے پر اٹل رہیں گے انھوں نے سیتا کو اسکول بھجوانے کا فیصلہ کرکے بہت
بڑا جوکھم اٹھایا ہے اور اب ان کے اس حکم کی تعمیل کرنا ضروری ہے۔

منیم جی ہفتہ بھر شہر کے اسکولوں کا چکر لگاتے رہے لیکن ہر ایک میں انھیں
کوئی نہ کوئی خامی نظر آئی۔ آخر کار انھوں نے سیتا کے لیے ایک غیر سرکاری اسکول
پسند کیا جو کسی خیراتی ادارہ کے زیر نگرانی چل رہا تھا۔ اس اسکول کے داخلہ کی
فیس کچھ زیادہ تو تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ مالک اس کی ادائیگی کے لیے پس و پیش
نہیں کریں گے اس نے سیتا کا نام درج کروا دیا اور تمام لوازمات فراہم کر دیں
لیکن پھر بھی مالکن سیتا کو فوراً اسکول بھجوانے پر رضامند نہیں ہوئی داخلہ کے
لیے کوئی شبھ دن تلاش کرنا ضروری سمجھا گیا۔ خاندان کے جوتشی سے بھی تو صلاح
کرنا تھا اور ایک ہفتہ بعد سیتا کو اسکول بھجوانے کا دن چنا گیا۔

سیتا کو اسکول بھجوانے کی صبح آنگن میں لوبانی عود کی خوشبو مہک اٹھی۔
سیتا کو اسکول بھجوانے سے قبل سکھشا کی دیوی سرسوتی کے آشیرواد کے لیے

پوجا پاٹ ضروری تھی ۔ مورتی کے چرنوں میں تیل کا دیا رکھا گیا حویلی کی عورتیں بڑوں اور ان کے بچّے چلے آئے ۔ فرش پر اپنا ماتھا لگایا، پرارتھنا کی اور پھر صبح کے کام کے لیے یہاں سے چل پڑیں ۔ تھوڑی دیر بعد چمپا نے آکاش کی طرف دیکھا اور جب اس کو یقین ہو چلا کہ سیتا کو یوں ہی سوتے ہوئے چھوڑ دینا نادانی ہو گی، تو اس نے اس کو جگا دیا ۔

سیتا بغیر کسی چون و چرا اٹھ بیٹھی وہ جانتی تھی کہ آج اسکول جانے کا دن ہے جس دن سیتا کا نام اسکول میں درج کروا دیا گیا ۔ اس دن سے وہ حویلی میں آزادی سے گھومنے پھرنے لگی نوکرانیوں نے اس کو اپنی مرضی پر چھوڑ دیا ۔ مالکن نے اس کو نمکین مونگ پھلی کے لیے پیسے دیئے لیکن اس کے چہرہ پر مسکراہٹ نہیں آئی ۔ وکرم کو اس کی چھوٹی سی سبز کار میں بٹھا کر گھمانے میں اس کو بڑا مزہ آتا تھا لیکن اب اس نے اس کے ساتھ کھیلنے سے بھی انکار کر دیا ۔ چمپا نے جب اس کو جگایا تو وہ خاموشی سے اس کے ساتھ اس طرح چلنے لگی جیسے کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو وہ برآمدہ کے کنارے جہاں کہ نل لگا تھا وہاں بیٹھ گئی ۔ چمپا نے چلو بھر ٹھنڈا پانی لیا اور سیتا کے چہرہ پر دے مارا ۔ ٹھنڈے پانی کے اس چھڑکاؤ نے اس کی آنکھیں کھول دیں ۔

اس نے بھیگے چہرہ سے نوکرانی کی طرف دیکھا اور ڈرتے ڈرتے پوچھا ۔ بائی ۔ کیا اسکول میں ماسٹر میری پٹائی کریں گے ؟ ہرگز نہیں چمپا نے پُر زور آواز میں کہا کیا تو سمجھتی ہے کہ ماسٹروں کو ماہوار ایک سو روپیے لڑکیوں کو پیٹنے کے لیے دیئے جاتے ہیں ۔ یہ کام تو میں بھی کر سکتی ہوں ۔ جوش جذبات سے اس کا دم رکنے لگا چلو اپنا چہرہ پونچھ لو میں تیرے سر میں تیل لگا کر چٹیا گوندھ دیتی ہوں تو اپنے چہرہ پر بال اس طرح بکھرائے ہوئے نہیں رہ سکتی چمپا نے شفقت آمیز لہجہ میں کہا ۔ سیتا اپنا سر جھکائے نیچے بیٹھ گئی ۔ چمپا نے اس کے سر میں تیل لگایا تھوڑی سی مالش کی اور کنگھی سے گانٹھ دور کیے ۔

”تیری چلبلی آواز کیوں بند ہو گئی ؟ چمپا نے اس کی خاموشی کو برداشت نہ کرتے ہوئے کہا اب جب کہ تجھے زبان کھولنی ہے تو نے اپنی زبان بند

کرلی اس نے محبت بھری آواز میں کہا اور اس کی پیٹھ ٹھونکنے لگی۔
"بائی اب دوپہر میں مجھے روٹی کون دے گا؟" سیتا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
چمپا جب اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکی تو اس نے اپنا منہ ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور جب اس لڑکی نے جواب چاہا اور اس کی طرف دیکھنے لگی تو اس نے ملامتی لہجہ میں کہا۔ کیا تو یہ سمجھتی ہے کہ میں تیری موٹی موٹی آنکھیں دیکھ کر دھوکہ کھا جاؤں گی؟ کیا تو یہ سمجھتی ہے کہ میں تیرا وہ چلانا بھلا چکی ہوں جب کہ دال میں نمک کچھ زیادہ ہو جاتا یا روٹی کچھ زیادہ جل گئی ہوتی۔ سات سال میں یہ پہلا موقعہ ہے جب کہ تو یہاں خاموشی سے بیٹھی ہو اور مجھ کو کنگھی کرنے دیا ہو۔ کیا تو نے وہ تھپڑ بھلا دیئے جو میں نے تجھے رسید کیے تھے۔
سیتا آلتی پالتی مارے ہوئے بیٹھی رہی وہ چمپا کی طرف آنسو بھری آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ جن میں منت سماجت برس رہی تھی۔
میرا خیال ہے کہ تو سب کے ساتھ مل جل کر کھائے گی۔ مجھے کیا پتہ کہ اسکولوں کے کیا آداب ہوتے ہیں۔ میں تو اسکول کبھی نہیں گئی۔ سیتا کے گالوں پر آنسو لڑکھڑانے لگے چمپا نے یہ آنسو اپنی ساڑی سے پونچھ ڈالے اور کہا لڑکیوں کے روبرو رونا مت ورنہ وہ سمجھیں گی کہ تو ڈرپوک ہے اور وہ تجھے ستائیں گی ابھی سے تو اپنے پیروں پر کھڑے ہونا سیکھ لے اور کبھی ہمت نہ ہارنا چل میں تجھے وجے بائی سہ کی پرانی وردی پہنا دوں۔
"سیتا او سیتا۔ ادھر آ اور چائے پی لے۔ گنگا نے رسوئی گھر سے آواز دی۔ پرماتما ہی جانتے ہیں کہ اس غریب کو پھر کب کھانے کو ملے گا نوکرانی نے یہ کہتے ہوئے اس نیم گرم چائے کو اپنی انگلی سے ہلانے لگی یہ چھوٹی سی لڑکی رسوئی گھر کے دروازے سے لگی کھڑی تھی۔ آ بیٹھ جا چائے پی اور یہ روٹی کھا لے میں نے اس کو خاص طور پر ذائقہ دار اور کرارا بنایا ہے۔ گنگا نے اس کے روبرو کھڑی ہوئی چھوٹی سی صورت کو دیکھتے ہوئے رحم دلی سے کہا جلدی کر ورنہ دیر ہو جائے گی۔
اور وہاں کسی سے لڑائی مت کرنا جیسے کہ تو یہاں کرتی ہے ان ماسٹروں

کا کیا بھروسہ وہ جیسے کہیں ویسے ہی کرو سب ٹھیک رہے گا۔

سیتا اپنے سامنے رکھی ہوئی پیالی کو گھورنے لگی جیسے کہ اس کو چھونے سے خوف لگ رہا ہو اس کے چہرہ پر خشک آنسوؤں کے نشان تھے گنگا نے اس کو اپنی طرف کھینچا اور روٹی کا ایک ٹکڑا توڑ کر چائے میں بھگویا۔

اس نے محبت بھری آواز میں کہا۔ منہ کھول سیتا نے اپنا منہ کھولا اور روٹی چبانے لگی۔ اس کی حالت ایک کٹھ پتلی کے مانند تھی جو کسی دوسرے کے اشاروں پر ناچتی ہے۔ ” فکر نہ کر گنگا نے سیتا کے تیل میں بھیگے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھوڑی ہی دیر میں تو گھر واپس آجائے گی اور اسکول کی لڑکیوں کے بارے میں، ہمیں سب کچھ بتا دو گی۔

” بائی بس اور زیادہ نہیں کھا سکتی مجھے بھوک نہیں ہے۔ سیتا نے یہ کہتے ہوئے روٹی چبائی اور چائے کا ایک گھونٹ لیا۔ یہ روٹی تو کھا لو۔ گنگا نے اس کی ناک صاف کرتے ہوئے کہا پیٹ خالی رکھنے سے تمھیں سبق یاد نہیں رہے گا۔ پیٹ میں گڑگڑاہٹ ہو گی اور لڑکیاں تجھ پر ہنسنے لگیں گی۔ یہ کھالو صرف آدھی روٹی تو باقی ہے۔ سیتا نے روٹی کھالی۔ اپنے ہاتھ کی پشت سے منہ پونچھ لیا اور عادت کے مطابق برآمدہ میں ستون کے پیچھے اپنا سر گھٹنوں میں دبائے بیٹھ گئی۔

دھاپو بک بک کرتی ہوئی سیڑھیوں سے نیچے اتری اس کی ساڑی کمر سے لپٹی ہوئی تھی وہ رسوئی گھر میں گھس پڑی۔ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ہماری اسکول جانے والی ننھی کہاں ہے؟

اس غریب کو تنہا چھوڑ دو۔ کھیالی نے چاندی کے پیالہ میں دودھ بھرتے ہوئے کہا۔ دیکھو تو وہ کس طرح وہاں بیٹھی ہے۔ صبح سے اب تک اس نے اپنی زبان نہ کھولی اس کو دیکھ کر کسی بھی آدمی کا دل دہل جائے گا۔ کیا بنی جی یہ سمجھتی ہیں کہ ہم محض نوکر لوگ ہیں اس لیے وہ ہمارے بچوں کے ساتھ اپنی من مانی کر سکتی ہے۔ وہ اگر میری لڑکی کو اسکول بھجوانے کی کوشش کرے تو تب میں جانوں، ہاں لڑکوں کو جہاں چاہے بھجوا دو۔ لیکن لڑکیوں کے کھلے بازار نمائش تو نہیں کی جاسکتی۔

کبھی نہیں ۔

آہستہ بولو۔ ویسے تو بی جی کو بھی سیتا کے اسکول جانے پر افسوس ہے ۔ دھاپو نے اپنے ہونٹوں پر انگلیاں دھرتے ہوئے کہا بی جی کو اس پر افسوس ہی کرنا چاہیئے ؟ گنگارام اگر مستقل مزاج ہوتا تو یہ سب کچھ نہیں ہونے پاتا ۔ اپنی پتنی پر مار پیٹ کرنا تو آسان کام ہے ۔ لیکن مالکن کے ساتھ دلیرانہ مقابلہ کرنے کے لیے ہمت چاہیئے ۔ وہ گدھے کی طرح کام کرتا ہے لیکن اپنی اکلوتی لڑکی کا کچھ خیال نہیں کرتا ۔ جب ہم یہاں ہیں تو اس کو اپنی لڑکی کا خیال کرنے کی کیا ضرورت ؟ تم سمجھتی ہو کہ ہم اس کی اچھی طرح دیکھ بھال نہیں کرتے ۔ دھاپو نے خفگی سے کہا اس دکھ بھری موت کو تو دیکھو اور تبھی کچھ کہنا ۔ کھیالی نے طنز آمیز لہجہ میں کہا ۔

سیتا ۔ سیتا تو کہاں ہے ۔ کیا تو اسکول جانے کے لیے تیار ہوگئی ۔ وجے اوپر سیڑھیوں پر کھڑی ہوئی جوشیلی آواز میں چلانے لگی ۔ وہ سیڑھیوں سے نیچے اتر آئی اور آنگن پار کر کے اس دل شکستہ لڑکی کے روبرو کھڑی ہوگئی ۔ تو فکر مت کر سیتا ۔ میں تجھے ورن مالا سکھلا دوں گی ۔ یہ مشکل تو نہیں ۔ اسکول کا جو کام تجھے گھر پر کرنا ہے وہ میں کر دوں گی ۔ فکر مت کرو شفقت سے یہ کہتے ہوئے اس نے سیتا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا ۔ میں دودھ پینے جا رہی ہوں تو میرے ساتھ چل سیتا اس طرح اٹھ کھڑی ہوئی جیسے اس میں انکار کرنے کی قوت ناپید ہوگئی ہو ۔ وہ وجے کے پیچھے پیچھے رسوئی گھر کی طرف چل پڑی ۔

دھاپو ۔ سیتا سے کہو کہ وہ خوفزدہ نہ ہو وجے نے اپنے ساتھی کی جھکی ہوئی نگاہوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ۔ ہر روز ہم گھر واپس ہوتے ہوئے مونگ پھلی اور ٹافی خریدیں گے سیتا ۔ افسردہ مت ہو ۔ ہم دونوں مل کر خوب کھیلیں گے ۔ وجے نے اس کو دلاسا دیا ۔ اور کھڑی ہوگئی ۔

" ذرا ٹھہرو تو وجے بائی سہ ۔ اتنی جلدی مت کرو تمھیں تو اسکول میں دوپہر کا کھانا مل جائے گا لیکن سیتا کا کیا ہوگا وہ اگر تمھارے ساتھ رہی تو بھوکی مرے گی یہ کہتے ہوئے گنگا نے ایک پیکٹ سیتا کے حوالے کیا اس نے سیتا کا چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے کہا ۔ میں نے روٹیوں کے بیچ بہت سی چینی رکھی ہے ۔ یہ تم کسی اور

کو چھیننے مت دینا۔

پاری بیٹھی ہوئی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ وہ ڈر سے سہمی ہوئی سیتا کو تسلی تو نہ دے سکی لیکن جب اس نے ان دونوں لڑکیوں کو آنگن میں سے گزرتے ہوئے دیکھا تو وہ چلانے لگی۔ "او سیتا کیا تو نے پوجا گھر میں جلتا ہوا دیا نہیں دیکھا۔ پہلے وہاں جا اور دیوی سرسوتی کے روبرو اپنا ماتھا ٹیک۔ سیتا پلٹ آئی اور وجے کے ہمراہ پوجا گھر میں داخل ہوئی دونوں لڑکیوں نے گھٹنے جھکائے اور فرش پر اپنا ماتھا ٹیک دیا اور جلدی جلدی کمرہ سے باہر نکل پڑیں۔

نوکرانیاں ان دونوں کو آنگن سے باہر نکلتے ہوئے دیکھنے لگیں۔ گنگا رام ایک گوشہ میں کھڑا ہوا تھا۔ اس کی نگاہیں فرش پر لگی تھیں۔ کار جب پھاٹک کے باہر نکلی تو پاری بھنناتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے لنگڑاتے ہوئے آنگن پار کیا اور رسوئی گھر جاکر جھاڑو اٹھالی " جی جی۔ تم یہ کیا کر رہی ہو۔ دھاپو نے اس کے ہاتھ سے جھاڑو چھینتے ہوئے کہا۔ کیا ہم سب مر گئیں کہ تم اس عمر میں جھاڑو لگاتی رہو اور ہماری رسوائی ہو پاری نے بات مان لی۔ وہ پھر سے بیٹھ گئی اور کہیں دور افتادہ جگہ پر اپنی آنکھیں جمادیں۔

سیتا کی روزمرہ ضروریات کا پاری کو تو کوئی خیال نہ تھا لیکن پھر بھی وہ اس کو بہت پیار کرتی تھی۔ سیتا میں نہ تو کوئی بھولاپن تھا اور نہ کوئی جاذبیت اس کی سیاہ رنگت اور سہک سے چہرہ پر مظلومیت کے آثار نمودار تھے۔ اس کی بڑی سی آنکھیں تھیں اور ناک اس کے باپ جیسی لمبی اور ٹیڑھی تھی۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر روتی اور چلایا کرتی لیکن اس کے انداز دلفریب ضرور تھے۔ اور جب سب سوجایا کرتے تو وہ پاری کے پیر دباتی اور اس کو اپنی چھوٹی چھوٹی کہانیاں سنایا کرتی۔

" اسی چوہیا کے بغیر حویلی خالی خالی سی لگتی ہے۔ پاری نے آخرکار کہا۔ کوئی اور نہ سہی تو دیوی ہی اس کی نگہبانی کرے گی۔ اس نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا " ہم تو صرف نوکر ٹھہرے۔ ہماری قسمت تو مالکن کے ساتھ

جڑی ہوئی ہے۔ ہمارے لیے وہ چاہے سو کرے لیکن ہم اور ہماری اولاد نوکر ہی بنے رہیں گے صرف بھگوان ہی کسی کی قسمت بدل سکتا ہے۔ اس کی آواز میں بے رحمی اور بے رُخی جھلک رہی تھی۔

گنگا رام جی اگر طیش میں نہ آتے تو لکشمی آج یہیں رہتی۔ دھاپو نے گنگا رام کو اپنی سیاہ اور عداوت بھری آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا جب کہ وہ رسوئی گھر کے برآمدہ میں ایندھن جمع کر رہا تھا۔

بھگوت سنگھ جی کی پتنی پوجا گھر سے ان جھڑکیوں اور آہ وبُکا کا شور سن چکی تھی۔ اس نے جلدی جلدی پوجا پاٹ ختم کی۔ دیوی ماتا کے روبرو اپنا کیا اور کمرہ کے باہر نکل پڑی جب وہ رسوئی گھر کے قریب آنے لگی تو اس کی چال دھیمی سی پڑ گئی وہ پاری کو گھورنے لگی۔ یہ رونا اور چلانا کس لیے؟ اگر کسی نے تمھیں دیکھ لیا تو وہ سمجھیں گے کہ ہم سب قاتل ہیں۔ ہاں نوکر تو نوکر ہی رہیں گے چاہے ہم ان کے لیے کوئی بھی قربانی کریں۔ ان میں احسان مندی کا جذبہ تو ہوتا ہی نہیں۔ اسی لڑکی پر میں اپنا روپیہ خرچ کر رہی ہوں۔ برسوں سے میں نے اس کو پالا پوسا ہے۔ لیکن آج تم عورتیں اسی طرح پیش آ رہی ہیں، جیسے کہ میں نے اس کو سونے کی خاطر بیچ ڈالا ہے۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی غصّہ سے آگ بگولہ تھیں۔ اب تم ہی بتادو اگر تمھیں سیتا کا اسکول جانا پسند نہیں تو میں اس کو منع کر دوں گی۔ تم اس کو اپنی گودی میں ہی سنبھال رکھو اور اس کی شکایت مت کرو۔ وہ نوکرانیوں کو حقارت آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے وہاں سے چل پڑیں۔

بھگوت سنگھ جی کی پتنی جب چلی گئی تو نوکرانیاں حیرت زدہ ہو گئیں کسی نے کچھ نہ کہا مالکن کا ان سے میل جول تو بحال رہا اپنے بارے میں بہت کچھ بتایا کرتی تھی۔ البتہ مالکن کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ پاری فوراً کھڑی ہو گئی اور مالکن کے کمرہ کا رُخ کیا۔ وہ جانتی تھی کہ مالکن اس پر بہت خفا ہے اور یہ خفگی اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔

پانچواں باب

مالکن کی سخت کلامی نے تمام نوکروں کے ہوش ٹھکانے لگا دیئے۔ یہاں تک کہ کھیالی نے بھی چپی سادھ لی۔ مگر اس تہلکہ میں سبھی بھول بیٹھے کہ بھگوت سنگھ جی کی بیوہ بھتیجی کانتا کچھ دن حویلی میں قیام کرنے کے لیے آج آنے والی ہیں۔ صبح جب بغلی دروازے پر لگاتار کھٹکھٹانے کی آواز سنائی دی تبھی انھیں اس کا پتہ چلا اور نوکرانیاں دوڑ دھوپ کرنے لگیں۔

بھگوت سنگھ جی کی بیتی فوراً اٹھ بیٹھی اس نے سر پر اپنا پلو ٹھیک کیا اور کانتا سے گرم جوشی سے ملیں گویا صبح ہی سے وہ اس کا انتظار کر رہی تھیں نوکر اسباب اندر لے آئے۔ کھیالی نے چاندی کی تھالیاں نکالیں اور چٹ پٹی چیزیں تلنے کے لیے آگ جلائی۔ ہر ایک کو مشغول دیکھ کر گنگارام تمبا کو نوشی کے لیے وہاں سے کھسک گیا۔ جیسے ہی کانتا دیوان خانہ میں بیٹھی بھگوت سنگھ جی کی بیتی نے پوچھا بائی سہ تمھاری ساس اب کیسی ہیں؟

مالکن وہ تو ویسی ہی ہیں جیسے پہلے تھیں کبھی مجھ سے خوش رہتیں تو کبھی مجھ پر ناراض ہوتیں گویا میں ہی ان کی ساری پریشانیوں کا باعث ہوں۔ وہ مجھ سے بات چیت بھی نہیں کرتیں اور زیادہ تر اپنا وقت مندر آنے جانے میں گزارتی ہیں تو یہ بات سچ ہو گئی کہ وہ اپنا سارا روپیہ پیسہ مندر کو دینے والی ہیں۔ وہ تو وقتاً فوقتاً اس طرح کی دھمکیاں دیتی رہتی ہیں لیکن روپیہ ہے کہاں؟ یہ تو مجھ پر رعب ڈالنے کا ایک بہانہ ہے۔" تم اس طرح مت کہو تم جانتی ہو

کہ ان کے پاس سونا ہے اور سونا آخر پیسہ ہی تو ہوتا ہے۔ بائی سہ تم انھیں ناراض مت کرو یاد رکھو زبان اگر شیریں ہو تو کچھ نہیں بگڑتا۔ ان دونوں کی گفتگو میں یکایک خلل اندازی ہوئی جب کہ پاری وہاں بڑبڑاتے ہوئے پہنچی اور مالکن سے بھنڈار کی چابیاں طلب کیں۔ کھیالی غضبناک تھا اور گوکل بے چین بھگوت سنگھ جی کے مہمانوں کے لیے کچھ اور دودھ چاہیئے تھا۔ دودھ میں پانی ملانے پر بھی وہ کافی نہیں تھا یہ دونوں خواتین جلدی سے اٹھیں اور رسوئی گھر میں گئیں۔ نوکروں کے بچّوں میں سے ایک کو دودھ اور دوسرے کو مٹھائیاں خریدنے کے لیے بھیجا گیا۔ یہاں پر ادھم مچا ہوا تھا۔ نوکر ایک دوسرے پر آوازیں کہنے لگے تھے۔ حویلی کے مالک کو اس طرح منتظر تو نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ حویلی کی شان کے مطابق ان کے مہمانوں کی خاطر مدارات کرنا لازمی تھا۔ زنانہ میں تو سب کچھ چل سکتا ہے۔ دودھ تھوڑا کم پڑ جائے یا مہمانوں کے لیے ناشتہ ناکافی ہو تو کسی کو پریشانی نہیں ہوگی۔ کھیالی تو عورتوں کی تواضع کرنا بخوبی جانتا تھا البتہ مردوں کی میزبانی میں کوئی غلط حرکت کرنا تو خطرناک ثابت ہوگا۔ تم سب نوکر لوگ صبح سے یہاں بیٹھے ہوئے چلاتے نہ رہتے تو اس طرح کی گڑبڑ تو نہ ہوتی اس سے پہلے تو ہم نے دودھ کی کمی کے بارے میں کبھی نہیں سنا۔ مالکن نے تمکنت سے کہا۔ کھیالی کی آنکھوں میں شرارت جھلک رہی تھی جب کہ وہ نمکین چیزیں تیار کر رہا تھا۔ "یہ سب چلا کیوں رہی تھیں؟" کانتا نے حیرت زدگی سے پوچھا۔ اس نے سینی میں سب چیزیں اکٹھا کر دیں تا کہ گوکل اس کو اندر پہنچا دے۔

"دھاپو سے پوچھو۔ اس نے جو آنسو بہائے ہیں اس سے ابھی تک اس کی ساڑی بھیگی ہوگی۔ مالکن نے طعنہ دیتے ہوئے کہا۔ دھاپو اپنا سر جھکائے ہوئے پھلوں کا پوست نکال رہی تھی۔

گوکل کا پوتا جو بارہ سال کا تھا وہ دروازے پر ہانپتے ہوئے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں دودھ سے بھرا مٹی کا پیالہ تھا۔ تھالیاں جب اندر بھجوا دی گئیں تو رسوئی گھر میں خاموشی چھا گئی۔ باسہ کچھ تو کھالو۔ بھگوت سنگھ جی کی

پتنی نے کانتا کے روبرو تھالی رکھتے ہوئے کہا۔

" ابھی نہیں مالکن پہلے میں گیتا بی جی کو دیکھ تو آؤں اس کا مزاج ٹھیک تو ہے نہ؟ وہ یہاں کیوں نہیں آئیں؟ آج صبح نوکر جو کچھ کہہ رہے تھے اگر تم نے سنا ہوتا تو کوئی بھی ان کا سامنا کرنے سے خوف زدہ ہو جاتا اس وجہ سے اس میں نیچے آنے کی ہمت نہ تھی۔ مجھے خوشی ہے کہ آج ا-جے بابو واپس آ رہے ہیں ان کی غیر موجودگی میں بہت کچھ ہوا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ یہ تو نہ سمجھ بیٹھے گا کہ ہم نے اس کی پتنی کے ساتھ کوئی زیادتی ہے۔

کانتا جب گیتا کے کمرہ میں داخل ہوئی تو وہ کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ کانتا کو اندر آتے ہوئے دیکھ کر اس نے کتاب بند کر ڈالی۔

" بی جی میں نے خلل ڈالا تم پڑھتی رہو میں تھوڑی دیر بعد بعد میں آجاؤں گی کچھ دن تو میں یہاں ٹھہروں گی اور ہاں کوئی جلدی بھی تو نہیں ہے۔ کانتا نے پشیمانہ انداز میں کہا۔" نہیں بائی سہ آؤ میرے پاس بیٹھو۔ گیتا نے گرم جوشی سے اس کی آؤ بھگت کی اس کی ساس نے نوکروں کو جو برا بھلا کہا تھا وہ اس نے سب کچھ سن لیا تھا لیکن اس کے باوجود اس کو ذہنی سکون نہ تھا۔ وہ سیتا کے بارے میں اپنے پتی سے کہنا چاہتی تھی۔ اس کو ابھی بھی اسکول سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔

کانتا نیچے پڑے ہوئے گدیلے پر آرام سے لیٹ گئی۔ اس نے انگیہ سے پان کی ڈبیا نکالی اور اطمینان سے پان چبانے لگی اس نے گیتا کے افسردہ چہرہ کو دیکھتے ہوئے کہا " بی جی تم نوکروں کی باتوں پر دھیان مت دو۔ وہ سب بگڑی ہوئی ہیں وہ یہ سمجھتی ہیں کہ ہم ان کا خون چوس رہے ہیں جب کہ کارخانوں کے مزدور روزانہ آٹھ گھنٹے کام کر کے سو دو سو روپیہ ماہوار کما لیتے ہیں۔

" بائی سہ نوکروں کا یہ کہنا ٹھیک ہی تو ہے گیتا نے رنجیدگی سے کہا۔ اسکول جاتے وقت سیتا انھیں جو زیادہ پریشان کرتی ہے اسی وجہ سے وہ مجھ پر خفا ہیں۔ آخر کار انھوں نے ہی سیتا کی پرورش کی تھی اور اس کو اپنی ہی لڑکی کی طرح سمجھا۔ اس طرح کا لاڈ و پیار اور کہاں ملے گا؟

"ہاں تمھارا کہنا ٹھیک ہی ہے۔ کانتا نے کہا۔ جب میں بیوہ ہوئی تو میری نوکرانی پر کئی مشکلیں آپڑیں لیکن اس نے میرا ساتھ نہ چھوڑا اور زیادہ روپیہ کے لیے کوئی دوسری حویلی میں کام کرنے پر وہ رضامند نہ ہوئی۔ اس نے کہا "میری ماں نے مجھے تمھاری نگرانی میں چھوڑا تھا اور اب اسی گھر سے میری ارتھی اٹھے گی۔

"بی جی۔ جب میرے پتی زندہ تھے تو زندگی چین سے گزرتی تھی۔ ہمارے یہاں نوکر تھے۔ اتنے تو نہیں جتنے کہ اس حویلی میں ہیں لیکن وہ ہماری ضروریات کے لیے کافی تھے لیکن یکایک جب وہ چل بسے تو میرے پاس کچھ زیادہ تو تھا۔ دو لڑکوں کی پرورش میرے ذمہ تھی۔ میری ساس کو ہم پر روپیہ خرچ کرنا ناگوار لگتا تھا۔ وہ آج بھی یہی سمجھتی ہے کہ میں نے دھن چھپائے رکھا ہے اور اس کے مرنے تک چھپائے رکھوں گی۔ کانتا نے اس جذباتی انداز میں کہا گویا کہ اس کو کسی کی پرواہ نہیں

گیتا، کانتا کا پرسکون چہرہ تکنے لگی تاکہ اس کے ذہن میں جو جذبات سمائے ہیں اس کا پتہ چل سکے۔ اس نے اپنی چچیری ساس کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا جیسے کہ اس نے حویلی میں دوسروں کے حالات بھی سن رکھے تھے لیکن اس نے جو کچھ سنا تھا اس میں کتنی حقیقت ہے اس کا اندازہ لگانا دشوار امر تھا۔ گیتا کو کانتا سے رغبت تھی وہ ایک زندہ دل شخصیت تھی۔ جو اپنا بھاری بھرکم بدن ناز و انداز سے لیے پھرتی تھی۔ موٹاپے کی وجہ سے اس کی وجہ سے اس کی رفتار سبک سی تھی۔

کانتا کی شخصیت میں ایسا کوئی راز پنہاں نہیں تھا جس کو جاننے کے لیے گیتا بے چین تھی۔ وہ ایک سیدھی سادی اور صاف دل عورت تھی۔ اس کے خیالات کسی سے پوشیدہ نہ تھے۔ اور اسی وجہ سے اس سے میل جول پیدا کرنا دشوار نہ تھا۔ اس کی عمر تیس سال کے لگ بھگ ہوگی لیکن بیوگی کی وجہ سے اس کی ہمت اور اعتماد کی بنیادیں کھوکھلی نہیں تھیں۔ اس میں وہ متانت اور رحمدلی تو نہ تھی جو ماںجی کی صفات تھیں۔ سوائے ژٹل بازی کے کانتا کو دوسروں کے مسائل سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ وہ خود اپنی الجھنوں میں اس طرح

جکڑی ہوئی تھیں کہ وہ دوسروں کی مشکلات پر سنجیدگی سے توجہ نہ دے سکی۔ اس کی آدم بیزاری نے اس کی گستاخی کی پردہ پوشی کردی تھی۔ وہ مسلسل اپنے مقدر کا گلہ کرتی تھی اور اپنے دو لڑکوں کی کامرانی کے ذریعہ اپنی تقدیر سے مقابلہ کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

میری ساس کے اپنے جو تصورات ہیں اس کی وجوہات بھی تو ہیں۔ کانتا نے پان اور تمباکو پتی چباتے ہوئے کہا۔" تم جانتی ہو کہ میرے پتی نے جوانی میں ہی دم توڑ دیا لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ مجھے دھن نہیں چاہیے؟ یہ تو میری بدقسمتی تھی اس میں کسی کا قصور نہیں۔ اس نے سادہ لوحی سے کہا اور تھوڑی دیر وہ اپنے خیالات میں گم وہاں خاموش بیٹھی رہی گیتا نے گھبراہٹ میں اپنی ساڑی کا پلو تھام لیا اور کانتا کی داستان سننے کی منتظر تھی۔

کانتا جو خواب و خیال کی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی۔ کہنے لگی ایک غریب گھرانہ میں میرا بیاہ ہوا حالاں کہ میرے پتا کے پاس کافی دولت تھی۔ امیر باب کے بیٹے ہونے کے ناتے انھوں نے کبھی محنت نہیں کی۔ لیکن میرے دادا جی ایک چالاک اور رحم دل انسان تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کا لڑکا کئی بری عادتوں کا شکار بن چکا ہے۔ جس کی وجہ سے میری ماں کی زندگی اجیرن بن گئی تھی وہ میری ماں کے لیے فکرمند رہنے لگے اور ان کی مدد کرنی چاہی تاکہ ان کی موت کے بعد انھیں کسی کا محتاج نہ بننا پڑے لیکن اب تو تمھیں پتہ چل گیا ہوگا کہ حویلیوں میں پوشیدہ طور پر کوئی کام کرنا کتنا دشوار ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے لڑکے کو ناراض کرکے اپنے خاندان والوں کی نکتہ چینی برداشت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد ان کی صحت گرنے لگی۔ میں ان کی چہیتی پوتی تھی۔ اور میں زیادہ تر ان کے پاس اپنا وقت گزارا کرتی۔ انھیں رنج تھا کہ میرا بیاہ ایک غریب گھرانہ میں ہوا حالاں کہ وہ ایک شریف گھرانہ تھا ایک دن جب کہ حویلی میں کوئی خاندانی افراد نہیں تھے تو انھوں نے مجھ کو اپنے پاس بلایا اور کہا" غور سے سنو اس کو اچھی طرح یاد رکھنا اب میری زندگی کے بہت کم دن باقی رہ گئے ہیں۔ اودے پور کے مضافات میں وہ جو کھیت سے لگا ہوا ہمارا مکان ہے وہاں تمھارا چاچا جو دمہ کا مریض ہے

رہتا ہے۔ وہاں کے بھنڈار والے کمرہ میں پرانے جاروب اور بالٹیاں رکھی ہوئی ہیں جیسے ہی تم اس کمرہ میں داخل ہوگی تو تمھیں جو بائیں دیوار دکھائی دے گی، اس میں سونا اور چاندی چھپا دیا گیا ہے۔ اس کو کوئی نہیں جانتا کئی برس پہلے جب کہ تم چھوٹی سی تھیں تو میں نے اس پر سیمنٹ چپکا دیا تھا۔ آنے والے دنوں کا خیال کرتے ہوئے بغیر ڈینگیں بجائے گزارہ کرنا دانشمندی کی نشانی ہے۔ میرے گزر جانے کے بعد تم یہ دیوار گرا دو یہ پیسہ تمھارے اور تمھاری ماں کے لیے ہے۔ میں جانتا ہوں کہ دولت سے خوشی خریدی نہیں جاسکتی البتہ اس سے اس سے زندگی کا بوجھ تو ہلکا ہو جاتا ہے۔ چند ہفتوں بعد وہ چل بسے۔

"کیا تمھیں وہ سونا ملا؟ گیتا نے بے صبری سے پوچھا۔

ہاں، وہاں سب کچھ موجود تھا۔ سونے کی گلٹیاں سونے اور چاندی کے سکّے اس دیوار میں گڑے ہوئے تھے۔ یہ کہتے ہوئے وہ رک گئی۔ اس نے گہری سانس لیتے ہوئے غمگین آواز میں کہا " بی جی نصیب میں جو لکھا ہے بس اتنا ہی ملتا ہے اس سے بڑھ کر نہیں۔ میری ماں ایک انوکھی عورت تھی اس کو بھگوان پر بھروسہ تھا اور وہ نیک طینت تھی۔ افسوس کی بات ہے کہ تمھارے بیاہ سے پہلے ہی وہ چل بسی۔ دادا جی نے مجھ سے جو کہا تھا جب میں نے ماں کو بتلایا تو وہ خوف زدہ ہوگئی۔ وہ مکّار نہیں تھی۔ وہ ایک بھولی بھالی اور قابل اعتماد عورت تھی اس نے میرے پتا کو اس پوشیدہ سونے کے بارے میں سب کچھ تو بتلا دیا لیکن دادا جی نے جو کہا تھا اس کو راز ہی میں رکھا وہ کوئی ایسی بات نہ کہنا چاہتی تھی جس کی وجہ سے میرے پتا کی عزت کو بٹہ لگے۔ وہ ایک وفادار ہندو پتنی تھی جو اپنے پتی کو پرمیشور سمجھتی تھی اور جب میرے پتا چل بسے تو سب روپیہ پیسہ میرے بھائی کے ہاتھ لگا۔

وہ کچھ دیر خاموش رہی اور پھر اکتا دینے والی آواز میں کہنے لگی " چند برسوں تک میری بھاوج میری ماں سے اچھا برتاؤ کرتی رہی لیکن بعد میں وہ اس پر روپیہ خرچ کرنے پر خفا ہونے لگی۔ میری ماں نے کوئی شکایت نہیں کی۔ جب سگے سمبندھیوں نے اس کو پھٹے پرانے گھاگھرے پہننے کی وجہ دریافت کی تو وہ

صرف بہانے بناتی رہی لیکن اپنی بہو کے خلاف اس کے بعول پر ایک حرف شکایت نہ آیا اور اگر جیتے جی وہ مجھ کو بیوہ بنتے ہوئے نہ دیکھتی تو اس کی آخری گھڑیاں سکون سے تو گزر جاتیں۔ بیوگی نے اس کو اور زیادہ غمزدہ بنا دیا اور اسی غم میں وہ دنیا سے چل بسی اپنی باطنی اور جذباتی طلاطم کو چھپانے کے لیے وہ مسکرانے لگی۔

گیتا یوں ہی ٹکٹکی باندھے بیٹھی تھی اور اپنا اظہار خفگی چھپاتی ہوئی اپنی چچیری ساس کو گھورنے لگی۔ اس نے اس کے سڈول اور ہنس مکھ چہرے کو دیکھا تو وہ طیش میں آگئی۔ وہ اپنی بلند آواز میں اس کی بے پرواہی کی مذمت کرنا چاہتی تھی وہ کہنا چاہتی تھی کہ ہر ایک واقعہ کو قسمت کا لکھا قرار دینا سراسر غلطی ہے اور اپنے حصّہ کا روپیہ حاصل کرنے کے لیے اپنے بھائی سے لڑنا چاہیئے؟ اور سبھی پر اپنی خوش مزاجی کا اظہار کرنے کے لیے اپنی زندگی کے یہ دن یوں ہی ضائع نہیں کرنے چاہیئں۔ لیکن اس نے اپنی زبان بند رکھی البتہ عالم خفگی میں اس کے لب تھرتھرا رہے تھے۔

میں نے اتنا کچھ کہہ ڈالا کہ مجھے وقت کا خیال ہی نہ رہا۔ بچّے واپس آ چکے ہوں گے کیوں کہ نیچے بہت شور وغل سنائی دے رہا ہے۔ کانتا افسردگی سے یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

” مجھے بھی یہ یاد نہ رہا کہ آج آدھے دن کا اسکول ہے۔ یہ کہتے ہوئے گیتا چلنے کے لیے تیار ہوگئی۔ سیتا کے متعلق اس کے دل میں جو شبہات تھے وہ کانتا کی اس دکھ بھری کہانی نے بھلا دیئے۔ اس نے اپنے بال ٹھیک کیے چہرہ پر گھونگھٹ ڈال لیا اور کانتا کے ہمراہ کمرہ سے باہر نکل پڑی۔

سیتا اور وجے رسوئی گھر کے برآمدہ میں بیٹھے ہوئے ایک مصوّر کتاب دیکھ رہے تھے۔

سیتا ادھر دیکھ۔ آپیل کے لیے A لکھا جاتا ہے۔ وجے نے اپنی چمکتی ہوئی آنکھوں سے کہا اور کہنہ کے لیے B لکھا جاتا ہے۔ میں تجھے روزانہ دو لفظ سکھلاؤں گی تم اچھی لڑکی ہو اور تمھیں لکھنے کی مشق کرنی چاہیئے یہ کہتے ہوئے وہ اس کتاب کے حروف پر انگلیاں رکھ سیتا کو پڑھانے لگی۔

خادمائیں اِدھر اُدھر چل پھر رہی تھیں ان کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو امڈ آئے وہ سیتا کو اپنی چھاتی سے لگانے کے لیے بیتاب تھیں لیکن سیتا کی نگاہیں تو اس مصور کتاب پر لگی تھیں جس میں ہر ایک حرف سے بنتے ہوئے الفاظ کی تصاویر تھیں وہ ان تصاویر کو دیکھنے میں اتنی محو تھی کہ جب گیتا اس کے روبرو کھڑی تھی تو اس نے اپنا سر اوپر نہیں اٹھایا۔

"بھابھی دیکھو تو سیتا کو کتنی کتابیں ملی ہیں۔ یہ تو میری کتابوں سے بھی بہتر ہیں" وجے نے جوشیلے انداز میں کہا۔ سیتا کیا ماسٹروں نے تمھیں مارا تھا؟ مالکن نے گیتا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا

"نہیں مالکن"

"کیا لڑکیوں نے تم سے روٹیاں چھینی تھیں؟" مالکن نے ہر ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔

"نہیں مالکن" مجھے اسکول جانا پسند ہے۔ سیتا نے بے دلی سے اپنی نظریں کتاب پر سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

مالکن کے یہ سوالات خادماؤں کو ناگوار لگے اور وہ اِدھر اُدھر بکھر گئیں۔ صبح انھوں نے جو ہنگامہ برپا کیا تھا اس پر وہ نادم تھیں۔

کھیالی یہ سب کچھ ہنسی خوشی سن رہا تھا۔ جب کبھی رسوئی گھر میں کوئی گڑبڑ ہوتی تو اس کو انتہائی مسرت ہوتی۔ وہ اور زیادہ لگن سے کام کرتا رہا اور خادماؤں کو ڈانٹنے لگا۔ مالکن کو بھڑکانے کی اس میں عادت سی ہوگئی تھی لیکن جس خاص قسم کا کھانا وہ بنا رہا تھا اس پر اس کی پوری توجہ لگی ہوئی تھی۔ دس دن قیام کرنے کے بعد اجیت سنگھ دہلی سے واپس آ رہے تھے۔ اور بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے ان کے لیے کئی چیزیں تیار کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔ خادمائیں کھیالی کی ہدایتوں پر بلا چون وچرا عمل کر رہی تھیں۔

تلنے سے قبل کھیالی جو قسم قسم کے مسالوں کا مرکب تیار کر رہا تھا۔ گیتا اس کو بغور دیکھ رہی تھی۔ سیتا کو کتاب پڑھنے میں مصروف دیکھتے ہوئے اس کو اطمینان ہوا۔ کانتا کو کتاب پڑھنے میں مصروف دیکھتے ہوئے اطمینان ہوا۔ کانتا

برآمدہ میں مصروف پاری سے بات چیت کرنے میں محو تھی کہ یکایک کار کے ہارن کی آواز سنائی دی جس سے سب کو اجے سنگھ کی آمد کا پتہ چل گیا۔

اجے سنگھ اپنے پتا کو آداب بجالانے کے بعد اندرونی آنگن میں داخل ہوئے۔ انھوں نے اپنی ماں کے پیر چھوئے اور مزاج پرسی کے بعد نہانے کے لیے اپنے اوپر والے کمرہ میں چلے گئے۔

گیتا رسوئی گھر میں ہی ٹھہری ہوئی تھالیاں آراستہ کر رہی تھی۔ اجے سنگھ ان کے ماتا پتا اور کانتا نے دیوان خانہ ہی میں بھوجن کیا۔ خادمائیں ایک دوسرے کو کنکھیوں سے اشارہ کرتے ہوئے گیتا کی طرف دیکھ رہی تھیں جو اپنے تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں سے مسور کی دال، گرماگرم چاول اور گرم گرم روٹیوں پر گھی ڈال رہی تھی وہ چاہتی تھیں کہ گیتا اپنا کام کرتی رہے اور اس کے ہاتھوں سے کوئی چیز گر پڑے تب وہ اس کی مدد کے لیے آگے بڑھیں گی کھیالی بڑبڑانے لگا وہ نہیں چاہتا تھا کہ چھوٹی مالکن رسوئی گھر میں موجود رہے کیوں کہ وہ اس کے کاموں میں رکاوٹ بنی ہوئی تھی۔ وہ تیزی سے کام کرنا چاہتا تھا۔

جب سبھی کھاپی چکے تو رسوئی گھر کے برآمدہ میں گیتا نے بھی بھوجن کر لیا۔ اور وہ اپنے کمرہ میں چلی گئی۔ وہ بے صبری سے اپنے پتی کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی ساس اپنے لڑکے کو سیتا کے بارے میں سب کچھ بتلا دے گی اور یہ سننے کے بعد ہی اس کا پتی اپنے کمرہ میں آئے گا۔

اجے اپنے کمرہ میں داخل ہوا اور مسکراتے ہوئے کہا۔ تو تم بہت بڑے طوفان سے گزر چکی ہو۔ گیتا جو کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی وہ اپنے پتی کے کہنے پر حیرت زدہ ہو گئی۔

" تو تم نے پاری پر میری فتح یابی کی ساری کہانی سن لی۔ گیتا یہ کہتے ہوئے کھڑکی سے ہٹ کر پلنگ پر بیٹھ گئی۔ یہ کامیابی تو دھاپو کی چالاکی کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے اس کی داد دینی چاہیئے لیکن مجھ کو پاری پر اتنا غصہ آیا کہ میں نے اس کے انجام کی پرواہ کیے بغیر ثابت قدم رہی۔" تم نے جو کیا وہ ٹھیک

کیا مجھے تم پر ناز ہے۔ اب حویلی میں نئی فضا پیدا کرنے کا وقت آچکا ہے۔ اجے سنگھ نے یقین کلی سے کہا۔

تمھارا یہ کہہ دینا آسان تو ہے لیکن اس کے لیے مجھے نوکروں، سگے سمبندھیوں اور تمھاری ماں کی ناراضگی برداشت کرنی پڑی۔ جس تیزی اور تندہی سے میں نے یہ کارروائی کی اور جو پشیمانی سہنی پڑی وہ تمھیں بتا نہیں سکتی اگر میرا بس چلتا تو میں یہاں سے بھاگ نکل پڑتی تمھاری غیر موجودگی تو میرے لیے قیامت بن گئی گیتا نے اپنی پرجوش آواز میں کہا۔" چلو اب تو میرے قریب بیٹھو اور اپنے دلی کے سفر کے بارے میں بتاؤ۔ تم نے وہاں کیا کیا؟ دہلی کا نام سنتے ہی اجے سنگھ کے چہرہ کا رنگ فق ہوگیا اور اس کی آنکھوں میں سیاہی دوڑ گئی اس نے گیتا کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا تم نے جو کیا ٹھیک کیا۔

اگر میں تمھاری جگہ ہوتا تو مجھ سے یہ دلیرانہ اقدام ناممکن تھا لیکن تم فکر مت کرو میں واپس آگیا ہوں میں تمھاری ہر طرح سے مدد کروں گا۔ جانتی ہوں کہ میرے ماں کے زمانے کے دستور بہت جلد ختم ہوجائیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ ہماری طرز زندگی اور پردہ نشینی ختم ہوجائے گی۔ اب وقت آچکا ہے کہ تم انھیں کوئی نیا طریقہ سکھلاؤ۔

یہ تبدیلیاں اتنی جلدی تو عمل میں نہیں آئیں گی جس طرح تم سمجھتے ہو۔ گیتا نے مایوسی سے کہا تم یہاں کی عورتوں سے واقف نہیں ہو۔ یہ جاہلیت اور توہمات میں گھری ہوئی ہیں، وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ارجن نجومی کے پاس دوڑتی ہیں حالاں کہ لکشمی کے بارے میں اس کی پیش گوئی غلط ثابت ہوئی تھی۔ وہ ایک بدمعاش ہے جو گنوار عورتوں کو پھسلاتا ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے اس کا ننانوے فی صد غلط ثابت ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ عورتیں روپیہ اپنے ہاتھ میں دبائے اس کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہیں۔ اب ایسے لوگوں کو کیسے تعلیم دی جاسکتی ہے۔

اب حویلی کے بارے میں کچھ اور مت کہو میں حویلی کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہوں۔ تم یہ بتلاؤ کہ تم نے دہلی میں کیا کیا؟ وہ اصرار

کرنے لگی۔

"میں یونی ورسٹی میں بہت مصروف رہا اور باہر کہیں جانے کا موقعہ نہیں ملا۔" اجے سنگھ نے کہا۔

گیتا حیرت زدگی سے اپنے پتی کو بغور دیکھنے لگی اور اس کی مزید باتیں سننے کی منتظر تھی۔

اجے سنگھ جو گھبرائے ہوئے تھے وہ گدیلے سے آہستگی سے اٹھ کھڑے ہو گئے اور بستر پر گیتا میں تم سے جو کہوں گا وہ سن کر تمھیں مایوسی ہوگی۔ مجھے اودے پور یونی ورسٹی کے شعبہ علم طبیعیات کے صدر کا عہدہ دیا گیا ہے اور میں دہلی کی بجائے یہیں رہنا پسند کرتا ہوں وہاں مجھ جیسے کئی اور لوگ بھی تو ہیں لیکن یہاں پر ملازمت کرنا زیادہ مفید رہے گا۔

گیتا نے یہ سن کر تھوڑی دیر کے لیے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور دلیرانہ انداز میں کہا۔ میں جانتی تھی کہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے مجھ کو پہلے کیوں نہ بتلایا۔ میں یہ اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم اودے پور چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔ لیکن میری طرف اس طرح تو نہ دیکھو۔ مجھے تمھاری ہمدردی کی ضرورت نہیں اجے، گیتا کے باوقار اور سرخ رو چہرہ کو تکنے لگا اور اس کو اپنے قریب بھینچ لیا۔ اس رات گیتا جب اپنے بستر پر لیٹی تو اس نے ایسا محسوس کیا گویا کہ اس کے سر سے ایک بھاری بوجھ اتر چکا ہے۔ اس کو پتہ چلا کہ اودے پور چھوڑ دینے کی اس کی جو تمنا تھی وہ محض ایک دھندلا سا خواب تھا جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ اس کو مایوسی کے بجائے سکون حاصل ہوا ان چند الفاظ نے اس کی بے چینی دور کر دی وہ ایسی گہری نیند سو گئی جیسے کہ وہ کئی مہینوں سے جاگ رہی ہو۔

چھٹا باب

سیتا کو اسکول جاتے ہوئے تین ماہ بیت گئے۔ خادماؤں کو سیتا کے بارے میں جو خوف لگا تھا وہ بے بنیاد ثابت ہوا۔ وہ صبح خود جاگ اٹھتی اور اسکول جانے کے لیے تیار ہونے میں ملازموں کو کوئی زحمت نہ دیتی، وہ اپنا چہرہ خود صاف کر لیتی۔ وہ ان تین مہینوں میں قدرے سدھر گئی اور جب ملازم اس کو برتن مانجھنے یا جھاڑو لگانے کے لیے کہتے تو وہ ان سے بحث نہ کرتی وہ نوکروں کے بچوں سے لڑائی جھگڑا نہیں کیا کرتی اور اپنی کوئی غلطی نہ ہونے پر بھی وہ ان کی بات مان لیتی۔ اس کے باوجود نوکروں کے بچے اس سے دور دور رہا کرتے اور جب کبھی اس کو وجے کا پرانا فراک پہنے ہوئے دیکھا کرتے تو وہ اس پر چپکے چپکے ہنس پڑتے۔ اس کو ڈراتے دھمکاتے اور بیٹھ پیچھے اس کو چھوٹی مالکن کہا کرتے۔ لیکن سیتا ان کے طعنوں کو نظر انداز کرتے ہوئے حویلی کے کاموں میں لگی رہتی۔ ہر شام وہ اب گائے کے چارہ میں کھلی ملا دیتی اس سے پہلے تو اس نے یہ کام کرنے سے انکار کر دیا۔

وہ اپنے اسکول کے بارے میں کچھ نہیں کہتی اور جب اس کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ گھبراہٹ میں اپنا سر جھکا دیتی اور اپنی انگلیوں کے ناخن کترنے لگتی۔

حویلی کے نوکر اس کی پچھلی شرارتوں کو بھول چکے تھے۔ سیتا یہ جانتی تھی کہ لڑکیاں اسی کی طرح لاچار ہیں۔ ان لڑکیوں نے دھیان نہ دیا کہ سیتا کا فراک

لمبا ہے یا اس کی اونی بنیان کا رنگ پھیکا پڑ چکا ہے اور جگہ جگہ سے پھٹا پڑا ہے۔ استانیاں اس پر مہربان تھیں اور جب وہ پڑھنے لکھنے میں متواتر غلطیاں کر بیٹھتی اور گھر پر کرنے کے لیے جو کام دیا جاتا تھا وہ نہیں کرتی تو اس کو جھڑکا نہیں کرتی تھیں لیکن اس کے باوجود سیتا کو سب سے زیادہ خوشی توو جے کے ساتھ اسکول جانے اور آنے میں حاصل ہوتی تھی۔

جب وہ کار سے نیچے قدم رکھتی تو اسکول کی لڑکیاں اس کو گھیر لیتیں۔ وہ انھیں بتاتی کہ وجے کے پاس کتنے اچھے کھلونے ہیں اور کتنی دل لبھانے والی چیزیں اس کی الماری میں سجائی گئی ہیں۔ یہ لڑکیاں دلچسپی سے یہ سب کچھ سنتیں۔

اسکول سے واپس گھر لوٹتے ہوئے وجے ہمیشہ گرما گرم چٹ پٹی چیزیں خریدا کرتی۔ سیتا آنگن میں داخل ہونے سے پہلے اپنے ہونٹوں پر چپکے ہوئے ٹکڑے صاف کر دیتی۔ ان تین مہینوں میں سیتا کو احساس ہونے لگا کہ وہ دوسرے نوکروں کے بچوں کی بہ نسبت اس کا رتبہ بلند ہے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اسی وجہ سے نوکروں کے بچے اس پر ناراض تھے۔ وہ اپنے آپ کو ان سے جدا تو نہیں سمجھتی تھی البتہ اسکول میں داخلہ کے بعد اس کو ان بچوں کے ساتھ کھیل کود کے لیے بہت کم موقع ملتا تھا۔

دن گزرتے گئے اور گرمیوں کی چھٹیوں کے لیے اسکول بند ہونے کا وقت آ چکا تھا۔ گرم ہوا کے جھونکوں نے حویلی میں آلودگی بکھیر دی تھی اور سوکھے پتوں کا انبار سا لگ گیا تھا۔ گرمی کی تپش سے راہگیروں کے ننگے پیر جلنے لگے اب حویلی کی عورتیں برآمدہ کے بجائے بڑے دیوان خانے میں مالکن کے ہمراہ دوپہر کی دھوپ ڈھلنے تک بیٹھنے لگیں۔ برآمدہ میں مکھیوں کا تسلط تھا۔ نہ جانے ان مکھیوں میں اِدھر اُدھر بھنبھنانے کی قوت کہاں سے آ گئی جب کہ ہر کوئی پسینہ میں شرابور بیزارگی محسوس کرنے لگا تھا۔

حویلی کے معمولات میں محض کام اور آرام کے اوقات میں تبدیلیاں کی گئیں سورج نکلنے سے پہلے جب کہ ٹھنڈی ہوائیں چلتی تھیں تو گھر کے سب لوگ جاگ اٹھتے اور سورج کی گرمی تیز ہونے سے قبل ہی صفائی اور پکوان کا کام ختم کر دیتے

جاڑوں کی بہ نسبت گرمیوں کی دوپہر میں زیادہ تر خاموشی چھائی رہتی اور گرمی کے ان اوقات میں ملاقات کے لیے کوئی باہر تو نہیں نکلا کرتا۔

گرمیوں کے دن نوکروں کے بچّوں کے لیے خوشی کے دن ہوتے ہیں سورج کی شعاعیں جب تیز ہوتیں تو گرم ہوائیں اپنے ساتھ دھول لے آتیں انھیں گرمیوں میں حویلی کے پیچھے درختوں میں پھل لگتے۔ گلیوں اور قریب کی حویلیوں کے بچے ہر سال آم چرانے اور کچّے پھل کھانے کے لیے جیون نواس کے پچھواڑے چلے آتے۔ ایک دن سیتا سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی کچا آم چبا رہی تھی۔ وجے دوسرے نوکروں کے بچّوں کو اپنے ساتھ لیے، ہوئے کچّے آم نیچے گرانے کے لیے درختوں پر پتھر پھینک رہی تھی۔ کچھ اور بچّے جامن کے پیڑ کی ڈالیوں پر بیٹھے ہوئے رسیلے اور بیگنی رنگ کے بیر توڑنے میں مگن تھے۔ "دیکھو تو سیتا میں کیا لائی ہوں"۔ وجے خوشی خوشی اپنے کرتے میں اکٹھا کیے ہوئے چھوٹے چھوٹے سبز رنگی آم دکھانے لگی۔

وجے بائی سہ اسکول پھر کب کھلے گا؟ یہ کہتے ہوئے سیتا، وجے کے قریب بیٹھ گئی۔" ہاں میں تو بھول ہی گئی کل ہمارے اسکول کے بند ہونے کا آخری دن ہے کتنا مزہ آئے گا جب کہ ہم صبح صبح یہاں آجایا کریں گے"۔ سیتا، ہم بھی جامن کے پیڑ پر چڑھیں گے۔ ادھر دیکھو تو وہ سب لڑکے کس طرح جامن کھا رہے ہیں۔ اور صرف گلے سڑے جامن نیچے پھینک رہے ہیں۔

" وجے بائی صاحب اسکول دوبارہ کب کھلے گا؟ سیتا جو کھوئی ہوئی تھی پوچھنے لگی۔ مجھے کچھ پتہ نہیں وجے نے لاپرواہی سے کہا۔ اسکول تو بہت دنوں بعد کھلے گا۔ میں تو بہت خوش ہوں۔ مجھے اسکول سے نفرت سی ہے۔

" بائی صاحب۔ تم جانتی ہو کہ مجھے اسکول جانا کتنا اچھا لگتا ہے۔ سیتا نے اپنی دھیمی اور خفیہ آواز میں کہا۔" مورکھ کیا تجھے اسکول جانا اچھا لگتا ہے۔ تو سچ مچ نادان ہے۔ تجھے ٹھیک طور سے لکھنا پڑھنا تو آتا نہیں اور تجھے اسکول جانا پسند ہے۔ وجے نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔" بکواس بند کر میرے ساتھ چل اور آم توڑنے میں مدد کر۔" سیتا کی چھوٹی سی زبان بند ہو گئی۔ گویا کہ

اس کی انگلی میں کانٹا چبھ گیا ہو لیکن اس نے وہی کیا جو اس سے کہا گیا۔ وجے کا یہ کہنا تو اس کو ناگوار لگا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بے دلی سے آم اکٹھا کرنے لگی۔ نیچے گرے ہوئے پھل اکٹھا کرنے کے لیے بچے اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے۔ گوکل جس کے ہاتھ چھڑی تھی۔ وہ چلاتے ہوئے سیڑھیوں سے نیچے اتر آیا۔

"کمینے حویلی سے پھل چراتے ہوئے تمھیں شرم نہیں آتی ؟ تم ادھر تو آؤ اور دیکھو کہ تمھاری ہڈی پسلی کس طرح توڑتا ہوں۔ یہ سنتے ہی بچے جتنا ہو سکے اتنے پھل اٹھا لیے اور اِدھر اُدھر بھاگ نکلے اور باقی پھل وہ وہیں چھوڑ گئے۔ انھیں گوکل سے ڈر لگ رہا تھا کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ وہ ان کی ہڈیاں توڑ کر رکھ دے گا کیوں کہ گوکل ان کے پیچھے پیچھے دوڑ نہ سکتا تھا۔ اس لیے وہ چرائے ہوئے پھل اپنے ساتھ لے کر بھاگ نکلتے اور بقیہ پھلوں کے لیے بعد میں وہاں لوٹ آتے۔

گوکل جس کے پیروں کے جوڑ میں درد تھا وہ لڑکھڑاتے ہوئے آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ وہ اپنی چھڑی ہلاتے ہوئے چلانے لگا۔" پاجی، بدمعاش۔ اس بار تو تمھیں چھوڑ دیتا ہوں لیکن پھر کبھی تم نے یہاں قدم رکھا تو تمھاری ایک ہڈی بھی سلامت نہیں رہے گی۔ وجے اور سیتا ہاتھ پیر سمیٹے ہوئے اپنی کھلکھلاہٹ چھپانے لگے۔ گوکل کی نگاہیں جب ان دو لڑکیوں پر پڑی تو اس نے اپنی چھڑی نیچی کر لی اور احترام میں اپنے ہاتھ جوڑتے ہوئے نرم لہجہ میں کہا۔" وجے بائی صاحب یہ کچے آم مت کھاؤ۔ اس سے تمھارا گلا خراب ہو جائے گا یہ نکمے تو پھلوں کو پکنے ہی نہیں دیتے یہ سب کچھ لے جا کر اپنی ماں کو دے دیتے ہیں اور وہ ان چرائے ہوئے پھلوں کو کھا کر موٹی ہوتی جاتی ہیں ایک دن تو ان کے پیٹ میں کیڑے پڑیں گے تب انھیں سبق حاصل ہوگا۔

گوکل جب دشواری سے اوپر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے گھر واپس جا رہا تو وجے خوشی سے اچھل پڑی اور سیتا اپنا اظہار سنجیدگی برقرار رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ سب آم دیکھ کر دھاپو جی تو خوش ہو جائے گی وہ بہت ہی مزیدار

چٹنیاں تیار کرتی ہے۔ یہ کہتے ہوئے سیتا اپنے فراک کے پچھلے حصہ میں نیچے گرے ہوئے سبز رنگ کچے آم بٹوانے لگی۔

" خبردار۔ میری دادی تمھیں کہیں دیکھ نہ پائے ورنہ وہ تمھارے چٹنی بنا دے گی۔ وجے ہنستے ہوئے کہنے لگی۔

بائی صاحب یہ تو میں جانتی ہوں اس لیے تم اوپر حویلی چلی جاؤ اور میں پچھواڑے سے ہوتے ہوئے نوکروں کے مکانوں تک پہنچ جاؤں گی میرے پتا وکرم کے لیے جو نئے کھلونے لائے ہیں۔ وہ میں تجھے دکھاؤں گی۔ وجے نے یہ کہتے ہوئے حویلی کی سیڑھیوں کا رخ کیا۔ وہ بھول چکی تھی کہ اس کے سخت الفاظ سے سیتا کو ٹھیس لگی تھی۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے جوں ہی وجے کو برآمدہ میں تنہا دیکھا تو اس نے پوچھا سیتا کہاں ہے؟

" بڑی بھابھی وہ منہ ہاتھ صاف کرنے کے لیے نوکروں کے مکان گئی ہے آج اس کو کیا گیا ہے کہ وہ تمھیں دوسرے بچوں کے ساتھ چھوڑ کر ہاتھ منہ دھونے کے لیے نیچے چل پڑی۔ مالکن نے ناراضگی سے کہا۔ بڑی بھابھی ابھی تک تو وہ میرے ساتھ تھی۔ میں نے ہی اس کو جانے کے لیے کہا تھا۔ وجے نے صحیح بات چھپانے کے لیے یہ کہہ ڈالا۔" وجے بائی سا میں بچی تو نہیں پاری نے وجے کو اپنے قریب گھسیٹتے ہوئے کہنے لگی۔" کنورانی سا تم بھول گئیں کہ یہ آم کا موسم ہے۔ مالکن مسکرانے لگی اور اپنی پوتی کو پیار بھری نظروں سے دیکھا اور کہنے لگی۔

" ہاں اب میں سمجھ گئی۔ اب تو میں بوڑھی اور غبی ہو چکی ہوں اور حقیقت جاننے میں تو مجھے دیر لگی ہے۔

جیسے ہی بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے اپنی بات ختم کی سیتا برآمدہ میں نظر آئی پاری جھٹکا لگا کر وجے اس کی گرفت سے آزاد ہو گئی اور سیتا کی طرف دوڑنے لگی۔

" اس لڑکی کے لیے وجے سب کچھ کرے گی مالکن نے آہ بھرتے ہوئے پاری سے کہا پتہ نہیں کہ اس کو سیتا میں کیا جاذبیت نظر آتی ہے۔

پاری نے کہا" میں تو صرف اتنا ہی کہوں گی کہ سیتا کا جنم کسی شبھ دن ہوا ہوگا وہ ان دونوں لڑکیوں کو اوپر کی جانب سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

باوجود اس کے کہ وہ ماں کے پیار سے محروم رہی لیکن تمھاری فیاضی نے اس کو اس محرومی کا احساس ہونے نہیں دیا۔ لیکن پاری مجھے تو بار بار لکشمی کا خیال آتا رہتا ہے۔ بغیر کسی سہارے اس کی زندگی ناشاد رہے گی اس کو اپنی لڑکی کی جدائی کا غم تو ضرور ہوگا۔ پاری جو مالکن کو پنکھا جھل رہی تھی کہنے لگی ''وہ تو اسی شہر میں کہیں رہتی ہے لیکن اس کا صحیح پتہ کوئی نہیں جانتا۔ میں سمجھتی ہوں کہ بی جی نے سیتا کو اسکول جو بھجوایا وہ اس نے ٹھیک ہی کیا ابھی تک تو اس لڑکی میں کسی قسم کی شوخی پیدا نہیں ہوئی۔ وہ ہر ایک کی فرماں برداری کرتی ہے اور اس کو جو کام دیا جاتا ہے۔ وہ کر دیتی ہے۔ تعلیم نے اس کا کچھ نہیں بگاڑا ہے مالکن نے کہا۔

پاری نے اثبات میں سر ہلایا اور تھوڑی بعد کنورانی سہ سے کہا۔'' وجے بائی سہ اگر تمھارے پاس کچھ زیادہ پرانے کپڑے ہوں تو میں ان میں سے کچھ اپنی بھانجیوں کو دینا چاہتی ہوں۔ پاری مجھے یہ خوشی ہے کہ تم نے مجھے یہ بات بتائی میں بھی یہی سوچا کرتی تھی۔ وجے تو کچھ سمجھتی نہیں وہ اپنے سب کپڑے سیتا کو دے دیتی ہے۔ بی کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ حویلی میں دوسرے بچے بھی تو ہیں۔ ہمیں دھاپو یا گنگا کے بچوں کا بھی تو خیال رکھنا چاہیئے۔ آخر کار ان کا جنم بھی تو یہیں ہوا تھا۔'' تم ٹھیک کہتی ہو کنورانی سہ پاری نے بیبا کی سے کہا آئے دن سیتا جو نئے کپڑے پہنا کرتی ہے اس پر دوسرے بچے رشک کرنے لگے ہیں۔ وہ یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ انھیں کوئی نہیں پوچھتا۔ اسی وجہ سے وہ سیتا کو اپنا کمینہ پن دکھاتے ہیں اور اس سے بدسلوکی کرتے ہیں۔ وہ تو اس کی قصوروار نہیں سب سے پہلے بی جی کو اس کا احساس ہونا چاہیئے تھا۔ میں تو ہر ایک چیز پر نظر نہیں رکھ سکتی۔'' مالکن نے بیزارگی سے کہا۔

'' کنورانی سہ یہ بی جی کا تو قصور نہیں وہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر دھیان نہیں دیتی۔ دوسرے معاملات پر ان کی توجہ لگی رہتی ہے۔ وہ اگر نہ ہوتیں تو سیتا اسکول کبھی نہیں جاتی۔

ہاں شاید تمھارا کہنا ٹھیک ہی ہے۔ مجھے تو ممنون ہونا چاہیئے۔ اس جیسی تعلیم یافتہ لڑکی اس حویلی کے لیے ناکارہ ثابت ہوسکتی تھی۔ اگر وہ گستاخ اور

لاپرواہ ہوتی تو ہم کیا کر سکتے تھے۔ اس نے کبھی میرے روبرو اپنی آواز نہ اٹھائی اس کے رہن سہن سے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کو حویلی پر ناز ہے۔" بھگوت سنگھ جی کی بینتی کا ہر ایک لفظ غور و فکر سے لبریز تھا۔" پاری وجے کے سبھی کپڑے بنی جی سے لینے کے لیے مجھ کو یاد دلانا۔ بنی جی کو قصوروار ٹھہرانے کی بجائے بذات خود مجھ کو اس سے کہنا چاہیئے تھا۔

ساتواں باب

اسکول بند ہونے کا آخری دن تھا اور مقررہ وقت سے پہلے ہی یہ دونوں لڑکیاں تیار ہوکر رسوئی گھر میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ کھیالی آج خوش مزاج نظر آرہا تھا وہ دہکتی آگ پر دودھ گرم کرتے ہوئے کچھ گنگنا رہا تھا۔ دھاپو پنکھا جھلتی ہوئی رسوئی گھر کے باہر بیٹھی ہوئی تھی اور وکرم خوشی خوشی اس کی گود میں بیٹھا ہوا تھا۔ کھیالی یہ ہیں دو آنے کچھ سبزی خرید لا۔ گنگارام نے برآمدہ میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھیں غصہ سے لال پیلی تھیں اور چہرہ پھلا ہوا تھا۔ " تجھے کیا ہوگیا ہے؟ گرمی نے شاید تجھے پاگل بنا دیا ہے۔ کھیالی نے یونہی کہہ دیا۔ اس نے یہ سمجھا کہ آج کا دن گنگارام کے لیے اچھا نہیں ہے۔ یہ سوکھی روٹیاں تو دیکھو کتے بھی انھیں کھانا پسند نہیں کریں گے اور تم سمجھتے ہو کہ یہ روٹیاں بچے کھائیں گے۔ گنگارام نے طیش میں آکر کہا۔" ذرا سوچ سمجھ کر بات کر کھیالی نے چولھے پر سے دودھ اتار لیا اور لڑائی کے لیے تیار ہوگیا۔ یہ روٹیاں خراب تو نہیں ہیں۔ وہ صرف سوکھی ہیں۔ تو ایسا کہہ رہا ہے جیسے کہ تو نے کبھی اس طرح کی روٹیاں دیکھی نہیں"۔ کھیالی نے منہ چڑھاتے ہوئے کہا اور اپنی پیٹھ پھیر لی۔ کوئی بچہ اس طرح کی روٹیاں تو نہیں کھا سکتا۔ یہ پیسہ لے اور سبزی خرید لا۔ گنگارام نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔ سیتا نے برآمدہ سے اپنے پتا کی طیش بھری آواز سنی اور اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے اپنی کتاب بند کر ڈالی اور خاموش بیٹھی رہی۔ دھاپو کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

جب سیتا اور وجے نے رسوئی گھر میں قدم رکھا تو دھاپو نے کہا۔ ادھر آ سیتا یہ کہتے ہوئے اس نے دکرم کو اپنی گود سے نیچے اتار دیا اور پوچھا ،، تو صرف سوکھی روٹیاں ہی اسکول لے جاتی ہے۔ جواب دے بُت کی طرح کھڑی وہ تیرا باپ یہ سمجھتا ہے کہ ہم تجھے بھوکی رکھتے ہیں۔

اتنا شور مت مچاؤ تمھارے اس چلانے سے کوّے بھی بھاگ گئے ہیں۔ کھیالی نے دھاپو کو خاموش کرنے کے لیے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے سیتا کو بھوکی رکھنے کی کیا بات ہو رہی ہے؟ مالکن نے آنگن سے آتے ہوئے پوچھا۔ نہیں مالکن میں نے کھیالی کو کچھ سبزی خریدنے کے لیے کہا تھا۔ دھاپو بائی کو تو بلا وجہ چیخنے اور چلانے کی عادت جو ہو گئی ہے۔"

گنگارام نے اپنی بات کہہ ڈالی مالکن نے روٹیاں اپنے ہاتھ میں لیں اور اس کو دیکھنے کے بعد کھیالی سے پوچھا۔" کھیالی کیا تم یہی روٹیاں اسکول لے جانے کے لیے سیتا کو دیتے ہو؟ کوئی بھکاری بھی یہ سوکھی روٹیاں نہیں کھا سکے گا۔ میں جانتی ہوں کہ حویلی کے حالات پہلے جیسے تو نہیں لیکن کنورسہ اتنے کنگال تو نہیں کہ تم اس بچّی کو بھوکا رکھو۔"

" مالکن ہم سے کچھ نہ پوچھو سیتا سے پوچھ لو۔ اس کو کہنے دو اُدھر دیکھو وہ کس طرح بُت بنی کھڑی ہے۔ جیسے ہم بس اس کے قاتل ہیں کم بخت احسان فراموش۔ دھاپو آپے سے باہر ہو کر کہنے لگی۔ سیتا اِدھر تو آ۔ اچھا مجھے بتا کہ تو اسکول کیا لے جاتی ہے۔ مالکن نے نرم دلی سے پوچھا۔

" کنورانی سہ۔ مجھے روٹی اور سبزی دی جاتی اور کبھی کبھی چینی بھی لیکن کل دوپہر اس بوڑھی عورت نے جو پوریاں دی تھیں وہ میں نے سبزی کے ساتھ کھا لیں۔ میرا پیٹ بھر چکا تھا اس لیے میں روٹیاں یوں ہی واپس لے آئی۔" ہاں تو گنگارام جی تم نے سن لیا؟ اب بتاؤ تمھیں کیا کہنا ہے۔ دھاپو کا غصہ ابھی نہیں اترا تھا۔ گنگارام نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنا سر جھکائے ہوئے وہاں سے چل پڑا۔" کھیالی صبح سیتا کو دودھ تو ملتا ہو گا اور چائے تو نہیں۔" مالکن نے پوچھا۔" بیشک مالکن جب مجھ کو حکم دیا گیا ہے تو اس کو دودھ کیسے نہیں ملے گا۔

اس سے میرا کوئی نقصان تو نہیں ہوتا۔ وجے اپنے کمرہ میں یہ زور زور کی آوازیں سن کر جلدی جلدی اسکول کی وردی پہن لی اور نیچے چلی آئی اس کی دادی اور نوکروں کے درمیان جو جھڑپ ہوئی اس پر اس کو بڑا مزہ آیا۔ دھاپو کی لڑکی کی نگاہیں جو اس پر لگی ہوئی تھیں اس کو دیکھ کر وہ رنجیدہ ہوگئی "بائی سہ تم دودھ پی لو" دھاپو نے گویا لاپرواہی سے کہا اور سیتا تو بھی دودھ ساتھ پی لے۔ کھیالی نے طنز آمیز لہجہ میں کہا۔

ان دونوں لڑکیوں نے جلدی جلدی دودھ پی لیا اور رسوئی گھر کے برآمدہ سے باہر نکل گئیں۔ مالکن پاری کے ہمراہ بھنڈار کے کمرہ میں چلی گئی؟ کتنا ہنگامہ ہوگیا کھیالی نے کہا۔ ایسا لگتا ہے کہ سارا گھر سیتا کے گرد گھوم رہا ہے۔ آخر ہمارے بچے بھی تو انسان ہی ہیں اور انھیں بھی تو دودھ چاہیئے۔ وہ شرارتاً کہنے لگا۔

کھیالی تم کیا بڑبڑا رہے ہو؟ تمھارے بچے بھوکے تو نہیں مریں گے۔ تمھارے پاس جو کھیت ہیں اس میں اناج اگتا اور اس کے علاوہ تم سود پر روپیہ بھی دیتے ہو۔ دھاپو نے سخت لہجہ میں کہا۔" ہاں میں یہ کہے دیتی ہوں کہ میں نے تم سے دوسو روپے قرض لیے تھے۔ اس کا سود اس مہینہ ادا نہ کرسکوں گی۔"

"کوئی پرواہ نہیں۔ آیندہ ماہ تمھیں دو ماہ کا سود بھرنا پڑے گا۔ کھیالی نے کہا۔ تم میرے کھیتوں کو حاسدانہ نظروں سے نہ دیکھو۔ اگر تیرا پتی ہر ایک سے جن میں تیرے رشتہ دار بھی شامل ہیں۔ نہ جھگڑتا تو تیرے کھیتوں میں بھی کافی اناج اگتا۔ یہ مت بھولو کہ کنور سہ نے ہم سب کو برابر کی زمینیں دی تھیں۔" تم میرے پتی کی اس طرح بے عزتی نہ کرو۔ تمھارے بھائی کے بچوں نے تھوڑی زمین جب مانگی تھی تو کیا تم نے انھیں اپنی ایک انچ زمین دی تھی؟ بیشک نہیں تم نے انھیں رتی بھر زمین دی۔ لیکن تم یہ چاہتے ہو کہ ہم اجنبیوں کو اپنی زمین دے دیں۔ دھاپو نے طیش میں آکر کہا۔" تم عورتوں کو یہ جھوٹی خبریں کہاں سے ملتی ہیں۔ میرے بھائی کے بچوں کے پاس اتنی زمینیں ہیں کہ ان کی نگرانی دشوار ہے تو انھیں میری زمینوں کی کیوں ضرورت پڑگئی۔ کھیالی نے حاکمانہ انداز میں جواب دیا۔

بازو کے دروازہ پر کسی کے کھٹکھٹانے کی آواز سنائی دی۔ دھاپو کھیالی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے رسوئی گھر سے باہر نکل پڑی۔ ماں جی بائی سہ اور کانتا اپنے دو لڑکوں اور ایک ملازمہ کے ساتھ اندر چلی آئی۔ انھیں دیکھ کر بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے وہ چاول بھری تھالی نیچے رکھ ڈالی جس میں وہ کنکر الگ کر رہی تھی اور اٹھ کھڑی ہوگئی۔" کاکی سہ تم اپنی آنکھوں پر بوجھ کیوں ڈال رہی ہو۔" کانتا نے تھالی اٹھاتے ہوئے کہا۔ یہ عورتیں برآمدہ کی ایک چٹائی پر بیٹھ گئیں۔ تم جانتی ہو بائی سہ مجھ سے یوں ہی بیٹھے رہنا اچھا نہیں لگتا۔ مجھے کچھ نہ کچھ تو کرنا چاہیے۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے آہستگی سے کہا۔ بنی جی کہاں ہے؟ ماں جی نے پوچھا۔

" اپنے کمرہ میں ہوگی بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے کہا۔ پتہ نہیں کہ وہ ان بچوں پر اتنا وقت کیوں ضائع کرتی ہے جب کہ گھر کے اتنے سارے کام پڑے ہوئے ہیں۔" ماں جی سہ کیا یہ سچ ہے کہ بنی جی نے حویلی میں اسکول کھول رکھا ہے؟ کانتا نے کہا اس کی مسکراہٹ سے اس کے پان سے رنگے اور ٹوٹے پھوٹے دانت دکھائی دینے لگے۔

مجھے پتہ نہیں کہ وہ کیا کر رہی ہے لیکن صبح صبح میں یہ دیکھتی ہوں کہ چھوٹے چھوٹے بچے اس کے کمرہ کی طرف دوڑتے ہیں اسی وجہ سے میں نے پھاٹک بند کروا دیا ہے۔

" وہ صرف بچے ہی نہیں بائی سہ۔ ماں جی نے چشم زدن میں کہا میری گلی سے دو عورتیں جنھیں میں جانتی ہوں وہ یہاں آنے لگی ہیں۔ کچھ عرصہ میں تو یہاں پر تمام کنواری لڑکیوں کا میلہ لگ جائے گا۔ بنی جی انھیں جو کہانیاں سناتی ہیں اور رنگین پینسلوں سے وہ جو کچھ لکھا کرتی ہیں اس کا چرچہ میں نے سنا ہے۔

" مجھ پر الزام مت لگاؤ۔ بنی جی سے کہو کہ جو کچھ وہ اپنے کمرہ میں کر رہی ہے اس کی ذمہ دار میں نہیں ہوں۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے جواب دیا۔

پریشان مت ہو بائی سہ تم پر کوئی الزام نہیں لگائے گا۔ تمام عورتیں تو تمھیں دعائیں دیں گی کیا ہماری کسی بیٹی یا بہو نے غریبوں کو تعلیم دینے کا بیڑا اٹھایا تھا؟ ماں جی نے آگے کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

" یہ سب تو بہت اچھے خیالات ہیں مگر ماں جی بائی سہ جب تمھیں چولہے کے قریب بیٹھے روٹیاں پکانا پڑے اور تمھاری خادمہ اوپر کہانیاں سننے میں محو ہو تو تمھیں کیسے لگے گا۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے حسرت بھری آواز میں کہا۔ مجھے یقین ہے کہ اس پڑھائی لکھائی کی وجہ سے حویلی کی بدنامی ہوگی۔

ماں جی چپ ہوگئیں بھگوت سنگھ جی کی پتنی کا کہنا تو ٹھیک ہی تھا۔ اگر پڑھائی کا کام مقبول ہوگیا تو حویلیوں کے لیے ایک مسئلہ کھڑا ہو جائے گا۔ وہ اس پر سوچ بچار کرنے لگی۔ یکایک اوپر سے قہقہوں کی آواز سنائی دی۔ جس سے اس کے شک و شبہات سچ نظر آنے لگے ان تینوں عورتوں کی نگاہیں گیتا کے کمرہ پر لگی تھیں۔ تھوڑی دیر تک تو خاموشی سی چھائی رہی لیکن جب کمرہ کھلا تو یہاں سے سنگیت اور ہنسی مذاق کی آوازیں بھی اس کے ساتھ بند ہوگئیں۔

ماں جی بائی سہ تربوز کی یہ پھانک لو۔ یہ تربوز دھاپو کے گاؤں کے ہیں۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے عنوان گفتگو بدلنے کے لیے کہا۔ کانتا اور ماں جی نے تربوز کی ایک ایک پھانک اٹھالی اور تھالی کانتا کے لڑکوں کے روبرو کردی۔ کانتا نے جب ٹھنڈا سا شربت پی لیا اور تربوز کھا چکی تو اس نے دھیمی آواز میں پوچھا " ماں جی سہ کیا یہ سچ ہے کہ اجے باپو کو دہلی میں بڑا عہدہ ملا ہے؟

" اس کے پاس اتنی ساری ڈگریاں ہیں کہ اس کو ہندوستان بھر میں کہیں بھی نوکری مل سکتی ہے۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے نرمی سے جواب دیا۔" اس میں کیا شک ہے۔ لیکن اگر وہ اودے پور چلا گیا تو حویلی سنسان ہو جائے گی۔ کانتا نے افسردگی کا بہانہ بناتے ہوئے کہا۔

مگر بائی سہ تم سے کس نے کہا کہ وہ اودے پور سے باہر جا رہا ہے؟ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے اپنی بھنویں چڑھاتے ہوئے کہا۔ وہ اس سلسلہ میں کسی دوسرے کو اپنا نہیں بنانا چاہتی تھی۔ میری نوکرانی کی بہن جو وائس چانسلر کے مکان میں کام کرتی ہے۔ اس نے اس بارے میں کچھ کہا تھا۔ کانتا نے کہا۔

دھاپو نے پاربتی کی طرف دیکھا اس نے تو اس شام جب کہ اجے واپس آیا تھا۔ گیتا اور اس کے پتی کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی سن رکھی تھی۔ ان کی

سب باتیں تو اس کی سمجھ میں نہیں آئیں لیکن وہ اتنا جانتی تھی کہ دونوں کچھ گھبرائے ہوئے تھے اور ان کی بات چیت میں دہلی کا بار بار ذکر ہوا کرتا تھا۔ اس نے فوراً یہ بات پاری کو بتلادی تھی اور پاری نے یہ خبر مالکن کو سنادی لیکن کانتا نے جب دہلی کا تذکرہ کیا تو دھا پو حیرت زدہ ہو گئیں؟ اس کی چالاک آنکھوں میں بے چینی نمایاں تھی اور وہ اسی وقت رسوئی گھر چلی گئی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ یہ خبر کانتا تک کس نے پہنچائی۔ کانتا کو اس حالتِ پریشانی سے نجات دلانے کے لیے ماں جی نے کہا۔" میں نے بھی ابھی باپو کے چلے جانے کی افواہیں سنی ہیں؟ حویلیوں کی عورتوں کو اتنی فرصت رہتی ہے کہ جب انھیں بات کرنے کے لیے کچھ نہیں رہ جاتا تو وہ کہانیاں گھڑتی رہتی ہیں۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے حقارتی انداز میں کہا اور جب اس نے گیتا کو سیڑھیوں سے نیچے آتے ہوئے دیکھا تو کہا۔ " باپو سہ کے ارادوں کے بارے میں تم بنی جی سے کیوں نہیں دریافت کرتی اس کو تو ضرور پتہ ہوگا۔

پوچھنے کے لیے اب کیا رہ گیا ہے۔ جیسے کہ تم نے ابھی ابھی کہا۔ باتیں بنانا تو عورتوں کا کام ہی ہے۔ کہنے دو انھیں جو کچھ وہ کہہ رہی ہیں اس سے ہم کیوں پریشان ہوں۔ ماں جی نے اس سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا وہ جانتی تھی کہ بھگوت سنگھ جی کی پتنی ناراض ہو چکی ہیں اس لیے وہ اس بارے میں کچھ اور نہیں کہنا چاہتی تھی۔

بڑے بوڑھوں کے پیر چھونے کے بعد گیتا کانتا کے بازو میں بیٹھ گئی ان کی اس خاموشی سے اس نے بھانپ لیا کہ یہاں پر جو بحث چل رہی تھی اس کی موجودگی میں وہ ختم کر دی گئی ہے۔ کانتا جو پان چبا رہی تھی وہ آہستگی سے اس کو نگل گئی اور کہنے لگی۔" بنی جی میں اپنے ساتھ جو دو لڑکے لے آئی ہوں ان کے بارے میں میں تمھاری صلاح چاہتی ہوں۔ ایک نے تو اسکول کی پڑھائی ختم کر دی ہے اور دوسرے نے بی۔ اے پاس کر لیا ہے۔

" ہاں میرے بھانجے کے بارے میں تمھاری صلاح چاہیئے ماں جی نے کہا۔ آج کل تو بہت سارے لڑکے انجنیر بن چکے ہیں۔ عجیب نہیں کہ یہ سب

گھروں میں بیٹھے نوکریوں کے لیے عرضیاں بھرتی کرتے رہتے ہیں۔ بنی جی کوئی نئی راہ دکھلاؤ تاکہ ہم نے ان کی کالج کی پڑھائی پر جو دھن صرف کیا ہے وہ کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ گیتا نے کچھ نہ کہا وہ ابھی تک اپنی ساس کے روبرو بات کرنے سے گھبراتی تھی۔

سورج کی روشنی جب تیز ہونے لگی تو برآمدہ میں زیادہ دیر تک ٹھہرنا محال ہو گیا۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا اب گرم ہو چکی تھی اور دھول اڑنے لگی تھی۔

گرمی اور تیز ہونے سے پہلے ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے۔ ماں جی نے یہ کہتے ہوئے اپنی خادمہ کو تیار ہونے کا اشارہ کیا۔

"بائی سہ ابھی تم نہیں جا سکتی آج تو کوئی خاص پکوان نہیں ہوا ہے لیکن جو بھی موجود ہے وہ ہمارے ساتھ کھا لو۔ تم کوئی غیر تو نہیں ہو۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے پیار سے ماں جی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ماں جی کچھ کہنے والی تھی کہ وجے خوشی کے مارے دوڑتی ہوئی آنگن میں چلی آئی۔

"بڑی بھابھی بڑی بھابھی میں کلاس میں پہلی آئی ہوں۔ اس معصوم لڑکی کا چہرہ پسینہ سے شرابور تھا اور اس کی بوندیں اس کے رخساروں پر لڑھک رہی تھیں وہ اپنی دادی کی گود میں جا بیٹھی۔

پڑھائی میں اوّل نمبر لینا تو ٹھیک ہے وجے مگر اس کے ساتھ ساتھ تمھیں پکوان اور سلائی کا کام سیکھنا چاہیے۔ تم اپنی ماں جیسی مت بنو۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے اس کو ستانے کے لیے کہا۔ وہ اپنے وقار کو چھپانے کے لیے دھاپو کی طرف دیکھا اور کہا "آج رات کو مرچیاں جلانا مت بھولو۔ پتہ نہیں کہ یہاں پر کہیں بھوت پریت چھپا ہوا نہ ہو۔

"بڑی بھابھی کیا تم جانتی ہو کہ آج اس بڑھیا نے سیتا کو لڈو اور خوشنما چوڑیاں دی تھیں۔ ان میں سے وہ کچھ مجھے بھی دے گی۔ وجے نے جوشیلی آواز میں کہا اور اپنی دادی کی گود سے نکل کر سیتا کے پاس چلی گئی جو ابھی کمرہ میں آئی تھی۔ قبل اس کے کہ کوئی کچھ کہے پردہ ہلنے لگا اور گنگا اندر چلی آئی اور کہنے لگی "کنورانی سہ تعجب نہیں کہ اسی وجہ سے سیتا روٹیاں نہیں کھاتی جب ایسے لڈو اور پوریاں

کھانے کو ملے تو کوئی روٹیاں کیوں کر پسند کریں گا ؟ گنگا مرجھا سی گئی۔ اس نے احتیاط سے ایک پیکٹ کھولا جو اخبار سے لپٹا ہوا تھا۔

یہاں پر بیٹھی عورتیں سیتا کی طرف دیکھنے لگیں جو ان کے روبرو سہمی ہوئی کھڑی تھی، اس کے ہاتھوں میں سرخ اور سبز رنگ کی چوڑیاں کھنک رہی تھیں۔ کسی نے دوبارہ اس کو لڈو پوریاں اور اب چوڑیاں دی ہیں۔ پارتی نے اپنی گرجتی ہوئی آواز میں کہا گویا کہ وہ خود اپنے آپ کو مخاطب کر رہی ہو۔

وہ اسکول میں کام کرنے والی کوئی آیا ہوگی میں ان عورتوں کے بارے میں جانتی ہوں۔ وہ بہت چالاک ہوتی ہیں۔ اس نے سوچا ہوگا کہ سیتا کو خوش کرنے سے اس کو حویلی سے کچھ مدد مل جائے گی۔ دھاپو کے اس بیان میں اس کا سیانا پن پوشیدہ تھا۔

" سیتا کیا وہ وہی عورت تھی جو تمہیں پچھلی بار لڈو دیئے تھے ؟ مالکن نے پریشانی سے پوچھا " مالکن میرا خیال ہے کہ وہ وہی ہے لیکن میں یقینی طور پر تو نہیں کہہ سکتی سیتا نے مودبانہ انداز میں کہا۔

" اس کی شکل و شباہت کیسی ہے ؟ ماں جی نے پوچھا دوپہر کے کھانے کے وقت ایک بڑھیا چلی آئی میں نے اس کی صورت تو نہیں دیکھی۔ اس کا چہرہ قرمزی رنگ کی ساڑی سے ڈھکا تھا، اس نے مجھ کو یہ پیکٹ اور یہ چوڑیاں دیں اور چلی گئی، سیتا نے رکتے ہوئے کہا وہ ان سوالات کیے جانے پر کچھ گھبرا سی گئی اور اس نے تم سے کیا کہا ؟ کانتا نے پوچھا۔

اس نے تو کچھ کہا نہیں وہ یہ چیزیں مجھے دیں اور چلی گئی۔ سیتا نے فوراً جواب دیا اور جمائی لینے لگی وہ یہ سمجھ نہ پائی کہ یہ عورتیں اس بڑھیا کے بارے میں اتنی کیوں دلچسپی لے رہی ہیں۔

وہ کوئی بدنصیب اور غم زدہ عورت ہوگی جس کا بچّہ کھو گیا ہوگا اور دوسرے بچّوں کو کھیلتے ہوئے دیکھ کر اس کو خوشی حاصل ہوتی ہوگی۔ کون جانے کہ دردِ دل کیوں ہوتا ہے۔ ماں جی ہمدردانہ لہجہ میں کہا۔ پارتی اپنا سر ہلانے لگی۔ ماں جی کی اس دلیل سے وہ مطمئن نہ تھی لیکن اس نے کچھ کہا نہیں جب عورتیں آپس میں

باتیں کرنے لگیں تو وہ آہستگی سے اٹھ کھڑی ہوگئی اور کمرہ سے باہر چلی گئی۔ پاری کو اس طرح جاتے ہوئے دیکھ کر سیتا بھی اس کے ہمراہ باہر نکل آئی وہ اپنے پتا کو یہ لڈو اور پوریاں دینا چاہتی تھی۔

کھیالی رسوئی گھر میں بیٹھا بڑبڑا رہا تھا اور اس کی مدد کے لیے کوئی خادمہ دکھائی نہیں دے رہی ہے۔ اس کو مزید ایک اور سبزی بنانی تھی۔ پاری رسوئی گھر میں گئی اور تھالیاں اٹھانے لگی اس کے ذہن میں کچھ اور بات سمائی تھی اور اس نے کھیالی کی اس بڑبڑاہٹ پر کوئی دھیان نہیں آیا۔" پاری جی جی میں جادوگر تو ہوں نہیں پانچ آدمیوں کے لیے جو بھوجن تیار کیا گیا ہے اس سے ان سب کا پیٹ تو نہیں بھر سکتا اور اس پر طرہ یہ کہ تم عورتیں بیٹھے

" بیس سال پہلے اگر تم یہ بات کہتے تو میں اپنا قصور مان لیتی لیکن اب تو میں بہت بوڑھی ہو چکی ہوں پاری نے دوٹوک کہہ دیا۔ پاری کے اس منہ پھٹ جواب پر کھیالی گھبرا سا گیا۔ اس کو حیرت ہوئی کہ پاری اس طرح پریشان کیوں ہے وہ تو ہر کسی ہنگامہ کو پُرامن طریقے سے سلجھانے میں ماہر ہے وہ تو کبھی آپے سے باہر نہیں ہوتی۔

" پاری جی جی تم مجھ پر خفا مت ہو میں نے تمھارے بارے میں تو کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ جو موئی موتی اور نکمی خادمائیں ہیں وہ صبح تا شام باتوں میں لگی رہتی ہیں۔ مجھے ان پر غصہ آتا ہے۔ کھیالی نے کہا جیسے کہ سب نوکروں میں زیادہ ظلم اسی نے سہے ہوں۔" کھیالی میں نے جو کہا اس کا بُرا مت ماننا میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور میرے اگ و ریشوں کی توانائی ڈھل رہی ہے۔ بس مجھے اتنا ہی کہنا ہے۔ پاری نے بے دلی سے کہا۔

" تمھارے اس طرح پریشان رہنے کی کوئی وجہ ضرور ہے۔ میں جانتا ہوں جی جی کیا مالکن نے تم سے بدسلوکی کی؟ یہ مت بھولو کہ وہ بھی تو بوڑھی ہوتی چلی ہے اور سنکی بنتی جارہی ہے۔ کھیالی نے یہ کہتے ہوئے پاری کے ہاتھ سے تھالی چھین لی اور اس کو پوری قوت سے چمکانے لگا۔

نہیں۔ نہیں۔ مالکن نے تو کچھ نہیں کہا۔ وہ تو رحم دل ہیں لیکن حویلی میں جو

کچھ ہو رہا ہے وہ مجھے گوارا نہیں۔ پاری نے یہ کہتے ہوئے سنجیدگی سے اپنا سر ہلایا۔ تمھارا اشارہ ان لڈوؤں کی طرف ہے جو سیتا اسکول سے لاتی ہے۔ تم اس سے پریشان مت ہو اس عورت کی شناخت کے لیے میں فوراً کسی کو بھجواتا ہوں۔ یہ کام تو مجھے پہلے کرنا چاہیے تھا۔ لیکن تم جانتی ہو کہ میں یہاں کس طرح مصروف رہتا ہوں یہاں تک کہ مجھے نہانے کی بھی فرصت نہیں جیسے ہی اس نے گنگا اور چمپا کو رسوئی گھر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو وہ طنزیہ انداز میں چیخ اٹھا" تو تم دونوں کو آخر کار یہاں تک آنے کی فرصت ملی۔ تم جاؤ اور اپنے سر میں تیل لگاؤ۔ اب تمھارے لیے کوئی کام باقی نہیں رہ گیا ہے۔ سب کام ختم ہو چکے ہیں۔"

ایسی نادانی نہ کر کھیالی۔ کنور سہ اور باپوسہ بھوجن مانگ رہے ہیں۔ انھیں کہیں باہر جانا ہے۔ ہیرالال باہر کار لیے ہوئے کھڑا ہے۔ گنگا نے دھیمی سی آواز میں کہا۔

تم یہ سمجھتی ہو کہ میں صبح سے آرام کر رہا ہوں اور تم دونوں تھرکتی ہوئی مجھے نیند سے جگانے آئی ہو، جاؤ گوکل جی سے کہنا کہ کنور سہ کا کھانا تیار ہو چکا ہے۔ جیسے ہی گوکل نے کہا کہ مالک بھوجن کے لیے آرہے ہیں تو ان دونوں نے چپ سادھ لی۔ وہ جلدی جلدی رسوئی گھر میں آئیں اور چاندی کی تھالیوں میں سب چیزیں سجانے میں کھیالی کی مدد کرنے لگیں۔ کچھ ہی دیر بعد بھگوت سنگھ جی جو مہین سفید ململ کی قمیص اور سفید پتلون پہنے ہوئے تھے۔ آنگن میں داخل ہوئے پیچھے ان کا لڑکا بھی ساتھ آیا تھا۔ خادمائیں فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں اپنے چہرہ پر گھونگھٹ ڈال لیا اور جھک کر ان دونوں کے پیر چھونے لگیں۔ گیتا رسوئی گھر میں ہی ٹھہر گئی۔ ماں جی اور کانتا اس حویلی کی بیٹیاں ہونے کے ناتے رسوئی گھر سے نکلیں اور اپنے ہاتھ جوڑتے ہوئے ان کا سواگت کیا۔

بھگوت سنگھ جی جب ماں جی اور کانتا سے باتیں کرنے لگتے تو کانتا کے دونوں لڑکے اجے سنگھ کے ساتھ بھوجن کے لیے بیٹھ گئے۔ چاچا سے اپنی پریشانیوں کا تذکرہ کرنے کے لیے کانتا ہر موقعہ کی تاک میں رہا کرتی۔ جب بھگوت سنگھ جی بھوجن کر رہے تھے تو وہ دل موہ لینے والے انداز میں اپنے

دو لڑکوں کی آئندہ پڑھائی کے بارے میں ان کی صلاح مانگی۔ بھگوت سنگھ جی ان کالجوں کے بارے میں سوچنے لگے جہاں ان لڑکوں کو داخلہ لینا چاہیے؟ وہ کانتا کو صنعت و حرفت کی تعلیم دلوانے کے فوائد سمجھانے لگے اور کہا کہ ان لڑکوں کو اُدوے پور سے باہر والے کالجوں میں داخلہ لینا چاہیے۔ کانتا اپنے لڑکوں کو اودے پور سے باہر بھجوانے پر رضامند نہ تھی اس نے اس تجویز کی بالراست مخالفت تو نہیں کی البتہ اس نے اشارہ کیا کہ اگر اس کے چاچا چاہیں تو اپنے رسوخ سے ان لڑکوں کو شہر کے کالجوں میں ہی داخلہ دلوا سکتے ہیں۔ کانتا کی اس ہٹ دھرمی پر اجے سنگھ برافروختہ ہوگئے۔ انھوں نے ان لڑکوں کو اسکول کی پڑھائی کے وقت ہی میں علوم طبیعیات سیکھنے کا مشورہ دیا تھا لیکن کانتا نے پہلے تو لائبریری فیس کی ادائیگی کی سکت نہ ہونے کا حیلہ بنایا اور اپنے لڑکوں کو منع کر دیا اور جب بھگوت سنگھ جی نے یہ مرحلہ طے کروادیا تو کہنے لگی کہ اس کے لڑکوں میں علم طبیعیات حاصل کرنے کے لیے جسمانی قوّت نہیں ہے۔

اجے سنگھ ناراضگی سے کانتا کو دیکھنے لگے اور وہ ان کے خیالات بھانپ گئی لیکن اجے سنگھ نے اپنے پتا کی موجودگی میں صبر سے کام کیا اور یہ بتلانے سے قاصر رہے کہ کانتا کا سارا منصوبہ یہی ہے کہ اس کے لڑکوں کی تعلیم کا بوجھ اپنے پتا کے سر پڑے۔ اجے سنگھ اپنے پتا کے برخلاف اپنے ان رشتہ داروں کے ساتھ بیباکی سے پیش آتے جو اپنی خواہشات چھپائے رکھتے ہیں اور اپنے مطالبات منوانے کے لیے قدیم طور طریق کو اپنا آلہ کار بناتے ہیں اس کی ماں نے نصیحت کی تھی کہ وہ لوگوں کے ساتھ خوش مزاجی سے پیش آئے لیکن اجے نے اپنی ماں کی نصیحت پر دھیان نہیں دیا وہ جانتی تھی کہ کچھ لوگ تو اجے سنگھ کو لاپرواہ اور مغرور انسان تصور کرنے لگے ہیں اور اس کو اپنے پتا کی شرافت کے بالکل برعکس قرار دینے لگے ہیں۔ کانتا جب اپنی بات بتا چکی تو بھگوت سنگھ جی نے پیار سے پوچھا گیتا کا اب اسکول میں کیا حال ہے؟

" اس کو تو اسکول جانا بے حد پسند ہے۔ مالک اب تو اسکول کی چھٹیاں ہیں اس لیے وہ وجے بائی سہ سے اس کے دوبارہ کھلنے کے بارے میں پوچھتی

رہتی ہے۔ پاری نے بے رتپاکی سے جواب دیا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم اس سے مطمئن ہو۔ پاری جی حقیقت تو یہ ہے کہ جب میں نے سیتا کو اسکول بھجوانے کا فیصلہ کیا تو مجھے تم سے کچھ ڈر سا لگ رہا تھا۔" بھگوت سنگھ جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

لیکن کاکاسہ اس حویلی میں جو اسکول چل رہا ہے اس کے بارے میں آپ کچھ جانتے ہیں؟ ماں جی نے کہا اس کی بڑی اور سیاہ آنکھوں میں شرارت جھلک رہی تھی مجھے تو اس کا علم نہیں۔ لیکن اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ حویلی کے اس حصّہ میں جو کچھ ہوتا ہے اس کا مجھے سب سے آخر میں پتہ چلتا ہے بھگوت سنگھ نے کہا گویا کہ انھوں نے اس کا کوئی برا نہ مانا ہو ہم جیسی گنوار عورتوں کے لیے بنی جی نے پڑھائی کا انتظام کر رکھا ہے۔ ماں جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بائی سہ تمھیں گنوار کون کہہ سکتا ہے لیکن جو کام بنی جی نے شروع کیا ہے اس کے بارے میں تو کچھ بتاؤ۔ بھگوت سنگھ جی نے غیر متوقع دلچسپی سے پوچھا پاری کھڑی ہوگئی اور ساڑی کے پلو سے اپنا منہ صاف کیا۔ اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ وہ گہرے جذبات میں ڈوبی ہوئی احترام سے کہنے لگی:" مالک گزشتہ چند ہفتوں سے بنی جی محلہ کے بچّوں کو پڑھایا کرتی ہے۔ وہ ان غریب بچّوں کے ساتھ گھنٹوں اپنا وقت گزارتی ہے۔ یہ کام اس کے علاوہ اور کون انجام دے سکتا ہے پاری کی آواز لڑکھڑانے لگی۔

" مجھے بنی جی پر فخر ہے۔ ان سے کہو کہ اگر انھیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتلائے۔ بھگوت سنگھ جی نے دبی آواز میں یہ کہتے ہوئے جلدی سے کمرہ کے باہر نکل پڑے۔ پاری کے ان تاثرات سے وہ بہت متاثر ہوئے وہ اپنے جذبات کا دوسروں پر اظہار نہ کرنا چاہتے تھے۔

آٹھواں باب

گیتا نے پڑھائی لکھائی کا جو کام جاری کیا تھا وہ محض اتفاقی طور پر شروع ہوا تھا۔ ایک دن روی نامی ایک نوجوان لڑکا نوکروں کے بچوں کے ساتھ حویلی آیا تھا چند بچے تو مالکن کے ساتھ مل کر اناج صاف کرنے لگے تھے لیکن روی اپنا چھوٹا سا یکتارا جس کا نچلا حصہ مٹی کا بنایا ہوا تھا، بجانے لگا۔ وہ اس گھریلو ساز سے کئی سریلے راگ الاپنے لگا۔ نوکر لوگ چپ چاپ اس کی طرف پیار بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

گیتا تو ان تمام بچوں کو اچھی طرح پہچانتی تھی۔ وہ اس کے پاس چلے آتے تھے۔ لیکن روی کو تو نہیں۔ جو پہلی مرتبہ یہاں آیا تھا۔ گیتا نے جب دھاپو سے اس کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ روی کے بڑے بھائی نے اس کو اپنے چچا گوکل کے پاس بھجوایا ہے کیوں کہ اس کی ماں تیز بخار ہونے کی وجہ سے یکایک چل بسی تھی اور اس کا باپ ایک سال پہلے ہی ہیضہ کا شکار ہو چکا تھا۔ ان چھ بچوں کی پرورش کا بوجھ اس کے بڑے بھائی پر آپڑا تھا۔ یہ اتنی بھاری ذمہ داری تھی جس کو سنبھالنا دشوار تھا اس لیے اس نے روی کو اپنے چاچا کے ساتھ رہنے کے لیے بھجوا دیا۔ مالکن نے اس کی پرورش کی ذمہ داری قبول کر لی لیکن گوکل روی کے لیے کوئی کام تلاش کر رہا تھا۔

جب بچوں نے سب اناج پاک وصاف کر دیا تو وہ آموں کی تلاش میں پچھواڑے کی طرف چل پڑے لیکن روی یوں ہی برآمدہ میں بیٹھا رہا۔

"کیا تم نے پہلے کبھی شہر دیکھا ہے؟" گیتا نے اس دبلے پتلے اور بڑی سی آنکھوں والے لڑکے سے پوچھا۔

"نہیں مالکن میں پہلی بار شہر آیا ہوں۔" روی نے جواب دیا۔

"تم گاؤں میں کیا کرتے تھے؟" گیتا نے پوچھا۔ اس کی غمگین آنکھیں دیکھ کر گیتا کو ترس آ گیا۔

"صبح میں گوبر اکٹھا کرنے میں اپنی ماں کی مدد کرتا تھا۔ گایوں کا دودھ دہوتا اور دوپہر میں انھیں چرانے کے لیے لے جاتا۔ میری ماں مجھے اسکول بھجوانا چاہتی تھی لیکن اس کو بخار آ گیا اور وہ مر گئی۔" اس لڑکے کے طرزِ بیان سے ظاہر ہوتا تھا کہ قسمت کا لکھا کوئی نہیں ٹال سکتا۔

"اگر تم پڑھنا چاہتے ہو تو صبح میرے پاس چلے آنا۔" گیتا نے اس لڑکے سے کہا۔ اس کے علاوہ وہ اور کیا کہہ سکتی تھی۔ اس لڑکے کی نگاہیں اس کی ہیرے کی انگوٹھی پر لگی تھیں۔

دوسرے دن ناشتہ کے بعد وہ لڑکا گیتا کے کمرہ میں چلا آیا اور اسی دن سے گیتا نے اس کو پڑھانا شروع کیا۔ دو دن بعد دیگر نوکروں کے لڑکے اور لڑکیاں بھی روی کے ہمراہ گیتا کے کمرہ میں آنے لگیں۔ یہ بچّے خاموش بیٹھے رہتے۔ گیتا انھیں کہانیاں سنایا کرتی اور بعد میں حروفِ تہجّی لکھ دیتی اور انھیں اس کی نقل کرنے کی ہدایت کرتی۔ یہ بچّے کسی قسم کا شور نہیں مچاتے اور گیتا پڑھائی کا کام کر دیتی تو وہ گھر جانے کی بجائے وہیں بیٹھے ہوئے پڑھائی لکھائی میں مصروف رہتے۔

مانسون کے سیلاب کی طرح اس پڑھائی لکھائی کی خبریں پھیل گئیں۔ حویلیوں کی نوجوان لڑکیاں بھی پڑھنے لکھنے کے لیے ان بچّوں کے ساتھ ساتھ آنے لگیں۔ شروع شروع میں تو یہ لڑکیاں کہانیاں سنا کرتی تھیں اور انھیں پنسل اٹھانے سے خوف لگتا تھا کہ کہیں ان کی اس حرکت پر دوسرے بچّے ہنس نہ پڑیں مگر آہستہ آہستہ وہ بھی لکھنے لگیں اور انھیں پتہ چلا کہ ان ابتدائی الفاظ کا لکھنا تو کوئی دشوار کام نہیں چند دن بعد لڑکیوں کو ان حروف کی شناخت ہونے لگی اور وہ اس کا مفہوم بھی سمجھنے لگیں۔

انھیں جب اس میں کچھ کامیابی ہوئی تو ان میں پڑھنے لکھنے کی لگن اور زیادہ تیز ہوگئی اور انھوں نے گیتا کو آگے پڑھانے کا مطالبہ کیا۔ صبح جب پڑھائی لکھائی کا کام ختم ہوجاتا تو حویلی کی عورتیں گیتا کے قریب آ بیٹھتیں اور بات چیت کرنے میں وہ اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیتیں اور کہتیں کہ خاندانی روایات کو برقرار رکھنا ان کے لیے کتنا اہم ہے۔ حالاں کہ اس کے لیے انھیں قرضہ ہی کیوں نہ لینا پڑے۔ ان کا گزارہ تو ان کے رشتہ داروں پر ہے اور اگر انھوں نے یہ روایات برقرار نہ رکھیں تو انھیں خاندانی افراد کی ناراضگی کا ڈر تھا۔

جیسے جیسے بچے اور عورتیں لکھنا پڑھنا سیکھنے لگیں تو گیتا کو احساس ہوا کہ مفلسی کتنی بری بلا ہے آخر کار اس کو پتہ چلا کہ ان بچوں کو بھی کھیل کود ہنسی مذاق کا موقعہ ملنا چاہیے اور ان کو بھی رنگ رلیوں کا لطف اٹھانا چاہیے۔ اس سے قبل وہ یہ سمجھتی رہی کہ دیوی دیوتاؤں کی پوجا پاٹ اور شادیوں پر انھیں جو اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں وہ ان کی نادانی ہے لیکن اب وہ جان گئی کہ یہ رسومات ان کی زندگی میں کتنی خوشیاں بکھیرتی ہیں۔ گیتا اب ہر صبح منتظر رہا کرتی اس لیے نہیں کہ ان بچوں اور عورتوں کے اجتماع سے اس کے فرضی اوقات یوں ہی رائیگاں نہیں جاتے بلکہ یہ اجتماع تو اس کے لیے ایک آزمائش تھی جس کے لیے اس کو سوچ بچار کرنا پڑتا تھا اور تیاری کرنی پڑتی تھی تاکہ ان طلبہ کا پہلا سا اشتیاق ٹھنڈا نہ پڑ جائے۔ ان میں پڑھائی کا ذوق تو تھا لیکن ان کی یہ دلچسپی برقرار نہ رکھی گئی تو بہت جلد وہ اپنا منہ پھیر لیں گے۔

گیتا کو اب اس حویلی کے وسیع اور سنسان کمروں سے اُنس ہونے لگا اب اس کی غیر مانوسی اور وحشت زدگی معدوم ہونے لگی۔ یہ کمرے جو کوڑے کباڑے سے بھرے پڑے تھے ان بچوں نے انھیں صاف کرا دیا۔

حویلی کے پچھواڑے میں جو پھل سے لدے درخت تھے گوکل نے اب اس کی رکھوالی چھوڑ دی اب ڈرانے دھمکانے کے لیے اس کو چھڑی لے کر وہاں جانے کی ضرورت نہیں تھی کیوں کہ وہاں بچوں نے گھومنا بند کر دیا۔ وجے اور سیتا ان بچوں اور عورتوں کو جنھیں لکھنے پڑھنے میں دشواری ہوتی تھی ان کی مدد کرنے

لگے۔ ان دونوں عورتوں کو اپنی برتری پر ناز تھا۔

مالکن اس پڑھائی لکھائی کے کام کو شفقت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی وہ پارٹی سے کہنے لگی۔" بنی جی کو اپنا من بہلا لینے دو۔ اس کا یہ اشتیاق بہت جلد ختم ہو جائے گا۔ وہ ان عورتوں سے بہت جلد بیزار ہو جائیں گی تب ہم دیکھیں گے کہ پھر وہ کیا کرے گی۔

جیون نواس کی خادماؤں نے پہلے پہل تو حویلی میں اسکول چلائے جانے پر ہنسنے لگیں اور اس کا مذاق اڑانے لگیں لیکن بعد میں وہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ان جماعتوں میں شریک ہونے لگیں۔ وکرم جب سو جایا کرتا تو دھاپو سلائی کرنے لگتی۔ گنگا اپنے ساتھ آلو لے کر اوپر چلی آتی تاکہ وہاں وہ بیٹھے ہوئے اس کا پوست الگ کر سکے اور گیتا ان بچوں کو جو کہانیاں سنا رہی تھیں وہ سب کی سب یہاں بیٹھی ہوئی انھیں سنا کرتیں۔

کھیال بڑ بڑاتے ہوئے رسوئی گھر میں تنہا مسور پکار رہا تھا کیوں کہ تمام نوکر تو اوپر چلے گئے تھے اور اس لیے گپ شپ کرنے اور کسی کو تنگ کرنے کے لیے کوئی ساتھی نہ رہا۔

مالکن اس پڑھائی لکھائی کے کام پر ناراض نہ ہوئی کیوں کہ اس سے گیتا کو بڑا سکون ملتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کو شکایت کرنے کی اور کیا وجہ ہو سکتی تھی۔ کیوں کہ اس کے اپنے ملازم اپنا کام پورا کر دیتے تھے۔ اس پڑھائی لکھائی سے اس کے روزمرہ معمولات میں کوئی فرق نہ پڑا البتہ برآمدہ میں بک بک اور گپ شپ کی آوازیں ہنوز جاری تھیں۔

لیکن مالکن نے حویلی میں اس انوکھی کارروائی جاری رکھنے میں جو لاپروا ہی برتی وہ بہت جلد ختم ہو گئی۔ ایک دن دوپہر کے وقت پڑوس کی حویلیوں سے عورتوں کی ایک جماعت اس سے ملاقات کے لیے آئی۔ انھوں نے ایک کے بعد ایک بھگوت سنگھ جی کی بیٹی سے اپنی شکایت سنانے لگیں۔ کنورانی سہ میرے بھتیجی کے پتی تو اب تنگ آچکے ہیں۔ اپنے کام پر جانے سے پہلے انھیں ٹھنڈی روٹیاں کھانی پڑتی ہیں۔ جو ان کی بیٹی ان کے لیے چھوڑ جاتی ہے۔ وہ یہاں آکر کہانیاں

سنا کرتی ہے۔

"کیا کوئی بیٹی ایسا کر سکتی ہے۔

اس کی یہ شکایت ختم نہ ہوئی کہ دوسری عورت نے کہا" مالکن کیا تم نے سنا۔ کہ میری بھتیجی کی لڑکی کی منگنی ٹوٹ چکی ہے کون ایسی لڑکی کو پسند کرے گا جو پہلے ہی سے سرکش ہے۔ اب اس کی غریب ماں رو رہی ہے۔ اس کو چاہیئے کہ کہ وہ اپنی لڑکی کو اس پڑھائی لکھائی کی اجازت دینے کی بجائے اس کو کمرہ میں بند کر دیتی اور اس کو بھوکا رکھتی ان عورتوں نے جو شکایتیں کیں اس کو سننے کے بعد ایک اور عورت نے جرأت مندی سے کہا۔" اگر ان لڑکیوں کا یہی حال رہا اور

مالکن ان شکایتوں کو چپ چاپ سنتی رہی لیکن اس نے اپنی بے چینی کا اظہار نہ کیا۔ ان کی ان شکایتوں پر اس کو ہمدردی تو تھی لیکن وہ غیروں کے روبرو اپنی بہو کے خلاف کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی۔ گیتا کو ان شکایتوں کا کوئی علم نہ تھا اور وہ اپنے اس نئے شوق میں زیادہ منہمک رہنے لگی۔ بھگوت سنگھ جی کی بیٹی نے گیتا کو وہ شکایتیں نہیں سنائی تھیں جو ان عورتوں نے اس سے کی تھیں۔ اس نے ان شکایتوں پر سنجیدگی سے دھیان نہیں دیا۔ بہر حال اس کو یقین تھا کہ جیسے ہی مانسون کی برساتیں شروع ہوجائیں گی تو یہ جماعتیں خود بخود تتر بتر ہوجائیں گی۔ تین ماہ گزر گئے۔ اور ان جماعتوں کی مقبولیت بڑھتی ہی گئی۔ ایک دن جب کہ سورج آسمان پر اپنی پوری آب و تاب سے گرمی بکھیر رہا تھا اور فضا میں دھول اڑ رہی تھی۔ گلیوں میں پھیری والے دوپہر کا بیوپار کرتے ہوئے دکھائی نہیں پڑے اور آئس کریم والے نے نیم کے پیڑ کے نیچے اپنی دکان نہیں لگوائی تھی۔ یہاں تک کہ گلیوں میں جو گائیں گھومتی رہتی ہیں۔ وہ بھی درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھی ہوئی نظر آنے لگیں۔ آنگن میں خاموشی ہوئی تھی اور دوپہر کی دھوپ سے تھکی ماندی نوکرانیاں پڑی سو رہی تھیں۔ یکایک بغلی دروازہ کی زنجیر کے زور سے کھینچنے اور اس کی جھنجھناہٹ نے نوکرانیوں کو بیدار کر دیا۔ یہ خادمائیں جلدی سے اٹھ بیٹھیں اور اپنے کپڑے ٹھیک کیے دھاپو جلدی سے دروازہ کھولنے کے لیے

چل پڑی۔ نندو، ماجی اور کانتا اندر چلی آئیں۔ کچھ دیر تو وہ پیشانی سے اپنا پسینہ پونچھتی رہیں اور دھاپو سے بغیر کوئی بات کیے سیدھے دیوان خانہ کا رخ کیا۔ انھیں یقین تھا کہ بھگوت سنگھ جی کی پتنی وہاں ہوں گی۔ گیتا جو آرام کر رہی تھی اس کی آنکھوں میں نیند کا خمار باقی تھا اس نے ان تینوں عورتوں کے پیر چھوئے۔

"آؤ، آؤ۔ بائی سہ تمھیں دیکھ کر میں کتنی خوش ہوں۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی لیٹی تھی۔ اتنی گرم ہوا چل رہی ہے۔ چند دنوں میں تو بارش شروع ہو جائے گی ورنہ قحط اور ہیضہ پھیلے گا۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے روکھے پن سے کہا۔ وہ ان ملاقاتیوں کی آؤ بھگت کے لیے اپنی غیر آمادگی چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ بارش تو ہوگی، ضرور ہوگی۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ کتنی زیادہ ہوگی۔ نندو نے ترش روئی سے کہا۔ نوکرانیاں ایک دوسرے کو گھبراہٹ سے دیکھ رہی تھیں وہ جان گئیں کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔ اس سے قبل انھوں نے نندو کو اس طرح خفا ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

دھاپو اور گنگا ان ملاقاتیوں کے لیے جل پان لانے کے لیے چلی گئیں۔ نندو اکڑی ہوئی گیتا کی طرف دیکھنے لگی اور پھر بھگوت سنگھ جی کی پتنی سے کہنے لگی "کاکی سہ آج ہم تم سے گپ شپ کرنے نہیں آئے ہیں۔ مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔ عام طور پر ابتدائی گفتگو میں جو شگفتگی پائی جاتی ہے وہ آج غائب تھی۔ اس کی بجائے نندو کی آواز میں کرختگی تھی۔

بائی سہ مجھے پتہ ہے کہ تم اپنے پوتے کی منگنی کے بارے میں پریشان سی ہو۔ مجھ پر الزام نہ لگانا۔ میں پہلے ہی تمھیں بتا چکی ہوں کہ لڑکی سیاہ رنگ کی ہے اور اس کے ماں باپ غریب لوگ ہیں لیکن میں یقین دلاتی ہوں کہ لڑکی ہیرا ہے۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے بے تامل کہا" میں اپنے پوتے کے لیے لڑکی کے بارے میں بحث کرنے نہیں آئی ہوں۔ مجھے اس کی منگنی کی کوئی جلدی تو نہیں پڑی ہے۔ میں تو آج یہاں ان جماعتوں کے بارے میں جاننے کے لیے آئی ہوں جو بنی جی نے ہر صبح یہاں منعقد کر رکھی ہے۔ نندو نے قدرے ترش روئی سے کہا۔ گیتا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ چمپا نے اس کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

" اوہ یہ جماعتیں تو چھوٹی سی بات ہے بائی سہ' بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے یوں ہی ٹالتے ہوئے کہا۔" بی جی بچوں کو پڑھانا لکھانا چاہتی ہیں۔ میں تو یہ کہوں گی کہ یہ بڑی خوش نصیب ہے گوکل سے تم پوچھو۔ اب تو اس کو آم کے پیڑوں کی رکھوالی نہیں کرنی پڑتی اور اب صبح میں تو ہم سب کو چند گھنٹوں کے لیے سکون ہی سکون ہے۔

" تمھاری حویلی میں تو سکون ہو سکتا ہے مالکن لیکن ہماری حویلیوں میں تو ہنگامہ برپا ہے۔ نندو نے فوراً جواب دیا۔ اگر تمھیں میری بات کا یقین نہیں آتا تو مانجی اور کانتا بائی سہ سے تو پوچھو یہ نوکرانیاں تو صبح ہی سے غائب رہتی ہیں۔ میری بوڑھی نوکرانی کہاں تک کام کر سکتی ہے۔ اس کی لڑکیاں حویلی میں جھاڑو لگاتی تھیں کپڑے دھویا کرتی تھیں اور اب تو صبح ہی سے غائب رہتی ہیں۔ بی جی انھیں جو کہانیاں سناتی ہیں اس کے لیے وہ یہاں آجاتی ہیں اور اپنا وقت برباد کرتی ہیں مانجی اور کانتا نندو سے اتفاق کرتے ہوئے اپنا سر ہلانے لگیں۔" تم ہی بتاؤ پاری جی گنگا، چمپا اور دوسرے نوکر اگر غائب رہیں اور اپنے کام کاج سے غفلت برتیں تو تمھیں کیسا لگے گا؟ نندو نے خفگی سے کہا۔

بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے بے چینی سے اپنا پلو تھام یہ پہلا موقعہ تھا جب کہ وہ کچھ کہنے سے قاصر رہی۔

اسی کشیدگی کو دور کرنے کے لیے پاری نے ان عورتوں کو شربت پیش کیا جو دھاپو سے ملنے آئی تھیں۔ اس تھوڑے سے وقفہ نے بھگوت سنگھ جی کی پتنی کو کچھ سوچنے کا موقعہ دیا۔ اب اس کے چہرہ کی شگفتگی واپس لوٹ آئی تھی اس نے انھیں منوانے کے لیے طنز آمیز لہجہ میں کہا۔" مانجی بائی سہ تم ہی نے تو کہا تھا کہ لکھائی پڑھائی کرنا بہت ہی اچھا ہے اور جب بی جی نے یہ کام شروع کیا تو تمھیں اس پر فخر تھا۔ کیا تم یہ سب کچھ بھول گئیں؟

مانجی بھی اس کا معقول جواب دینے پر تلی تھی وہ کہنے لگی مابی سہ میرے نزدیک بھگوان کی پرستش کے بعد تعلیم ہی کا درجہ بلند ہوتا ہے۔ لیکن یہ طرز تعلیم اس طرح نہیں ہوتی جیسے کہ یہاں دی جاتی ہے۔ یہاں پر تو لڑکیاں بی جی سے کہانیاں سننے چلی آتی ہیں کچھ پڑھائی لکھائی کے لیے تو نہیں۔ تم جانتی ہو کہ کام کاج سے

بچنے کے لیے کوئی بہانہ بھی کافی ہے۔ سیتا کے لیے بی جی نے جو فیصلہ کیا وہ بالکل جدا تھا۔ اس نے ایک اچھے اسکول میں جگہ پائی ہے وہ تو ممکن ہے اور اس کے لیے یہ بہت ہی مناسب ہے لیکن ان لڑکوں نے کام کاج چھٹکارا پانے کے لیے بہت ہی اچھا طریقہ تلاش کیا ہے لیکن آگے چل کر ان کے لیے یہ فائدہ مند ثابت نہیں ہو گا۔ ماجی نے اپنی دکھ بھری آواز میں کہا۔

کاکی سہ میں بتائے دیتی ہوں کہ تمام حویلیوں میں تم پر نکتہ چینی ہو رہی ہے۔ وہ تمھارے رو برو تو کچھ نہیں کہیں گی لیکن پیٹھ پیچھے وہ کہہ رہی ہیں کہ جیون نواس نے ہی ہماری طرز زندگی کے وقار کو ہمیشہ بلند رکھا ہے لیکن اب اسی حویلی میں ہمارے اقتدار کی جڑوں کو جھنجھوڑا جا رہا ہے اور ہمارے نوکروں میں بغاوت کا جذبہ پیدا ہونے لگا ہے۔ تم رئیس ہو اور تمھارے ہاں بہت نوکر چاکر ہیں تمھارا لڑکا اچھے عہدہ پر ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ تم سے کم حیثیت والوں کی حویلیوں میں انتشار پیدا ہو جائے سندو کے اس جوشیلے بیان سے کینہ و سرکشی کی بو آ رہی تھی۔

کانتا اطمینان سے پان چبا رہی تھی۔ اس سے اس کو کوئی سروکار نہ تھا وہ تو سندو اور ماجی کے ہمراہ یوں ہی چلی آئی تھی۔ اس کی نوکرانی تو کافی بوڑھی ہو چکی تھی اور اس کے کسی لکھائی پڑھائی کے کام میں شریک ہونے کا امکان نہیں تھا۔

بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے تھوڑی دیر تک خاموشی سے یہ سب کچھ سنتی رہی اور اپنا سر اٹھاتے ہوئے آہستگی سے کہنے لگی "مجھے دکھ ہے کہ اس بڑھاپے میں مجھ پر انگلیاں اٹھائی جا رہی ہیں یہاں تک کہ جب میرے پتی اودے پور کے وزیر اعظم بنے اور مہارانا نے انھیں اعزاز بخشا تو اس حویلی کی شان دوبالا ہوئی انھوں نے مجھے پیروں میں سونا پہننے کی اجازت دی تو کسی نے مجھے مغرور نہ سمجھا۔ لیکن خود آج میرے ہی سگے سمبندھی مجھ پر الزام لگا رہے ہیں کہ میں حویلی کی حشمت اور جاہ و جلال کی جڑیں کھوکھلی کر رہی ہوں۔ جان پڑتا ہے کہ اپنا زمانہ بیت چکا ہے۔

جذبات کے اس سیلاب سے اس کی آواز کانپ رہی تھی اس کی آنکھوں میں جو آنسو امڈ آئے تھے اور جس کو ضبط کرنے کی وہ کوشش کر رہی تھی۔ وہ

ان سے پوشیدہ نہیں تھے۔

خواتین اور خادماؤں میں سراسیمگی پھیل گئی۔ انھیں یقین نہ آیا کہ جیون نواس کی ذیشان مالکن اس طرح رو پڑیں گی۔ ماںجی اور نندو پہلو بدلتے ہوئے بھگوت سنگھ جی کی پتنی کے قریب جا پہنچیں۔ نندو نے ان کے پیر چھوتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ "کاکی مجھے معاف کر دینا۔ تمھیں حیران کرنا میرا منشا نہیں تھا۔ میرا مقصد محض اتنا تھا کہ چند عورتیں تمھارے بارے میں جو کہہ رہی ہیں، اس سے تمھیں آگاہ کر دوں۔ تم اس پر پریشان مت ہو، ہم تمھیں اچھی طرح جانتے ہیں ہم اپنی زبان سے جیون نواس کے خلاف کوئی الزام نہیں دھریں گے۔"

بھگوت سنگھ جی کی پتنی کو تسکین تو نہ ہوئی لیکن وہ چپ ہو گئی۔ اس دوران پاری اپنی جگہ ہی بیٹھی رہی۔ اس کے سکڑے ہوئے گالوں پر آنسو بہنے لگے۔ "یہ اجتماع تو زیادہ دن نہیں چلے گا۔" یہ کہتے ہوئے دھاپو وہاں آ بیٹھی تاکہ ماںجی کو کچھ تسکین مل سکے۔ ماںجی کی نیم کھلی آنکھیں آنسوؤں سے نم تھیں۔ لکھنا پڑھنا تو کوئی آسان کام نہیں۔ وجے بائی سہ نے مجھے پڑھانے کی کوشش تو کی لیکن وہ مجھے ایک لفظ بھی سکھانے میں ناکام رہی کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ یہ ناسمجھ لڑکیاں جو ماں بننے کے قابل ہیں وہ پڑھنا لکھنا سیکھ سکتی ہیں ان سب کے لیے یہ انوکھی بات ہے اسی لیے وہ یہاں آیا کرتی ہیں لیکن میں کہے دیتی ہوں کہ یہ سب کچھ تھوڑے دن کے لیے ہے۔ ابھی تو چند لڑکیوں نے نے یہاں آنا بند کر دیا ہے۔

دھاپو نے ان جماعتوں کے بارے میں اپنا جو خیال ظاہر کیا وہ قابل اعتماد نظر آرہا تھا۔ ان عورتوں نے رسیلے اور برف سے ٹھنڈا کیے ہوئے تربوز کا ایک ایک ٹکڑا اٹھالیا جو گنگا یہاں پر لے آئی تھی۔

گنگا اپنے گھونگھٹ میں آگ بگولہ بنی بیٹھی تھی اس نے انتہائی تحمل سے کام لیا اور اپنی زبان بند رکھی۔ اس کا بدن غصّہ سے کانپ رہا تھا۔ سب سے زیادہ وہ ماںجی کو لتھاڑنا چاہتی تھی۔ اس کو ایسا لگا گویا اس نے اس کو دھوکہ دیا

ہے۔ کس جرأت مندی سے وہ کہتی ہے کہ یہ عورتیں اپنے کام کاج سے چھٹکارا پانے کے لیے یہاں آنے لگی ہیں اور اگر یہ مان بھی لیا جائے تو اس میں کیا قباحت ہے کہ یہ نوجوان لڑکیاں صرف اس وجہ سے حویلیوں میں کام کرتی رہیں کیوں کہ ان کی مائیں بھی حویلی کی ملازم رہ چکی ہیں۔ اس کو شدت سے خیال آیا کہ آخر ماں بھی تو دوسروں کی طرح انھیں میں سے ہے۔

نواں باب

جس دن نندو اور ماںجی حویلی آئی تھیں اس رات گیتا کو نیند نہ لگی اجے اس کے زبان بازو میں پڑا گہری نیند سو رہا تھا۔ اس نے اس کو نہیں جگایا اس کے خیالات پراگندہ تھے لیکن وہ اپنے شوہر کو شریک غم نہیں بنانا چاہتی تھی۔ اس کو ڈر تھا کہ اس مرتبہ اس کا شوہر اس کے جذبات سے اتفاق نہیں کرے گا۔ اور وہ فکرمند ہو جائے گا۔ وہ ماںجی اور نندو پر برس پڑے گا اور ان کی مخالفت کرنے سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔ لیکن گیتا کا یہ منشا تو نہ تھا اس مرتبہ اس کی باغی کیفیت کچھ اور ہی تھی اپنی حمایت کے لیے اس کو نہ کسی دوسرے سہارے کی ضرورت تھی اور نہ وہ یہ جانتی تھی کہ اخلاقی طور پر کوئی اس کا مددگار رہے۔

وہ حسب معمول سویرے ہی بیدار ہوئی اشنان کیا اور کپڑے بدلے لیکن وہ ایسی بے جان سی تھی گویا کہ اس کے بدن کی ساری توانائی ختم ہو چکی ہو۔ وہ نیچے جانے کے بجائے گدیلے پر ہی لیٹی رہی۔ دوپہر میں ماںجی اور نندو کے حویلی میں آنے کے بعد رات بھر اس کے ذہن میں خیالات مچل رہے تھے وہ پھر سے ابھر آئے اس سے پہلے اس نے کبھی اپنی ساس کو اس طرح پُراثر اور جوشیلے انداز میں کہتے ہوئے نہیں سنا تھا۔ اس نے اپنی شائستگی سے نندو کو منہ توڑ جواب دیا اور دونوں کی زبان بند کر دی۔

اپنی ساس کے اس رویہ پر گیتا کی نظروں میں اس کی وقعت بڑھ گئی اور وہ اس کی شکر گزار بن گئی لیکن بجائے اس پر خوش ہونے کے اس کو بےچینی سی

محسوس ہونے لگی وہ جانتی تھی کہ بھگوت سنگھ جی کی پتنی کو جیون نواس کے وقار کے بالمقابل ہر کوئی چیز حقیر لگتی ہے۔ وہ اس حویلی کی آبرو کو بٹہ لگنے نہیں دے گی اور اس کی برقراری کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گی۔ نندو نے جو کچھ کہا تھا اس کے لیے بہت بڑا صدمہ تھا۔ اس کے ان مشاہدات میں قدرے حقیقت تھی۔ حویلیوں میں جو نکتہ چینی کی جا رہی تھی وہ حق بجانب تو تھی۔ گیتا کو ندامت ہونے لگی ہے اس نے آئندہ نتائج کے بارے میں سوچے بغیر دوبارہ بے صبری سے قدم اٹھایا تھا۔ اپنی ساس کی بے عزتی یا جیون نواس کی بدنامی کی نہ اس کو تمنا تھی اور نہ اس کو یہ حق حاصل تھا لیکن اس نے ٹھیک وہی کیا جو اس کو نہیں کرنا چاہیئے تھا اس کا ہرگز یہ منشا نہیں تھا کہ اس کے عمر رسیدہ سسرال والوں کو کوئی دکھ پہنچے یا ان کی رسوائی ہو انھوں نے ہی تو اس پر پیار و محبت نچھاور کیا تھا۔ گیتا لیٹے ہوئے اپنے خیالات اور احساسات کا از سرِ نو جائزہ لے رہی تھی۔ حویلی کے روزمرہ معمولات میں تبدیلی کرنے کی جو خواہش اس میں تھی وہ اب دھیمی پڑ گئی اس کی بجائے وہ کہنے لگی "کیا مجال ہے کہ حویلی پر کوئی آنکھ اٹھائے۔ اب تو بچوں کی لکھائی پڑھائی کا کام بند کر دینا چاہیئے۔ میں ان لڑکیوں کو یہاں آنے سے منع کر دوں گی اس میں ایک نیا جوش و خروش بیدار ہو گیا جو اس سے پہلے اس نے کبھی محسوس نہیں کیا۔ نندو کے کلمات جب اس کو یاد آنے لگے تو وہ اس پر خفا ہونے لگی۔ اس نے پہلی مرتبہ یہ محسوس کیا کہ وہ کسی تعصیب کا شکار بنی ہے اور وہ اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہتی ہے اب اس میں ناامیدی کا وہ احساس باقی نہ رہا اور نہ ان بند دروازوں کو توڑنے کی تمنا تھی جن کے پیچھے وہ جکڑی ہوئی ہے۔

" میں اب ادے پور نہیں چھوڑوں گی۔ اس حویلی نے تو مجھے اپنا ساتھی بنا لیا ہے۔ میں کتنی نادان تھی کہ میں نے یہ نہیں جانا کہ اس کی چار دیواری میں کتنی خوشیاں بھری ہیں۔ اس طرح کا پیار اور محبت مجھے اور کہاں ملے گا؟ میرے بچے یہیں پلیں گے اور بڑے ہوں گے انھیں اس قدیم حویلی کا احترام کرنا لازم ہو گا۔ وکرم دھاپو کے ہاتھوں بنا رہا تھا۔ وہ بے خوش اچھل رہا تھا۔ اس کی یہ ہنسی دیکھ کر گیتا کے دل میں ایک نئی امنگ پیدا ہوئی اس کے ذہن میں خیالات کا سیلاب بہہ رہا تھا۔ گویا کہ

شہد کی مکھیاں اس کے ہر عضو کو ڈس رہی ہوں یہ چبھن اذیت زدہ تو تھی لیکن ناقابل برداشت تو نہیں تھی۔ ان بچوں پر اس طرح کا پیار کون نچھاور کرے گا۔ اس طرح کی خدمت گزاری تو اعلیٰ درجہ کے انسان ہی کر سکتے ہیں۔ بچوں نے اگر کچھ نہ کھایا تو یہ نوکر بھوکے رہتے ہیں اور اگر کسی بچے کے سر میں کچھ درد ہو تو یہ رات بھر جاگتی رہتی ہیں۔ ان کی اس بندگی کے صلہ میں انھیں جو ملتا ہے وہ بہت کم ہے لیکن اس کے باوجود ان کے لبوں پر مسکراہٹ رہتی ہے گویا کہ ان کے پاس خوشی کا خزانہ پوشیدہ ہے جس کا کسی کو علم نہیں۔ اس باطنی اضطراب میں گیتا کو دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی نہیں دی۔

" بی جی۔ آکاش کی طرف دیکھو وہ پھولا جھیل کی طرح صاف دکھائی دے رہا ہے۔ دھاپو نے دبے پاؤں کمرہ میں چلی آئی اور کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔ پھر وہ فرش پر بچھے ہوئے گدیلے پر بیٹھ گئی اور بیزارگی سے کہنے لگی " سارا اناج تو تباہ ہو چکا ہے۔ اگر ایشور ہی ناراض ہو جائے تو میرے پتی کا کیا قصور پنڈتوں کا کہنا ہے کہ یہ سال اچھا نہیں ہے اور برسات اتنی کم ہو گی کہ زمین بھی گیلی نہ ہو سکے گی۔ کھیالی کا جو قرضہ میرے سر چڑھا ہے اس کی ادائیگی تو اب ناممکن ہے۔

" بائی۔ تمھارا قرضہ کتنا ہے ؟ گیتا نے پوچھا۔

بی جی مجھے تو حویلی کے قرضہ کی فکر نہیں۔ صرف کھیالی مجھے دو سو روپیوں کی رقم لوٹانے کے لیے تنگ کر رہا ہے۔ جس طرح مجھے وہ طعنے دیتا رہتا ہے کوئی یہ سمجھے گا کہ اس نے مجھے یہ رقم بطور تحفہ دی ہے۔ کسی دن میں اس کو بتا دوں گی کہ وہ خون چوسنے والا سود خوار ہے۔ وہ اسی لائق ہے۔ سو روپیہ ادھار پر دو روپیہ فی صد بطور سود وصول کرتا ہے اور اس کے باوجود وہ بڑبڑاتا رہتا ہے لیکن میں اس کو ناراض تو نہیں کرنا چاہتی کیوں کہ مجھے اس سے مزید قرضہ جو لینا ہے۔" نہیں نہیں بائی میں تمھیں قرضہ دوں گی گیتا فوراً کہہ اٹھی۔

" میں تم سے قرضہ نہیں لوں گی۔ دوسرے نوکر بھی تو میری طرح خستہ حال ہیں یہ انھیں ناگوار لگے گا۔ کنور صاحب نے میرے پتی کو بغیر سود کے ایک ہزار روپیہ

قرض دیا ہے۔ میں تم سے مزید قرضہ نہیں لوں گی۔ دھاپو بندگی سے گیتا کے پیر چھونے لگی۔ اس نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا گویا وہ کوئی اہم بات گیتا کو بتلانا بھول چکی ہو اس نے بھنویں سکیڑتے ہوئے آہستہ اور خفیہ انداز میں کہا۔

"بی جی چند دن پہلے سر جو یہاں آئی تھی اس نے بتلایا کہ جودھپور سے چوروں کی ایک ٹولی یہاں آئی ہوئی ہے۔ یہ ڈاکو گھروں میں چوری تو نہیں کرتے بلکہ نوجوان لڑکیوں کو اڑا لے جاتے ہیں۔ وہ سمجھتی ہے کہ جو عورت سیتا کو لڈو دیا ہے غالباً اس کا تعلق اسی چوروں کی ٹولی سے ہے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں سنا کر کسی نازک مسئلہ پر سے توجہ ہٹانے کی تو دھاپو کی عادت تھی لیکن اس مرتبہ دھاپو کی اس چال پر گیتا ناراض تو نہ ہوئی وہ اٹھ بیٹھی اور مسکرانے لگی۔ جو عورت سیتا کو لڈو دیا کرتی ہے اس کے بارے میں جاننے کے لیے گیتا بھی بے قرار تھی وہ عورت صرف سیتا پر کیوں اتنی مہربان ہے لیکن اغوا کرنے والی ٹولی سے اس کی وابستگی اس کو مبالغہ سی لگی بائی سہ جو کی مدد لیے بغیر تم اس عورت کا سراغ لگا سکتی ہو۔ دوسروں کے راز جاننے میں تو تم ماہر ہو۔ گیتا نے اس کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

مالکن کا اشارہ دھاپو فوراً بھانپ گئی اور اپنے بچاؤ کے لیے وہ کہہ اٹھی بی جی میں اپنی لڑکی کی سوگند کھاتی ہوں کہ میں نے باپوسہ کے دہلی جانے والی بات کا ننا بائی سہ کو نہیں بتلائی تھی میں نہیں جانتی کہ ان کی ملازمہ کو اس کا پتہ کیسے چل گیا۔

"لیکن بائی باپوسہ کے خیالات کا تمھیں کیسے پتہ چلا؟ گیتا نے پھر سے دہرایا وہ دھاپو کو اپنے ہی بچھائے ہوئے جال میں پھانسنا چاہتی تھی۔" اوہ دھاپو نے معصومانہ انداز میں کہا "جب تم باپوسہ پر برس رہی تھیں تو میں اس وقت کھلی چھت پر تھی۔ وہاں پر تھوڑی دیر تک میں نے تمھاری بات چیت سنی لیکن میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا اس لیے میں وہاں سے چل پڑی اور اگر تم اس طرح تیزی سے باتیں نہ کرتیں تو میں کچھ دیر اور وہاں ٹھہرتی۔ دھاپو اپنی شرارت بھری نگاہوں سے گیتا کی طرف دیکھنے لگی

گیتا کھل کھلا اٹھی۔ یہ پہلا موقعہ تو نہ تھا جب کہ بیتی کے ساتھ اس کی گفتگو

چوری چھپی سنی گئی تھی۔ لیکن اب کی بار گیتا نے اس کو نظر انداز کر دیا۔ یہاں کی عورتوں میں دوسروں کے ذاتی معاملات کو خفیہ طور پر جاننے کی جو جستجو رہتی ہے اس پر وہ ناراض ہونے کی بجائے خوش و خرم تھی۔ جن افراد میں یہ خصلت پائی جاتی ہے ان کی کوشش ناکام کرنے کے لیے اس نے ایک منصوبہ بنا رکھا تھا۔ وہ دھاپو سے یہ کہنا چاہتی تھی کہ چوری چھپے کسی دوسرے کی بات سننا کتنی بڑی غلطی ہے کہ پردہ ہلنے لگا اور بھگوت سنگھ جی کی پتنی پاری کے ہمراہ اندر چلی آئی۔

"بنی جی تم ٹھیک تو ہو مالکن نے پوچھا۔ گیتا فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور ان کے پیر چھونے لگی۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی گدیلے پر بیٹھ گئی اور گیتا کو اس طرح گھورنے لگی گویا وہ ململ کی ساڑی میں ڈھکے ہوئے اس کے چہرہ کو اچھی طرح دیکھ پائے۔ اس نے اپنی دھیمی اور محبت بھری آواز میں کہا " بنی جی نندو بائی سہ نے جو کہا اس کا برا مت ماننا۔ اس کے ملازم چوں کہ افسردہ خاطر ہیں اس وجہ سے وہ بھڑک اٹھی تھی اور ہمیشہ سے کنجوس بھی تو رہی ہے۔" بھابھی یہ سب میری ہی غلطی تھی مجھے معاف کر دینا۔ مجھے ان لڑکیوں کو یہاں پر اکٹھا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کل میں انھیں یہاں آنے سے منع کر دوں گی۔ گیتا نے صاف گوئی سے کہہ دیا۔

تم ایسا مت کرو۔ تمھارے سر جی نے جب تمھیں اس کی اجازت دی ہے تو مجھے دوسروں کی نکتہ چینی کی کیا پرواہ وہ جو چاہیں کہہ سکتے ہیں۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے اپنی پر اثر آواز میں کہا۔ گیتا نے اپنا سر جھکا دیا وہ کچھ کہنے سے قاصر رہی لیکن بنی جی میں ان جماعتوں کے بارے میں بات کرنے تو نہیں آئی۔ یہ جماعتیں تو جاری رہنی چاہئیں۔ یہ کہتے ہوئے وہ تھوڑی دیر رک گئی اس کے چہرہ پر سنجیدگی کے آثار نمایاں تھے اور پھر غمگین آواز میں کہنے لگی۔

"بنی جی میں جانتی ہوں کہ اجے بابو کو دہلی میں بڑا عہدہ ملا ہے۔ کانتا بائی نے کہا تھا کہ حویلی کے باہر بھی یہ خبر لوگوں میں پھیل چکی ہے لیکن اس کا مجھے پتہ نہیں تھا۔ بابو سہ نے خود اپنے پتا کو یہ خبر نہیں سنائی ہے۔ میں اس کو اچھی طرح جانتی ہوں کہ وہ ہمیں دکھ نہ دینے کے لیے اپنا سکھ قربان کر دے گا۔ حویلی کے مرد لوگ تو ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ تمھارے سر جی نے بیکانیر کے وزیر اعظم

کا عہدہ اس لیے ٹھکرا دیا تھا کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ مجھے اودے پور سے دور رہنا گوارا نہیں۔

قطع کلامی کرتے ہوئے گیتا کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے اپنا ہاتھ ہلا کر اس کو چپ کر دیا۔" بنی جی غور سے سنو میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اس مرتبہ باپو ہمارا خیال نہ کرے ہم بوڑھے ہو چکے ہیں اور ہمارا کام ختم ہو چکا ہے، لیکن تم دونوں نوجوان ہو اور تمھارا مستقبل روشن ہے باپو کو یہ موقعہ کھونا چاہیئے میں ماں ہوں میں اپنے بچّوں کی خوشی اور کامیابی چاہتی ہوں تو تم اس کو یہ بات سمجھا سکتی ہو۔ تم ہی اس کو ذہن نشین کرا سکتی ہو کہ وہ ایسے موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہ دے جس سے اس کا مرتبہ بلند ہو گا اور زندگی مالامال ہو گی۔ چند مواقع ایسے بھی آتے ہیں جب کہ حویلی کو بھلا دینا پڑتا ہے۔ گیتا کی آنکھوں سے آنسو پھوٹ نکلے۔ اس نے بھگوت سنگھ جی کی پتنی کی گود میں اپنا سر چھپا لیا اور بچّوں کی طرح رونے لگی۔

حصّہ سوم

پہلا باب

پانچ برس بیت گئے۔ جیون نواس کی دیواریں زردی مائل ہوگئیں اور لکڑی کے دروازوں میں شقیں پڑگئیں اس کے سنگ مرمر بھی زیادہ زرد پڑ گئے۔ بالاخانہ کی طلائی نقش ونگاری کئی جگہوں سے شکستہ ہوگئی جس کی وجہ سے اس کی وضع قطع میں تسلسل باقی نہ رہا۔ حویلی کا ایک علاقہ تو بند پڑا تھا۔ اب یہاں اتنے سارے نوکر تو نہیں رہے۔ جو اس کو صاف ستھرا رکھتے۔ کئی نوکر تو گزر چکے تھے اور ان کی جگہ بھرتی نہیں کی گئی تھی پاری تو اب اور زیادہ بوڑھی ہو چکی تھی لیکن اس کا ذہن ابھی چالاک تھا اور اس کی یادداشت شگفتہ تھی۔ صفائی کا کام کرنے کی اب گوکل میں قوت باقی نہ رہی لیکن اس نے اپنی معذوری کو بھگوت سنگھ جی سے چھپائے رکھا۔ جو کچھ کام اس سے بن نہ پڑتا وہ اس کے لڑکے پورا کر دیتے حالاں کہ وہ اس حویلی کے نوکر نہ تھے۔ گنگا رام کے پیر اور زیادہ لڑکھڑانے لگے اور اس کے داغ دار چہرہ پر خرابیِ صحت اور ترش روئی کے آثار نمایاں تھے۔ دھاپو اب دادی بن چکی تھی۔ وکرم اب اسکول میں پڑھائی کر رہا تھا۔ گیتا کے یہاں ایک اور لڑکا ہوا جو خاندان کے لیے باعث مسرت تھا۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی اب کمزور ہو چکی تھی لیکن وہ اپنے کام کاج میں حسبِ معمول مصروف رہتی۔ وہ ملاقاتیوں سے ابھی بھی ہنسی خوشی ملا کرتی اور بات چیت کرنے سے کبھی نہیں تھکتی۔ جب اس کو پتہ چلا کہ حویلی کے اخراجات یوں ہی برقرار نہیں رکھے جا سکتے تو وہ کبھی کبھی پریشان ہو جاتی۔ اس نے اب جیون نواس کی ظاہری خستہ حالی کو

اپنا مقدر سمجھ لیا۔ جب وہ اس کی موجودہ حالت پر غور کرتی تو اس کو ان دنوں کی یاد آتی جب کہ دیوالی پر رانا کے حکم پر جیون نواس کی سفیدی اور مرمت ہوا کرتی تھی۔ ان گزشتہ دنوں میں دوسری حویلیوں کی بہ نسبت جیون نواس کی ایک امتیازی شان تھی اور گلی کا بچّہ بچّہ جانتا تھا کہ یہ حویلی ریاست اودے پور کے ایک وزیر کی ہے جو مہارانا کے وفادار اور پرستار خادم تھے۔ اب جب کہ حویلی پر پہلے جیسی بہار باقی نہیں تھی لیکن لوگ اب بھی اس کو احترام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

اجے سنگھ نے اودے پور یونی ورسٹی کا عہدہ قبول کرلیا اور عورتیں اب ان کے بارے میں گپ شپ کرنے سے باز آنے لگیں۔ اجے سنگھ کی اس حرکت پر انھیں تعجب ہوا کیوں کہ جس وقت گیتا دلہن بن کر آئی تھی تبھی سے انھیں یقین تھا کہ وہ اپنے پتی کو اودے پور سے دور چلے جانے کی ترغیب دے گی۔ انھیں یقین تھا کہ گیتا کو بظاہر اپنی فرماں برداری کے پردہ میں رہنا گوارا نہیں اور زیادہ مدت تک حویلی کے رہن سہن اس کے لیے نا قابل برداشت ہو جائیں گے۔ کئی برسوں کی محبت سے انھیں پتہ چلا کہ گیتا کو ان کے حالات جاننے اور بات چیت کرنے کا اشتیاق ہے لیکن اس کے باوجود وہ جانتی تھیں کہ گیتا کو درحقیقت ان کی صحبت پسند نہیں ہے۔ وہ جانتی تھیں کہ اب اس کی زندہ دلی اور بے تکلفی اس سے چھن گئی ہے۔

لیکن گیتا کو یہ احساس ہونے لگا کہ وہ حویلی میں مقید نہیں ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ خود اپنی شخصیت میں کئی تبدیلیاں آچکی ہیں۔ اس کو اب دوستانہ تعلقات کی قدر و قیمت کا پتہ چلا اور وہ حویلی کے موروثی وقار کو برقرار رکھنا چاہتی تھی لیکن حویلی کی عورتیں اپنے قدیم رسم و رواج پر جس سختی سے کاربند تھیں اس کو نہیں بھائیں۔ اس کے لیے تو سب سے زیادہ پریشان کن امر تو یہ تھا کہ خاندان میں اس کی حیثیت کیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو حویلی کی عورتوں کے روپ میں ڈھال تو نہیں سکتی اور نہ وہ اس رنگ میں سما جانے کی آرزومند تھی۔ گیتا اور حویلی کی عورتوں میں کشیدگی برقرار رہی البتہ اس کا اظہار نہیں کیا گیا لیکن گیتا نے اس پر نہ تو دھیان دیا۔ اور نہ وہ اس سے پریشان رہی اس کی سسرال والوں

نے اس کو حویلی میں مکمل آزادی دے رکھی تھی کہ اس کا من جو چاہے سو وہ کرے۔
پڑھانے لکھانے کا جو کام اس نے شروع کیا تھا اس سے اس کو بے حد سکون میسر
ہوا تھا۔ روی جس کو اس نے تین برسوں تک پڑھایا تھا اس کو اسکول میں داخلہ
مل گیا۔ اس کو اس بات پر فخر تھا کہ جماعت میں اس سے زیادہ عمر والے لڑکوں میں
بھی اس کا پلّہ بھاری تھا۔ کچھ لڑکیوں نے پڑھنا لکھنا سیکھ لیا لیکن چند ایسی بھی تھیں
جنھیں ابتدائی حروف جاننے میں دشواری پیش آئی تھی ایسی عورتوں کو سلائی کا
کام سکھلانے کے لیے گیتا نے ایک عورت کو ملازم رکھا جو انھیں کپڑا کاٹنے
اور کشیدہ کاری کی تربیت دینے لگی۔ گیتا کی کارگزاریوں میں بھگوت سنگھ جی دلچسپی
لینے لگے اور انھوں نے اس کی حوصلہ افزائی کی انھوں نے گیتا کو سلائی کی دو مشینیں
فراہم کیں اور منیم کو ہدایت دی کہ ان جماعتوں کے کل اخراجات ان کے ذاتی
حساب کتاب میں درج کیے جائیں۔

گیتا یہ جانتی تھی کہ چند لڑکیوں کو مجبوراً لکھائی پڑھائی ترک کرنی پڑی۔
لیکن جن حویلیوں کی نوکرانیوں کو دھمکی دی گئی اور انھیں قابو میں رکھنے کی کوشش
کی گئی انھیں حویلیوں کی بہو بیٹیوں کو ان جماعتوں میں شریک ہو کر کچھ تربیت
حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی۔

سابق میں اس کو اپنے سسر جی سے ملنے جلنے کی جو ممانعت تھی وہ گزشتہ
چند سالوں سے ہٹا دی گئی اب اس کو ان کے روبرو بیٹھنے کی آزادی تھی جب کہ
وہاں غیر لوگ موجود نہ رہتے اور اب وہ ان سے بالراست گفتگو کر سکتی تھی۔ برسوں
اس حویلی میں رہائش کی وجہ سے اس میں ایسا شرمیلا پن سرایت کر گیا تھا جس
پر قابو پانا اس کے بس کا روگ نہیں تھا لیکن جیسے جیسے سسر جی سے ملاقاتیں
بڑھتی گئیں وہ اتنی ہی زیادہ ان کی شیدائی بنتی گئی۔ ان کی قلبی کیفیت کا پتہ لگانا
کسی ادنیٰ انسان کی دانست سے باہر تھا۔ جاڑوں کے دن تھے۔ بھگوت سنگھ جی
کی پتنی گیتا اور کانتا دیوان خانہ میں بیٹھی ہوئیں اپنے سگے سمبندھیوں سے باتیں
کر رہی تھیں۔ جو ان سے ملنے کے لیے چلی آئی تھیں۔ پتہ نہیں کہ آج سب کے
سب کہاں غائب ہو گئے۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی یہ کہتے ہوئے اٹھنے لگیں۔

"مالکن تمھیں تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں آج ہمارا برت ہے اور پورنماشی کا گیارھواں دن ہے۔ ایک بڑی بوڑھی عورت نے مالکن کو اٹھنے سے روکتے ہوئے کہا۔ تم سب نے برت رکھا ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ سب کی سب غائب ہوجائیں۔ مالکن نے شکایتی انداز میں کہا۔" کالی سر کیا تم جانتی ہو کہ بی.جی کی بدولت آج میری نوکرانی کی لڑکی اسکول میں آیا کا کام کررہی ہے اور ایک سو روپیہ تنخواہ پاتی ہے۔ کانتا نے کہا اس کی پیار بھری سیاہ آنکھیں گیتا پر جمی تھیں۔

کانتا جس کے دانت تمباکو سے داغ دار تھے۔ کہنے لگی ایک دن میری کانی نوکرانی جس نے گزشتہ تیس برسوں میں اپنی آواز بلند نہیں کی تھی۔ وہ مجھے تعلیم کے فوائد پر لیکچر دینے لگی۔ آخر جلتی مرچوں کی تیز مہک نے اس کی گھگھی بند کردی۔

بھگوت سنگھ جی کی بیتی نے اپنی مسکراہٹ ضبط کرلی وہ کانتا کو اس دن کی یاد نہیں دلانا چاہتی تھی جب وہ پڑھائی لکھائی کی جماعتوں کو بند کرنے کے لیے مانجی اور نندو کے ساتھ حویلی چلی آئی تھی۔ اس کی بجائے اس نے نوکرانی کے ایک لڑکے کو آواز دی اور خفگی سے کہنے لگی۔" جاکر دھاپو، گنگا، چمپا اور سبھی سے کہہ دینا کہ وہ نہ آئیں اور اپنی جگہ آرام کریں۔ مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں میں اپنا کام خود اپنے ہاتھوں کرسکتی ہوں۔"

جیسے ہی یہ لڑکا آنگن پار کررہا تھا۔ مالکن کی یہ بات پاری کے کانوں میں پڑی اور وہ لنگڑاتی ہوئی چلی آئی۔ وہ آنگن پار کرتے ہوئے کہنے لگی" کنورانی سہ سب نوکرانیاں گنگا رام جی کے ساتھ بیٹھی ہیں اس کے گاؤں سے چند لوگ آئے ہیں اور وہ سیتا کے لیے رسنہ لائے ہیں اس نے یہ سب کچھ جوشیلے انداز میں کہا۔ مالکن اپنا غصہ بھول بیٹھیں اور وہ حیرت سے پاری کی طرف دیکھنے لگیں۔

"مالکن دو دو رشتے آئے ہیں گوکل جی اور کھیالی جی پہلے طرفین سے بات کررہے ہیں وہ لوگ خوش حال نظر آرہے ہیں۔ ان کے چار لڑکے اور تین کنواری لڑکیاں ہیں انھیں اپنے بڑے لڑکے کے لیے ایک لڑکی چاہیئے لڑکے کی عمر سترہ برس ہے لیکن وہ ان پڑھ ہے۔ پاری جی تم تو جانتی ہو کہ سیتا گاؤں

میں کبھی خوش نہیں رہے گی۔ تم عورتوں نے پہلے تو اس کی عادتیں بگاڑ دیں اور اب جتنا جلد ہو سکے اس کو کسی کے گلے میں باندھ دینا چاہتی ہو۔ مالکن نے حیرت زدگی سے کہا وہاں بیٹھی ہوئی دوسری عورتوں نے بھی اثبات میں اپنا سر ہلایا۔ قبل اس کے کہ پاری مزید کچھ اور کہے اور دھاپو دوسری نوکرانیوں کے ہمراہ جلدی سے وہاں ہانپتے ہوئے چلی آئی اور دری کے کنارے ٹھنڈی زمین پر بیٹھ گئی۔

کنورانی سا ہماری چہیتی سیتا کے لیے ایک نہیں بلکہ دو دو رشتے آئے ہیں دھاپو کی سانس پھول رہی تھی۔ اور تھوڑی دیر بعد جب وہ سنبھل گئی تو کہنے لگی ،،میں نے تو یہ سوچا تھا کہ سیتا کے ساتھ بیاہ رچانے پر آمادہ کرنے کے لیے رشوت دینی پڑے گی۔ اس کی بجائے لوگ اس کا ہاتھ مانگنے کے لیے ہمارے دروازے پر آنے لگے ہیں۔ یہ اس کی خوش قسمتی ہے ورنہ وہ اتنی حسین تو نہیں۔ دھاپو، تم سب عورتیں جلد بازی مت کرو اس رشتہ کو منظور کرنے سے پہلے میں ان لوگوں کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔ مالکن نے فوری طور پر کہہ دیا۔

بڑے بوڑھے سگے سمبندھی جو یہاں بیٹھے تھے وہ اپنے گھونگھٹ میں کچھ بڑبڑا رہی تھیں۔ درحقیقت یہ ایک عجیب سی بات تھی۔ انھیں بخوبی علم تھا کہ خود اپنی لڑکیوں کے لیے دولہا کے ماتا پتا کے مطالبات کو پورا کرنے کے لیے انھیں کتنی بے چین راتیں گزارنی پڑیں۔ کسی لڑکے کے ماتا پتا کا اس طرح بالراست گفتگو کرنا کوئی عام طریقہ تو نہ تھا۔ ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس غیر معمولی حرکت کے پیچھے یقیناً کوئی گہرا راز پنہاں ہے۔

یہ عورتیں یوں ہی بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں اور قیاس آرائیاں کر رہی تھیں کہ یکایک انھیں موٹر کار کی آواز سنائی دی اور روپے دوڑتی ہوئی دیوان خانہ آپہنچی اور کہنے لگی ،، بڑی بھابھی مجھے اسکول کی بیڈمینٹن ٹیم میں شامل کر لیا گیا ہے اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔ بھگوت سنگھ جی کی بیٹی نے اس کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھا اور اس کو کوئی چیز چھپاتے ہوئے دیکھ کر پوچھا ،،میری لاڈلی تم کیا کھا رہی ہو؟

،، اوہ۔ اس بوڑھی عورت نے سیتا کو جو لڈو دیئے تھے یہ وہی لڈو ہیں

جو سیتا نے مجھے دیا تھا۔ یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی ہتھیلی دکھلائی جس میں آدھا لڈو باقی تھا۔ بڑا مزیدار ہے بڑی بھابھی کتنا اچھا ہوتا اگر تمھیں بھی اس طرح کے لڈو ملا کرتے۔"

سگی سمبندھی بخوبی جانتی تھیں کہ پوتے اور پوتیوں کے اسکول سے واپس لوٹنے پر بھگوت سنگھ جی کی پتنی ان کو کھلانے پلانے کے لیے ہلچل مچادیں اس لیے وہ وہاں سے چلنے لگیں۔ مالکن ان سے چھٹکارا پانا چاہتی تھی کیوں کہ اس کے ذہن میں کوئی اور بات سمائی ہوئی تھی گفتگو کرنے پر آمادہ نہیں تھی جیسے ہی یہ سب لوگ چلے گئے مالکن رسوئی گھر میں جا بیٹھی تھوڑی دیر بعد گنگا اور دھاپو بھی وہاں پہنچ گئیں۔" یہ عورت کون ہے جو اتنی رحم دل ہے۔ پہلی مرتبہ جب سیتا لڈو لے کر آئی تھی تو اسی وقت اس کا پتہ لگانا چاہیے تھا۔ مالکن نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اور ہاتھوں میں اپنا سر پکڑ لیا۔

" مالکن میں نے اسکول کے نگران سے اس عورت کے بارے میں پوچھا تھا اس نے بتلایا کہ وہ ایک پاگل ہے۔ اس کے کوئی اولاد نہیں اور لڑکیوں کو کھیل کود کرتے ہوئے دیکھتے ہی میں اس کو خوشی محسوس ہوتی ہے۔ دھاپو نے خوش اخلاقی سے کہہ ڈالا۔

ذرا سوچو تو اس عورت نے اس حویلی کے بارے میں کیا سوچا ہوگا۔ ہمارے بچّے ایک غریب عورت کے ہاتھ کی پوریاں اور لڈو کھاتے ہیں اور ہمیں اس کا علم تک نہیں یہ عورت کون ہے اور کہاں رہتی ہے۔ کتنی فیصلہ کن آواز میں کہا اس سوال کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا اور رسوئی گھر میں سکوت طاری ہوگیا کہ یکایک حویلی کے آنگن سے تیز آواز سنائی دی۔

آؤ۔ آؤ یہ میرا ننھا سا بندر تو دیکھو۔ یہ بول سکتا ہے اور گا سکتا ہے۔ عجیب حرکتیں کرتا ہے جو تم نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ ڈگڈگی پیٹتے ہوئے ایک شخص کہنے لگا۔

آنگن میں جب بچّوں نے یہ جانی پہچانی آواز سنی تو وہ اچھل پڑے۔ دھاپو نے جب وجے کو اپنی کتاب بند کرتے ہوئے دیکھا تو وہ چیخنے لگی کہ وہ

مداری دھوکہ باز ہے اور اس کے بندر کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی جو اپنے پوتے پوتیوں کا دل بہلانا چاہتی تھی کہنے لگی "کوئی پرواہ نہیں بچّوں کو بندر کا ناچ دیکھنے کا شوق ہو تو انھیں دیکھنے دو۔ مداری تو صرف ایک روپیہ مانگے گا۔ بچّے جب بھاگتے ہوئے نکل پڑے تو وہ کھیالی سے ٹکرا گئے۔ جو اپنے خیالات میں گم تھا اور ان بچّوں کو دروازہ کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

" ہاں تو کھیالی اب بتاؤ کہ سیتا کے لیے۔ جو رشتہ آیا ہے اس کے بارے میں تم نے کیا کیا مزید معلومات حاصل کیں۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے ایسی بے اعتنائی سے کہا جیسے کہ وہ کوئی دوسری ساڑی تبدیل کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہو۔

مالکن کے اس سوال پر کھیالی نے پہلے تو کچھ دھیان نہیں دیا۔ وہ چولھے کی آگ کو گرمانے میں لگا رہا۔ اس نے سبزی کی ٹوکری ٹٹولی اور اس میں سے چند ککڑیاں اور مکئی نکالیں اور ان کو تھالی میں رکھ کر برآمدہ میں بیٹھی ہوئی عورتوں کے روبرو رکھ دیا جیسے ہی اس کو کچھ ذہنی سکون ملا اس نے اپنی گھنی بھنویں چڑھائیں بندگی میں اپنے ہاتھ جوڑے اور کہنے لگا "مالکن دو رشتے آئے ہیں اور یہ دونوں ہی خاصے دولت مند گھرانے ہیں اور حیرت کی بات ہے کہ یہ دونوں ہی گنگارام سے یہ مسئلہ طے کرنا چاہتے ہیں۔

اس میں حیرت کی کون سی بات ہے؟ پاروی نے کھیالی کی اس بے جا تاخیر پر جھنجھلاتے کہا۔ وہ لوگ گنگارام سے بات کریں گے لیکن وہ جانتے ہیں کہ اس کو حویلی کی پشت پناہی حاصل ہے۔

اگر یہ لوگ دولت مند ہیں اور سیتا انھیں پسند ہے تو پھر بھی ہمیں غفلت نہیں کرنا چاہیے۔ آخر کار سیتا تو ہمارے گھر کی بیٹی ہے۔ مالکن نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔

" مالکن رشتہ کے لیے صبح جو طرفین پہلے آئے تھے انھیں ہم نے شائستگی سے یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ ہم اس بارے میں غور کریں گے۔ ان سے بات چیت کرنے سے مجھے اور گوکل جی کو پتہ چلا کہ وہ صرف یہ جاننا چاہتے تھے کہ

کے لیے حویلی سے کتنا جہیز ملے گا۔ کھیالی نے کہا اور پھر سینہ تان کر کھڑے ہوئے مغرورانہ انداز میں کہنے لگا مالکن رشتہ کے لیے جو دوسری آئی تھی وہ مناسب لگتی تھی۔ لڑکے کا باپ گاؤں کا مکھیا ہے۔ ان لوگوں نے روپیہ پیسہ کے بارے میں تو کچھ نہیں پوچھا اور نہ ہی پہلی جماعت کی طرح اپنی شیخی بگھاری۔ لڑکا دسویں جماعت میں پڑھ رہا ہے۔ اگر اجازت دو تو میں ان عورتوں کو بلا لاتا ہوں تاکہ تمھیں پتہ چلے کہ وہ کس طرح کے لوگ ہیں۔

" مالکن نے ہاں کہہ دیا۔ کھیالی نے تھالی ایک طرف ہٹادی جس میں کٹی ہوئی سبزی تھی اور اٹھ کھڑا ہوگیا۔ دھاپو اور گنگا بھی اس کے ساتھ ساتھ رسوئی گھر سے باہر نکل پڑے۔ پیچھے کی طرف سے اس مداری کے دھڑکی بلند آواز آرہی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ بچوں کے قہقہوں کی صدائیں فضا میں گونجنے لگیں۔

دھاپو اور گنگا کے ہمراہ چند عورتیں آنگن میں دکھائی پڑیں ان میں چند تو دُبلی پتلی تھیں اور بقیہ جوان اور گدازبدن تھیں۔ لیکن یہ سب کی سب گھونگھٹ اوڑھے ہوئے تھیں اور جب وہ مالکن کے پیر چھونے کے لیے جھکیں تو ان کے چاندی کے کنگن کی کھنک سنائی دی وہ شرماتی ہوئی فرش پر بیٹھ گئیں۔

" کنورانی سہ یہ شیورام کی ماں ہے اور ان دو عورتوں میں ایک تو لڑکے کی موسی ہے اور دوسری اس کی پھوپھی دھاپو نے کہا ان عورتوں کے ہمراہ جو تین کم سن لڑکیاں آئی تھیں وہ حیرانی سے آنگن کی طرف دیکھ رہی تھیں جب کہ دھاپو ان عورتوں کا تعارف کرا رہی تھی۔ شیورام کے پتا کتنی زمین کے مالک ہیں؟ مالکن نے بات کا پتنگڑ نہ بناتے ہوئے بالراست پوچھا۔

منٹ بھر کی خاموشی کے بعد عمر رسیدہ عورت نے اپنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا آپ کے آشیرواد سے اس کے پاس پانچ ایکڑ زمین، ایک کنواں، بیلوں کی ایک جوڑی اور ایک پکّا مکان ہے یہ سن کر مالکن نے اپنی مسرت کا اظہار چھپاتے ہوئے کاروباری لہجہ میں پوچھا۔ کیا شیورام اسکول میں اپنی پڑھائی جاری رکھے گا؟ شیورام تو دسویں جماعت میں ہے وہ اب تک کسی سال فیل نہ ہوا۔ آگے کیا ہوگا یہ بھگوان ہی جانے اس عورت نے صاف طور پر جواب دیا۔

" تو تم لوگ شادی کب کرنا چاہتے ہو ؟ مالکن نے پوچھا۔ اب اس کی آواز میں پہلی سی ترش روئی نہیں تھی۔ " مالکن شیورام کے دادا جی سخت بیمار ہیں اور میں بھی تو بوڑھی ہو چلی ہوں۔ اس سے زیادہ میں آپ سے کیا کہوں۔

بھگوت سنگھ جی کی بیٹی کو جب ان اہم باتوں کا علم ہو چکا تو مزید پوچھ تاچھ کے لیے کچھ باقی نہ رہا وہ اطمینان سے کھڑی ہو گئی۔ اپنے ہاتھوں سے گھاگھرا صاف کیا اور کانتا اور گیتا کے ہمراہ آنگن پار کر گئی وہ جانتی تھی کہ اس کی موجودگی میں وہ کھلے طور پر بات نہیں کریں گی۔

جیسے ہی بھگوت سنگھ جی کی بیٹی وہاں سے چل نکلی تو نوکرانیاں زور شور سے باتیں کرنے لگیں۔ بڑی بوڑھی عورتوں نے اپنے چہرہ سے گھونگھٹ ہٹایا اور اپنے گاؤں اور سیتا کے بارے میں بے روک ٹوک باتیں کرنے لگیں پاری نے ان عورتوں کو نمکین اور چٹ پٹی چیزیں کھانے پر مجبور کیا جو اُن کے لیے وہاں لائی گئی تھیں۔ ان عورتوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ وہ بہت کچھ کھا چکی ہیں لیکن نوکرانیوں نے پھر سے اصرار کیا۔ وہ جانتی تھیں کہ گاؤں کی عورتیں گھمنڈی ہیں اور جب تک اصرار نہ کیا جائے وہ کچھ نہیں کھائیں گی۔

" بڑی بھابھی بڑی بھابھی پکارتے ہوئے وجے سیتا کے ہمراہ آنگن میں دوڑتی ہوئی چلی آئی۔ وہ آدمی تو پیسہ مانگتا ہے۔ وہ بندر تو عجیب عجیب حرکتیں کرتا ہے۔ ہم نے اس کو دوبارہ یہاں آنے کے لیے کہا ہے۔ یہ کہتے ہوئے وہ اپنی دادی کو تلاش کر رہی تھی۔ بائی سہ وہ تو ایک بدمعاش ہے۔ دھاپو نے یہ کہتے ہوئے پیار سے وجے کو اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیا۔ نہیں نہیں وہ بدمعاش نہیں ہے۔ پہلے تم بندر گیتا یہ جانتی تھی کہ چند لڑکیوں کو مجبوراً " کا ناچ تو دیکھو اور پھر کہنا۔ وہ بندر لنگڑا نہیں ہے۔ وجے نے خفگی سے کہا " بائی سہ تم اندر چلو میں اس کو پیسہ دے دوں گی۔ پاری نے یہ کہتے ہوئے اپنی انگیہ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ " نہیں پیسہ مجھے دو۔ وجے اصرار کرتے ہوئے فرش پر پیر مارنے لگی " بائی سہ سیتا کا جب بیاہ ہو جائے گا تو تم کیا کرو گی۔ دھاپو نے چھیڑتے ہوئے کہا۔ وجے تیوری چڑھاتے ہوئے

پاری کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سیتا آنگن سے ہنستی ہوئی بھاگ نکلی اور روپے اس کے پیچھے پیچھے دوڑنے لگی۔" یہ دونوں لڑکیاں تو دم بھر کے لیے بھی جدا نہیں رہ سکتیں پاری نے متوقع سسرال والوں سے کہا وہ ان دونوں لڑکیوں کی شیدائی بن چکی تھی۔ حویلی کی سب سے عظیم شخصیت کا سیتا سے اس طرح کا برتاؤ دیکھ کر یہ عورتیں پھولی نہیں سمائیں۔

رخصت ہونے سے قبل ان عورتوں نے بھگوت سنگھ جی کی پتنی سے ملاقات کی اور ان کی خوش اخلاقی کا شکریہ ادا کیا اور ان سے منت سماجت کی کہ وہ سیتا کا ہاتھ شیورام کے ہاتھ میں دے دیں۔ وہ جانتی تھیں کہ اس کی بالراست منظوری تو ممکن نہیں انھوں نے ان کے پیر چھوئے اور چل پڑے پاری انھیں رخصت کرنے کے لیے ان کے ہمراہ آنگن کے بغلی دروازہ تک گئی، جب ان عورتوں کے پائل کی جھنکار دھیمی پڑ گئی تو بھگوت سنگھ جی کی پتنی گیتا کو دیوان خانہ میں چھوڑ کر رسوئی گھر چلی گئی رسوئی گھر سے گرم مسالوں کی مہک آرہی تھی۔

" ایک لڑکا جو دسویں جماعت میں پڑھ رہا ہے وہ کھیت میں کبھی کام نہ کرے گا یہ کہتے ہوئے مالکن برآمدہ میں بیٹھ گئی اس نے کہا کھیالی اسی وجہ سے تو ان لوگوں نے مجھ سے جہیز کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ لیکن پھر بھی وہ کتنے جہیز کی توقع رکھتے ہیں ؟

" مالکن تم یہ سمجھتی ہو کہ پیسہ کے بارے میں وہ ہم سے تکرار کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔ کھیالی نے کہا اس کی کھیالی ہمیں پتہ دیتی تھی کہ وہ سب کچھ طے کر چکا ہے۔

یہ سب تو ٹھیک ہے لیکن تم اس پر پورا یقین نہ رکھو۔ دیکھو سیتا سندر تو نہیں ہے اور اب حویلی کے حالات پہلے جیسے نہیں رہے مالکن نے بے تابی سے کہا" میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ دولہا کے پچاس آدمیوں کا بھوجن ہم کھلائیں گے اس سے زیادہ نہیں۔ کھیالی نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا گویا کہ تمام شرائط عائد کرنے کی ذمہ داری اس پر ہے۔

" کنورانی سا۔ کھیالی جو کچھ کہہ رہا ہے اس پر یقین مت کرو۔ دھاپو کہتے

ہوئے کھیالی کی طرف نفرت سے دیکھنے لگی جب میری لڑکی کا بیاہ ہوا تھا تو دولہا کی طرف سے ستر اسّی آدمی آئے تھے اور وہ سب شہر کے رہنے والے تھے۔ یہ تو گاؤں والے لوگ ہیں۔ وہ اپنی برادری کو ناراض نہ کریں گی ہمیں کم از کم دو سو آدمیوں کی خاطر داری کرنی پڑے گی۔

" دو سو ؟ مالکن اس کو دہراتے ہوئے چونک پڑی جو کچھ ممکن ہو وہ تو ہم کریں گے ہی۔ لیکن دھاپو یہ مت بھولو کہ اب حالات بدل چکے ہیں۔ جب تمھاری لڑکی کا بیاہ ہوا تھا تو کنور صاحب ریاست کے وزیر تھے۔ مالکن نے سنجیدگی سے کہا۔ کنور صاحب جیسے بھی ہوں وہ اپنی روش نہیں بدلیں گے۔ نوکروں کے لیے وہ ہمیشہ فراخ دل ہوا کرتے ہیں۔ دھاپو نے فخریہ انداز میں کہا۔

" مالکن تم اخراجات کے بارے میں پریشان مت ہو کیا تم جانتی ہو کہ جن لوگوں کے پاس زمین بیل اور پکا مکان ہو وہ ہمارا دروازہ کیوں کھٹکھٹا رہے ہیں "۔ کھیالی نے اس طرح کہا گویا وہی وہ واحد فرد ہے جو اس کی اصلی وجہ جانتا ہے۔ وہ ایک پڑھی لکھی لڑکی چاہتے ہیں۔ شیو رام گاؤں کا پہلا لڑکا ہے جو ہائی اسکول میں پڑھتا ہے۔ وہ اپنی ذات برادری کی ایسی لڑکی چاہتے ہیں جو اسکول میں تعلیم پاتی ہے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ جو کچھ اپنی مرضی کے مواقف دیں گی وہ اس کو قبول کر لیں گے۔ وہ کوئی مروجہ مطالبات نہیں کریں گے۔

گیتا دیوان خانہ سے باہر نکل آئی جیسے ہی گاؤں کی عورتیں یہاں آتی تھیں وہ اندر ہی رہنے لگی تھی ان لوگوں کی بات چیت کی بھنک اس کے کانوں میں پڑی اور وہ مزید جانکاری کی آرزو مند تھی۔ بھگوت سنگھ جی کی بیتنی نے محبت بھری نگاہوں سے گیتا کو دیکھا اور کہا۔ " بی جی بھگوان تمھیں سکھی رکھے یہ سب کچھ تمھارا لہر فیض ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے ہم گنوار عورتوں کی ایک نہ سنی ہمیں سیتا کے لیے اس سے بہتر رشتہ کہیں نہیں مل سکتا تھا۔ یہ سن کر گیتا کو گھبراہٹ سی محسوس ہوئی حویلی کے پھاٹک پر ان عورتوں کو چھوڑ کر

پاری اپنے خیالات میں کھوئی ہوئی آنگن میں واپس چلی آئی وہ برآمدہ میں ایک طرف بیٹھ گئی اور باا ثر آواز میں کہنے لگی۔" یہ بہت ہی اچھے اور سیدھے سادے لوگ ہیں۔ وہ ان گاؤں والوں کی طرح تو نہیں جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور وہ کوئی بھاری جہیز نہیں چاہتے۔ البتہ انھوں نے ایک شرط لگا رکھی ہے۔ یہ کہتے ہوئے وہ یکایک رک گئی گویا کہ وہ کوئی اہم بات کہنے جا رہی ہو اور گیتا اس سے باخبر رہے وہ لوگ چاہتے ہیں کہ سیتا اسکول جانا بند کر دے۔ لیکن یہ تو بے ہودہ شرط ہے۔ جب تک وہ ہمارے ساتھ رہے وہ کیوں کر اسکول جانا بند کر دے۔ گیتا نے غضب ناک ہو کر کہا۔

گیتا کی اس نکتہ چینی کو نظر انداز کرتے ہوئے پاری نے بھگوت سنگھ جی کی بیٹی سے ترش روئی سے کہا۔" لڑکے کی پھوپھی نے مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ سیتا کی منگنی طے ہو جانے پر وہ اسکول کی پڑھائی چھوڑ دے۔ یوں تو گاؤں کے بڑے بوڑھے لوگوں کو یہ شکایت ہے کہ لڑکے کو کھیتی باڑی کے کام پر لگانے کی بجائے اسکول میں تعلیم دی جا رہی ہے۔ اگر لڑکی پڑھی لکھی ہو تو بھی ان کے لیے کافی ہے اور یہ بڑے بوڑھے لوگ کبھی اس بات کو گوارا نہیں کریں گے کہ ان کی ہونے والی بہو اسکول میں پڑھائی کرتی رہے۔ یہاں تک کہ خاندان کے لوگ یہ سمجھ بیٹھیں گے کہ لڑکی بے حیا اور بے شرم ہے۔

کنورانی سہ اس رشتہ کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ ہمیں اس طرح کا کوئی دوسرا لڑکا نہیں ملے گا۔ کھیالی، گیتا سے اپنا منہ پھیرتے ہوئے مالکن سے کہنے لگا۔

" میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ سیتا کا اسکول جانا گاؤں والوں کو اتنا برا کیوں لگتا ہے۔ گیتا نے فوراً جواب دیا۔ سیتا ان کی بہو بن جانے پر وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں لیکن اس سے پہلے تو نہیں۔ کیا وہ بے وقوف لوگ اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ وہ اگر دسویں جماعت میں کامیاب ہو جائے تو وہ ایک سو روپیہ کما سکتی ہے ؟

" بی جی تمھیں یہ پتہ چل گیا ہو گا کہ کسی بہو کو کمائی کے لیے باہر نکلنا کتنی شرمناک بات ہے۔ ان غریبوں کے لیے پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا خاندانی

روایات کو برقرار رکھنا ہی ان کے لیے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ پاری نے اس شفقت آمیز لہجہ میں کہا گویا کہ وہ کسی ننھے سے بچّہ کو سمجھا رہی ہو۔

بھابھی سیتا کو اسکول جانے سے مت روکو۔ اس کے مستقبل کے لیے یہ بہت مفید ہوگا۔ گیتا یہ کہتے ہوئے اپنی ساس کی طرف دیکھنے لگی گویا کہ وہی ایک فرد ہے جو تعلیم کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتی ہے۔

لیکن بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے کچھ نہیں کہا۔ اس کے چہرہ پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس مرتبہ گیتا کے سسر جی بھی اس کی بات مانیں گے۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے گیتا کی فکر مند آنکھوں میں آنکھیں ملاتے ہوئے اپنی دکھ بھری آواز میں کہا۔" بنی جی تم نے سیتا کی زندگی سنواری ہے ہم سب کو اپنی غلطی کا احساس ہے لیکن اب ہمیں اس کی شرط منظور کر لینی چاہیے۔ عورت کے لیے اس کا پتی ہی اس کا واحد وسیلہ ہوتا ہے۔ تمھاری ہی کوششوں کا یہ پھل ہے کہ وہ ایسے خاندان میں جا رہی ہے جس کے پاس زمین، کنواں، پکّا مکان اور بیل ہیں۔ اب اصرار کرنا چھوڑ دو۔"

دوسرا باب

بھگوت سنگھ جی جب اس رشتہ کے لیے رضامند ہو گئے تو یہ خبر تیزی سے چاروں طرف پھیل گئی۔ جیون نواس میں اس خبر کی توثیق کے لیے عورتوں کا تانتا بندھ گیا۔ دن بھر یہ عورتیں حویلی میں آتی رہیں اور ہر قسم کے سوالات پوچھتی رہیں ۔ یہ رشتہ کون لے آیا؟ جہیز کتنا دینا پڑے گا؟ حویلی سے لکشمی کے یوں ہی غائب ہو جانے کے بارے میں لڑکے والوں کو کیا جواب دیا گیا؟

نوکرانیوں نے ان عورتوں کے سوالات کا محتاط جواب دیا لیکن جب کوئی ان کی طرف نہ دیکھ رہا ہو تو یہ عورتیں ایک دوسرے کو حیرت زدگی سے دیکھنے لگیں انھیں یقین نہ آیا کہ ایک سیاہ خام دبلی لڑکی جس کی ماں کا کہیں پتہ نہیں اس کے لیے ایسے گھرانے سے رشتہ آیا ہے جن کے پاس زمین، کنواں، بیل اور پختہ مکان ہو۔ ان عورتوں کو کامل یقین تو نہ آیا وہ بڑبڑاتی ہوئی حویلی سے چل پڑیں۔ کچھ عورتیں تو یہ کہنے لگیں کہ لڑکے کی ایک آنکھ ضائع ہو چکی ہے اور کچھ تو یہ کہنے لگیں کہ گھرانہ کافی مقروض ہے اور حویلی کو ان کا یہ قرضہ چکانا پڑے گا۔ یہ عورتیں کہنے لگیں کہ سیتا کے لیے مالکن کو یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑ رہا ہے کیوں کہ اس حویلی کے ایک نوکر نے ہی سیتا کے ماں کی زندگی تباہ کی ہے۔

سیتا کی منگنی کے لیے حویلی میں تیاریاں شروع ہونے لگیں۔ منگنی کے دن قریب آ رہے تھے اور اس رسم کے لیے کپڑے اور زیورات بھجوانا ضروری تھا۔ بھگوت سنگھ جی کی بیٹی اور پاری ایک تنگ کمرہ جس کی لمبائی دس قدم اور چوڑائی

بارہ قدم ہو گی بیٹھے ہوئے تھے ۔ گنگا نے دیوار سے لگے بڑے بڑے ٹین کے صندوق کھولے اور ان میں سے پرانے کپڑے جو کافور سے ڈھکے تھے باہر نکالے یہ چار پرانی ساڑیاں رکھوا دی جائیں تو وہ بالکل نئی دکھائی دیں گی ۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے انھیں ایک طرف رکھتے ہوئے کہا " پاری ہمیں جملہ کتنی ساڑیاں دینی ہوں گی ۔

" ابھی تو عورتوں کے لیے چھ جوڑی کپڑے چار جوڑی مردوں کے لیے اور دو سیتا کے لیے ۔ اس کے بعد ہمیں دلہن کے جوڑے کے بارے میں سوچنا پڑے گا

کنورانی سمہ یہ لڑکی تو کسی چیز کے لائق نہیں ذرا اس کی طرف تو دیکھو ۔ دھاپو نے سیتا کو اپنے ہاتھوں گھسیٹتے ہوئے مالکن کے رو برو لا کھڑا کر دیا اور کہا " یہ برگد کے پیڑ تلے بیٹھی آنسو بہا رہی ہے ۔

" اس کو چھوڑ دو دھاپو ۔ مالکن نے شفقت سے کہا ۔ سیتا تم رو کیوں رہی ہو ۔ کیا دیجے نے تم سے کوئی ذلیل حرکت کی تھی ؟ " مجھے اسکول جانے دو مالکن سیتا نے روتے ہوئے کہا ۔ تمھیں کس نے منع کیا ۔ لیکن آج تو اتوار ہے ۔ اسکول تو بند ہے پھر تم رو کیوں رہی ہو ؟ سیتا کی توجہ دوسری طرف کرنے کے لیے بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے اپنی جیب سے چار آنے کا سکہ نکالا اور سیتا کو دیتے ہوئے کہا ۔ اب منہ پونچھ لو اور جا کر نمکین مونگ پھلی لے لو جو تمھیں بہت پسند ہے ۔

" اس کی ساس ہی اس کو ٹھیک کر دے گی ۔" دھاپو نے ترش روئی سے کہا ۔ اس کو آرام کی عادت جو پڑ گئی ہے ۔ اسی وجہ سے اس کو اسکول جانا اچھا لگتا ہے ۔ کس کو اچھا نہیں لگے گا ؟ جھاڑو لگانے اور برتن صاف کرنے سے تو کتابیں کھولنا اور بند کر دینا تو آسان کام ہے ۔ سیتا جب اپنے الٹے ہاتھ سے ناک صاف کرتے ہوئے باہر نکل گئی تو مالکن نے اطمینان کا سانس لیا ۔

" دھاپو بنی جی کہاں ہے ؟ کیا وہ ابھی تک سیتا کے بارے میں پریشان ہے ؟ " مالکن نے بے چینی سے پوچھا ۔

" مالکن مجھے کچھ پتہ نہیں لیکن آج تو بی جی نے تمام عورتوں کو چلے جانے کے لیے کہہ دیا وہ کہہ رہی تھیں کہ ان کا مزاج ٹھیک نہیں ہے اور وہ انھیں نہیں پڑھائیں گی۔ دھاپو نے سرگوشی میں کہا۔ مجھے خوشی ہے کہ اس نے یہ فیصلہ کیا اس پڑھائی لکھائی کے کام سے اس کو دردِ سر ہی ملا اور تو کچھ نہیں۔ پاری کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اس دن نند بائی سہ اور دوسری عورتیں بی جی سے گفتگو کرنے پر آمادہ نہیں تھیں مالکن نے متفکرانہ انداز میں کہا۔

مالکن لوگ کچھ بھی کہیں بی جی نے تو ان لڑکیوں کی زندگی کا رُخ موڑ دیا ہے۔ اب ان میں سے زیادہ تر لڑکیوں نے پڑھنا لکھنا سیکھ لیا ہے۔ وہ کام کرنے کے لائق بن چکی ہیں اور اب ان کی نظریں حویلیوں پر لگی رہیں گی۔ پاری نے کہا۔

ہاں یہ تو ٹھیک ہے پاری لیکن ہماری قسمت تو ان حویلیوں کی عورتوں سے جڑی ہوئی ہے۔ خود اپنی برادری کے لوگوں کی برہمگی تو ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ لوگ خود مجھ سے بدظن ہوتے ہیں۔ بھگوت سنگھ کی پتنی کے اندازِ بیان میں خود پسندی جھلک رہی تھی۔

پاری نے اپنی بوجھل اور پُر شکن بھنویں نیچی کر لیں۔ اس نے ناس کی ڈبیاں نکالی اور ایک چٹکی بھر ناس سونگھنے لگی اور تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہنے لگی " ان بڑی حویلیوں کی عورتیں اب کس بارے میں شکایت کر رہی ہیں؟ خود اپنی بہو اور بیٹیاں یہاں آ کر گھنٹوں بی جی کے ساتھ بیٹھا کرتی ہیں اور ان غریب نوکرانیوں کو یہاں آنے سے منع کرتی ہیں۔ پاری نے تلخ لہجہ میں کہا۔

" مالکن تمھیں پتہ ہے کہ کانتا بائی سہ کی نند نے اپنی نوکرانی کو دھمکی دے رکھی ہے کہ اگر اس کی لڑکی نے دوبارہ یہاں قدم رکھا تو وہ اس کے تمام زیورات چھین لے گی۔ بہت ساری عورتیں خوف زدہ ہو گئی ہیں اور کچھ دنوں اور یہاں کوئی غریب لڑکی پڑھائی کے لیے نہیں آئے گی۔ پاری نے پُر زور آواز میں کہا اس کے چہرہ پر خفگی کے آثار نمایاں تھے۔ پہلے پہل اس نے ان جماعتوں کی جو مخالفت کی تھی وہ اب اس کو بھول چکی تھی اور اس کے علاوہ جب کوئی مالکن پر اپنی انگلی اٹھاتا تو حویلی کی آبرو بچانے کے لیے وہ اپنے اظہارِ وفاداری میں

کبھی پس و پیش نہ کرتی۔

حویلی کے وقار کو برقرار رکھنے کے لیے پاری جو کچھ کہہ رہی تھی اس پر مالکن اس کو ٹوکا نہیں کرتی لیکن مالکن کو پتہ تھا کہ دوسری حویلیوں سے پڑھائی کے لیے جو لڑکیاں آیا کرتی تھیں ان کی تعداد اب گھٹ گئی ہے۔ اس نے گیتا سے اس بارے میں کچھ جانتی تھی کہ اس کا تذکرہ کرنا آگ پر تیل چھڑکنے کے مترادف ہوگا۔

مالکن اور پاری جب دھیرے دھیرے کپڑے ایک طرف کر رہی تھیں تو انھیں رسوئی گھر سے شور وغل کی آواز سنائی دی۔ آنگن کی جانب سے کھیالی کی بلند اور حاکمانہ آواز آ رہی تھی " جوتشی نے صرف تین دن شبھ بتلائے ہیں۔ لڑکے والوں نے پہلا دن پسند کیا ہے جو آئندہ ماہ کے شروع میں پڑتا ہے تو گویا تین ہفتوں کے اندر اندر تمھیں سب تیاری کرنی ہے۔ اب رہا گنگارام وہ تو بیٹھے بیڑی کا دم لگا رہا ہے۔ اس نے چار سو روپیوں کا انتظام بھی نہیں کیا ہے جو اس رسم منگنی کے لیے درکار ہے۔ حویلی تو اس کو ہر چیز مہیا نہیں کر سکتی وہ سمجھتا ہے کہ روپیہ درخت کے سوکھے پتوں کی مانند ہے جو ڈالیوں کے ہلانے سے گر پڑے گا محض گنگارام ہی نہیں بلکہ یہاں کا ہر فرد یہی سمجھتا ہے کہ میں نے زمین میں دھن چھپا رکھا ہے۔ وہ تو مجھ سے قرضہ لینا جانتے ہیں لیکن کبھی لوٹانا نہیں چاہتے۔" کھیالی نے کہا۔ اس کو ناز تھا کہ وہی ایک نوکر ہے جس کے پاس قرضہ دینے کے لیے کافی روپیہ ہے۔ دھاپو کھیالی کو حقارت آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگی وہ جانتی تھی کہ اس کا آخری اشارہ اس کی طرف ہے۔ اس طرح شور نہ مچاؤ۔ کیا تم نہیں جانتے کہ کچھ لوگ کنورسہ سے ملاقات کے لیے آئے ہوئے ہیں گنگارام نے آنگن میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ وہ لڑکھڑا رہا تھا اور اس کی چال دھیمی سی تھی۔ البتہ اس کی آواز پر زور تھی۔ کھیالی نے ابھی اپنی بات ختم نہ کی تھی وہ دہشت بھری آنکھوں سے گنگارام کی طرف دیکھنے لگا اور کہا " دیکھو اب تمھیں سب انتظامات کے لیے صرف تین ہفتے باقی رہ گئے ہیں۔ کہیں سے بھی ہو روپیہ لے کر آؤ۔ مالکن رسوئی گھر میں چلی آئی لیکن پاری جو جہاں بیٹھی ہوئی تھی اس نے اپنی جگہ نہیں بدلی

وہ تھکاوٹ اور نقاہت سی محسوس کرنے لگی " دھاپو بی جی کے لیے یہ گرم دودھ کا گلاس لے جاؤ۔ میں جانتی ہوں کہ وہ افسردہ ہے لیکن اس مرتبہ تو اس کے سسر جی بھی اس کی تائید نہیں کریں گے بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے یہ کہتے ہوئے نوکرانی کو چاندی کا ایک گلاس دیا۔

گیتا گدیلے پر لیٹی ہوئی میگزین پڑھ رہی تھی ایک کونہ میں سیتا بیٹھی مونگ پھلی کے چھلکے نکال رہی تھی جو اس نے اپنے لیے خریدا تھا۔" بی جی یہ لو دودھ پی لو۔ کنورانی تمھارے بارے میں فکر مند ہیں۔ یہ کہہ کر دھاپو فرش پر بیٹھ گئی۔

" مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" گیتا نے خفگی سے جواب دیا۔

" بی جی۔ تم چاہو تو مجھے مار ڈالو۔ لیکن میں تمھیں بغیر دودھ پلائے نہیں چھوڑوں گی۔ یہ کہتے ہوئے دھاپو دودھ کا گلاس گیتا کے منہ کے قریب لے گئی۔ گیتا نے گلاس لے لیا اور دودھ پینے کے بعد گلاس دھاپو کو واپس دے دیا لیکن دھاپو پھر بھی وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ سیتا سے کہنے لگی۔ جاؤ تم وجے بائی کے ساتھ کھیلو۔ وہ تمھیں ڈھونڈھ رہی ہے۔ سیتا نے فوراً اس کی تعمیل کی۔ اس نے بقیہ مونگ پھلی اپنے ہاتھوں میں سمیٹی اور باہر نکل گئی۔ دروازہ ادھ کھلا چھوڑ گئی۔

دھاپو کے پژمردہ چہرہ کو دیکھ کر گیتا نے کہا۔" اب تم کس بات پر افسردہ ہو تمھیں تو خوش ہونا چاہیے۔ اب تو حویلی میں ہل چل رہے گی اور آئندہ چھ مہینوں تک تو تم سکون سے رہو گی یہ کہتے ہوئے گیتا نے اپنے گھٹنے اوپر اٹھائے اور اپنی ٹھڈی ان پر رکھ دی۔ اس کی پتلی سی ناک پھولی ہوئی تھی۔ چہرہ پر کشیدگی کے آثار تھے۔ اس طویل مدت میں اس میں اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کی صلاحیت پیدا ہو چکی تھی۔

دھاپو کہنے لگی " تم جانتی ہو کہ مجھے اس بدبخت لڑکی کی فکر لگی ہوئی ہے۔ جب سے اس نے جنم لیا ہے ہر طرح کی مصیبت آپڑی ہے۔ اس کا چہرہ غیر معمولی طور پر سیاہ دکھائی دے رہا تھا۔ نہیں۔ بے شک تمھیں اس کی پرواہ کیوں ہونے لگی۔ تم نے تو اس کی زندگی برباد کر کے ہی دم لیا۔ گیتا کے جذبات ابل پڑے۔ شادی ہو جانے کے دو برس بعد بھی سیتا حویلی میں ہی تو رہے گی۔ لیکن ابھی تو

اس کو اسکول سے ٹھہرا دیئے جانے کا تصور کیسے پیدا ہوگیا۔

دھاپو بے حس بیٹھی رہی۔ وہ گیتا کے پیروں کا سہارا لیے ہوئے گدیلے پر بیٹھ گئی "سیتا کا خیال چھوڑ دو مالکن۔ کنورانی سہ نے سیتا سے کہہ دیا کہ وہ کل سے اسکول جایا کرے گی لیکن بی جی مجھے تمھیں ایک زیادہ اہم بات بتلائی ہے۔" ہاں تو بتاؤ تمھیں اور کیا پتہ چلا؟

دھاپو نے گہری سانس لیتے ہوئے سرگوشی میں کہا " میں نے کھیالی کو گوکل جی سے کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو عورت سیتا کو لڈو دیا کرتی ہے وہ شاید لکشمی ہوگی۔" یہ سن کر گیتا حیرت زدگی سے آگے کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے اپنے چہرے پر سے بکھرے ہوئے بال ہٹا لیے اور اشتیاق سے پوچھا تمھیں اس بات کا کب پتہ چلا؟

" دو دن پہلے اور میں نے اس کی توثیق بھی کر لی ہے۔ کل تین نے دیر شب کھیالی سے اکیلے میں اس کے بارے میں بات کی وہ غضبناک تھا کہ میں نے خفیہ طور پر اس کی بات سن لی تھی۔ اس نے بتلایا کہ یہ ایک راز کی بات ہے۔ جس میں وہ عورتوں کی کوئی مداخلت پسند نہیں کرتا تھا اور اس نے مجھے تنبیہ کی تھی کہ اس کے بارے میں مالکن سے کچھ نہ کہا جائے۔

جیسے ہی دھاپو نے گہری سانس لی گیتا اٹھ کھڑی ہوئی اور حاکمانہ انداز میں کہا "یہ باورچی کون ہوتا ہے؟ جو یہ کہنے کا حق رکھتا ہے کہ یہ بات کس کو بتلائی جائے اور کس کو نہیں بتلائی جائے کہ لکشمی کہاں ہے۔ میں خود جا کر اس کو لے آتی ہوں۔

دھاپو نے گھبراہٹ بھری آنکھوں سے گیتا کو دیکھا اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا " نہیں نہیں۔ بی جی جلدی میں کوئی کام مت کرو تم جو چاہو کرو لیکن لکشمی ہرگز واپس نہیں آئے گی اور اگر تمھاری اس سے ملاقات ہو بھی جائے تو وہ تم سے منہ پھیر لے گی۔" "لیکن کیوں؟"

کھیالی نے پتہ لگایا ہے کہ وہ ایک تانگہ والے کے گھر رہتی ہے جس کی بیٹی اپنے گاؤں گئی ہوئی ہے۔ اس سے پہلے تو وہ ایک درزی کے ہاں کام کر رہی تھی۔ اب تم جان گئی کہ اس کی زندگی کے دن کیسے بیت رہے ہیں لیکن اس

کی زندگی کے دن کیسے بیت رہے ہیں لیکن اس کی ممتا اپنی لڑکی کو دیکھنے کے لیے ترس رہی ہے۔" اسی لیے تو میں کہہ رہی ہوں کہ ہمیں اس کو واپس بلا لینا چاہیے۔ تب ہی وہ دوسروں کے ہاں کام کرنا چھوڑے گی۔

" بی جی تم سمجھتی نہیں ہو۔ کھیالی نے اپنے دوست کے ذریعہ تحقیقات کی ہیں لکشمی خوش ہے اور وہ اپنی موجودہ حالت میں کوئی تبدیلی نہیں چاہتی۔

مجھے کسی پر بھروسہ نہیں۔ میں بذاتِ خود اس کی تحقیق کروں گی۔ گیتا نے کہا۔ دھاپو کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کا گیتا پر کوئی اثر نہ ہوا۔

دونوں چپ چاپ ہو گئے لیکن دھاپو نے جب اپنے جذبات پر قابو پالیا تو وہ سنجیدگی سے گیتا کی طرف دیکھنے لگی اور کہا۔

" بی جی ابھی تم کوئی قدم نہ اٹھاؤ۔ اگر تم نے کچھ کیا تو سیتا کی زندگی ہمیشہ کے لیے برباد ہو جائے گی۔ اس کے لیے کوئی ایسا لڑکا نہیں ملے گا جو آگے چل کر معلم بنے گا۔ میں تم سے منت سماجت کرتی ہوں کہ اس کا بیاہ ہو جانے دو جب جو چاہے سو کرنا۔ گیتا جس پھرتی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اسی طرح وہ بیٹھ گئی۔ اب اس کو لکشمی کی تلاش میں باہر نکلنا بے سود سا لگ رہا تھا۔ وہ شکست خوردہ ہو گئی لیکن اب کی بار دھاپو کے دلائل نے اس کے ذہن پر گہرا نقش چھوڑا اور اس نے اس کی بات مان لی۔

تیسرا باب

جیسے ہی سورج کی پہلی کرن دکھائی دینے لگی سیتا اپنے لحاف سے باہر نکل پڑی۔ اپنا بستر لپیٹا اور کمرہ کے ایک کونے میں رکھ دیا۔ وجے اور اس کے دو چھوٹے بھائی سوئے پڑے تھے۔ وہ نیچے آنگن میں چلی آئی۔ جلدی سے اس نے اپنا چہرہ صاف کر لیا اور ایک اچھا سا فراک پہن لیا۔ اس نے کنگھا کیا، چٹیا ڈالی اور ایک خاص سرخ نیلون فیتہ سے اپنے بال باندھ لیے اور رسوئی گھر کے برآمدہ کا رُخ کیا۔ کھیالی رسوئی گھر میں پہلے ہی موجود تھا اور آگ جلانے کی کوشش میں محو تھا۔ اس کی نگاہیں سیتا پر پڑیں اور وہ شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا سیتا نے ایک روٹی اور نیم گرم دودھ کا گلاس اٹھایا۔ جلدی سے اس نے روٹی چبائی اور دودھ پی لیا۔ پھر وہ باہر کے برآمدہ میں ٹھنڈے اور مرمریں فرش پر جا بیٹھی۔ وہاں سے اس نے چند گاؤں کی عورتوں کو دیکھا جو اپنے سر پر لکڑی کے گٹھے اور سبزیوں کی گٹھڑیاں اٹھائے ہوئے تیز رفتاری سے جا رہی تھیں۔ ان کے پائلوں کی جھنک اور چوڑیوں کی کھنک سنائی دے رہی تھی۔ مرد لوگ اپنی اپنی بائیسکلوں پر خمیدہ بیٹھے ہوئے اپنے کام پر جا رہے تھے۔ وہ عورتوں کو راستہ سے ہٹنے کے لیے گھنٹی بجا رہے تھے۔ صبح سویرے ان گلیوں کے ہنگاموں پر سیتا کی توجہ نہ تھی وہ اس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ جالی دار بٹوا تو میں اس عورت کو دوں گی جو مجھے لڈو دیا کرتی ہے لیکن اگر وہ نہ آئے تو؟ اس نے خیال ترک کرتے ہوئے گہری سانس لی اور دوبارہ سوچنے لگی۔ منکوں سے بنا ہوا

پنکھا تو اپنی سہیلی رینو کو دوں گی اور کار   کا چھوٹا سا رومال تو کلاس ٹیچر کے لیے ہے۔
وہ ان خیالوں میں ایسی کھوئی ہوئی تھی کہ اس کو آنگن کے دروازہ کے کھلنے اور پاری کے لنگڑاتے ہوئے وہاں آنے کی آہٹ سنائی نہیں دی۔

تو تم یہاں بیٹھی ہو اور وہ نادان لڑکی وجے بائی سہ تمھیں ہر جگہ تلاش کر رہی ہے "اندر جاؤ کنورانی سہ جاننا چاہتی ہیں کہ پائل کا ناپ تمھارے لیے ٹھیک ہو گا کہ نہیں۔ سیتا حکم بجالاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوگئی وہ اس عمر رسیدہ نوکرانی کو دہشت زدہ نگاہوں سے دیکھنے لگی جس نے اس کے تصورات کا شیرازہ بکھیر دیا تھا۔ آنگن کے دروازے پر یہ دونوں وجے سے ٹکرا گئے۔ تم کہاں چلی گئی تھیں ؟ وجے نے سیتا کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے روبرو کھڑی ہوگئی۔

" بائی سہ تھوڑی دیر کے لیے اس کو اکیلا چھوڑ دو۔ پاری نے کہا۔ بڑی بھابھی نے اس کو اپنے کمرہ میں طلب کیا ہے۔

وجے، سیتا اور پاری کے ہمراہ اپنی دادی کے کمرہ میں داخل ہوئی اور کچھ تاخیر برداشت نہ کرتے ہوئے اس نے دھاپو کے ہاتھوں سے پائل چھین کر سیتا کے پیروں میں ڈال دیئے۔

" دیکھو تو یہ ٹھیک ہی تو ہے یہ کہتے ہوئے وجے کھڑی ہوگئی۔ پاری جی تمھیں نہیں پتہ کہ آج میرا ماہانہ امتحان ہے۔ آج تو مجھے اسکول پہنچنے میں دیری نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ کہتے ہوئے وجے نے سیتا کا ہاتھ تھاما اور اس کو اپنے ساتھ لے چلی۔ چلو چلو یہ پائل تو تم کار میں بیٹھے اتار سکتی ہو۔"

پاری چپ چاپ کھڑی ہوگئی اور خاموشی سے ان دونوں لڑکیوں کو جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔ دیکھو تو وہ پھر سے اسکول جا رہی ہے۔ وجے بائی سہ تو اس کو اپنی بہن کی طرح چاہتی ہے اور اس کو
اس نے شفقت بھرے لہجہ میں کہا۔ آج اس کو جانے دو۔ سیتا جانتی ہے کہ کچھ دنوں میں اس کا اسکول جانا بند ہو جائے گا۔ یہ کہتے ہوئے بھگوت سنگھ جی کی بیٹی اٹھ کھڑی ہوگئی۔ وہ رسوئی گھر کی طرف چل پڑی اور اس کے پیچھے پیچھے پاری چلنے لگی۔
زمانہ کتنا بدل گیا ہے میں اگر اس طرح بھاگ دوڑ کرتی تو بھابھاسہ مجھ کو

اپنے پلنگ سے باندھ دی تی۔ پاری نے قدرے افسوس سے کہا۔

دیکھو تم پھر سے بیتے دنوں کی باتیں کرنے لگی ہو۔ تمھیں تو بھگوان کی شکر گزاری کرنا چاہیے کیوں کہ تمھیں ایک طویل مدت تک زندہ نہیں رہنا ہے۔ آئندہ چل کر یہ لڑکیاں اور کیا کیا حرکتیں کریں گی وہ تو موجودہ حالات جو تم اب دیکھ رہی ہو اس سے کئی گنا بدتر ہوں گے۔ کھیالی نے اپنی دانشمندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

" تمھارا کہنا ٹھیک ہے کھیالی۔ مالکن نے آہ بھرتے ہوئے کہا اور رسوئی گھر میں بیٹھ گئی۔ پاری تمھیں یاد ہوگا کہ جب میں تیرہ برس کی ہوگئی اور گھونگھٹ اٹھائے کھڑکی کے باہر کبھی کبھی جھانکتی تو بھابھا سہ مجھے کس طرح ڈانٹا کرتی تھی۔ پاری ہم دونوں یہ نہیں جانتے کہ جوانی کے دن کتنے سنہرے ہوا کرتے ہیں لیکن ہمیں تو بیتے دنوں کی باتیں دہرانا نہیں چاہئیں ان سے مجھے رنج ہوتا ہے۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے کہا ماضی کے ان تصورات کو ذہن سے ہٹانے کے لیے اس نے کھیالی کو مخاطب کرتے ہوئے پُرسکون آواز میں کہا۔" کھیالی تم رسوئی کا کام گنگا کے سپرد کردو اور سنار کے پاس ہو آؤ۔ یہ پائل تو ٹھیک ہیں لیکن چار اور چوڑیاں دو۔ کنگن لے آنا جیسے ہی وہ کھیالی کو زیورات کی وضع کے بارے میں سمجھا رہی تھی کہ باہر کے دروازہ پر کھٹکھٹانے کی آواز سنائی دی۔ مالکن جلدی سے اٹھی اور آنگن پار کرتے ہوئے اپنے کمرہ میں چلی گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی غیر لوگ اس کو پرانی ساڑی اور گھاگھرا پہنے ہوئے دیکھے۔

اس وقت کون آیا ہوگا؟ دھاپو نے یہ کہتے ہوئے جھاڑو کونہ میں رکھ چھوڑا، اور دروازہ کا رخ کیا۔ دروازہ کھولنے پر جب اس نے شہر کے سب سے بڑے رئیس دولت سنگھ جی کی عالی شان حویلی کی خواتین کو دیکھا تو وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ وہ تعظیماً جھکی اور ان کے پیر چھونے لگی۔

رسوئی گھر کے برآمدہ سے پاری نے جب ان خواتین کو اندر آتے ہوئے دیکھا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور ان کی طرف چل پڑی۔ بندگی میں اس نے اپنے ہاتھ جوڑتے ہوئے ان کا استقبال کیا اور کہا " مالکن اندر آئیے۔ ان خواتین نے یہ خیر مقدمی قبول کرتے ہوئے پاری اور دھاپو کے ہمراہ دیوان خانہ میں داخل

ہوگئیں جو نوکرانیاں ان کے ساتھ حویلی میں آئی تھیں وہ برآمدہ میں جا بیٹھیں۔ جب یہ عورتیں بیٹھ گئیں تو یہاں ایک عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی یہاں تک کہ پاری بھی کچھ کہنے سے قاصر رہی۔ دولت سنگھ جی کی پتنی گھونگھٹ ہٹاتے ہوئے گدیلے پر بیٹھ گئی۔ اور پاری کی طرف شفقت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”مجھے افسوس ہے کہ میں تمھیں پریشان کرنے چلی آئی۔ لیکن تم تو حویلی کے حالات سے بخوبی واقف ہو۔ مجھے تو فرصت ہی نہیں رہتی آج کچھ وقت ملا تو بغیر اطلاع دیئے چلی آئی۔ میرا خیال ہے کہ کنورانی سہ تو مصروف نہیں ہوں گی۔ پاری کچھ کہنے والی تھی کہ بھگوت سنگھ کی پتنی کمرہ میں داخل ہوگئیں۔ انھیں دیکھ کر کم سن عورتیں کھڑی ہوگئیں اور ان کے پیر چھونے لگیں۔ ان کے علاوہ دولت سنگھ جی کی پتنی بھی کھڑی ہوگئی۔ جب یہ آداب مجلس ادا ہوچکی تو بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے تناسب انداز میں کہا۔ آپ بیٹھیے۔ مالکن آپ کو یہاں تک چلے آنے کی تکلیف نہیں اٹھانا چاہیئے تھی۔ آپ کی تعظیم کے لیے مجھے آپ کے پاس آنا چاہیئے تھا جب کہ چلنے پھرنے میں آپ کو تکلیف جو ہورہی ہے۔ اس نے یہ کلمات دولت سنگھ جی کی پتنی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”دکھ اور درد تو بڑھاپے کے ساتھی ہوتے ہیں لیکن اگر میں بستر پکڑ کر بیٹھ گئی تو حویلی کی نگہبانی کون کرے گا؟ دولت سنگھ جی کی پتنی نے مسرت بھری آواز میں کہا۔

”آپ ٹھیک کہتی ہیں مالکن کئی لوگوں کی ذمہ داریوں کا بوجھ جو آپ کو اٹھانا ہے اس لیے آپ بستر پر آرام سے لیٹ تو نہیں رہ سکتیں لیکن پھر بھی آپ کو اپنی صحت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے مضطربانہ انداز میں کہا اور دھاپو کی طرف اپنی نظریں اٹھائیں۔ دھاپو جان گئی کہ اس کو مہمانوں کے لیے جل پان لانا چاہیئے۔ ”آپ تکلیف نہ اٹھائیں سوموار کو ہم دن میں ایک بار ہی کھاتے ہیں۔ دولت سنگھ جی کی پتنی نے کہا جب کہ دھاپو کمرہ کے باہر جانے لگی۔

”آپ کا یہاں آنا ہی ہمارے لیے باعث عزت ہے اور بغیر کچھ کھائے پیئے یہاں سے آپ کیسے جاسکتی ہیں۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے منت سماجت کرتے ہوئے کہا۔“ مالکن ہم نے جتنی بار اس حویلی میں کھایا پیا ہے اتنی کسی دوسری میں

تو نہیں۔ جیون نواس کی اگلی شان و شوکت کو کون بھلا سکتا ہے۔ کنور سا اور ان کے آبا و اجداد کی ناموری تو راجستھان کی تاریخ کا اٹوٹ حصہ بن گئی ہے۔ دولت سنگھ جی کی پتنی کے ان مبالغہ آمیز کلمات پر نوجوان عورتیں اپنا سر ہلانے لگیں۔

بھگوت سنگھ جی کی پتنی کا چہرہ دمک اٹھا اور وہ عالم اضطراب میں اپنے ہاتھ کھولنے اور بند کرنے لگی۔ ان الفاظ کا مفہوم سمجھنے کے لیے وہ ان گہرے بادامی رنگ آنکھوں کو گھورنے لگی جو طلائی حلقہ دار عینک کے پیچھے سے دکھائی دے رہی تھی۔ دولت سنگھ جی کے پتا سنگرام سنگھ جی سے عداوت رکھتے تھے اور یہ عداوت ان کے لڑکے میں بھی سرایت کر گئی۔ اسی گھرانے کے سب افراد نے جیون نواس کی آبرو مٹی میں ملانے کی کوشش کی اور مہارانا کے کان بھرتے رہے۔ لیکن جب اس میں انھیں کامیابی حاصل نہ ہوئی تو سنگرام سنگھ کو نیچا دکھانے کے لیے انھوں نے کئی اور دوسرے طریقے اپنائے۔ حویلیوں میں اس بات کا سب کو علم تھا کہ جیون نواس پر جو کالی گھٹا چھائی ہوئی ہے اس پر سنگھ جی کے تمام افراد کو انتہائی مسرت تھی اور ان آڑے وقتوں میں وہ سب سے پہلے جیون نواس آتے اور حویلی کے تمام افراد کو تسکین دیتے خصوصاً جب کہ سنگرام سنگھ جی اور مہارانا میں کشیدگی رہا کرتی۔

لیکن اس کے باوجود سنگرام سنگھ جی اور ان کے بعد بھگوت سنگھ جی نے اودے پور کے سب سے قدیم گھرانہ کی تعظیم اور تکریم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ان کے اس رویہ نے دولت سنگھ جی کے افراد کو اور بھی اشتعال انگیز بنا دیا۔ دولت سنگھ جی کو ابھی وہ دن یاد تھے جب کہ ریاست اودے پور کے وزیر انہی کے خاندان سے چنے جاتے تھے۔ یہ اعزاز ان سے چھین کر سنگرام سنگھ جی کے پتا کو بخشا گیا اور یہ اعزاز اس وقت تک برقرار رہا جب تک کہ رانا خود اپنے اختیارات کو کھو نہ بیٹھے اور ریاست اودے پور ہی ختم نہ ہو گئی۔ دولت سنگھ جی کا گھرانہ ابھی بھی سب سے امیر گھرانہ تھا لیکن گزشتہ دو پشتوں سے جیون نواس کا جو وقار بدستور قائم رہا اس پر انھیں رشک تھا۔

بنی جی کہاں ہے؟ دولت سنگھ جی کی پتنی نے پوچھا بھگوان نے تمھیں سب

کچھ نوازا ہے مالکن لیکن حویلی کی سب سے بڑی زینت تو تمھاری بہو ہے۔ " تم نے حویلی کو ہمیشہ سے اچھی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے روایتی انکساری سے جواب دیا۔ جیسے ہی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ گیتا اندر چلی آئی اور اپنا سر جھکاتے ہوئے ان گھونگھٹ ڈالی ہوئی عورتوں کے پیر چھونے لگی " سدا تمھارا سہاگ قائم رہے اور تمھارے لڑکے اس حویلی کی شان برقرار رکھیں " دولت سنگھ جی کی پتنی نے گیتا کے سر پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

آنگن میں گپ شپ کی آوازیں آرہی تھیں۔ دونوں حویلیوں کی نوکرانیاں آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ دھاپو اور گنگا نے پھل تراش دیئے تھے اور اس لڑکے کا بے صبری سے انتظار کر رہے تھے جس کو بازار سے جلد مٹھائی خریدنے کے لیے بھجوایا گیا تھا۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی قدرے بے چین سی تھی وہ جانتی تھی کہ ان کے ہاں جو مہمان آئے ہیں اس کا کوئی خاص مقصد ہوگا اور ان کی ان چھوٹی چھوٹی باتوں نے اس کو بے تاب اور بے چین بنا دیا اس کی نگاہوں میں دولت سنگھ جی کی پتنی کوئی پسندیدہ مصاحب نہیں تھی وہ ایک گھمنڈی عورت تھی اور اس کے رکھ رکھاؤ میں شاہانہ وقار تھا۔ اس کے چہرہ سے توانائی اور مستقل مزاجی جھلکتی تھی۔ اس کی بول چال میں قدرے کرختگی تھی وہ چاہتی تھی کہ کوئی اس بات کو نظر انداز نہ کرے کہ اس کا گھرانہ اودے پور میں سب سے زیادہ متمول گھرانہ ہے۔ بھگوت سنگھ کی پتنی اس کے دمکتے ہوئے ہار کو دیکھ رہی تھی جو وہ گلا میں ڈالی ہوئے تھی۔ وہ جان گئی کہ یہ وہی ہار ہے جو مہارانی نے دولت سنگھ جی کے لڑکے کے جنم پر اس کو بطور تحفہ دیا تھا کچھ اسی طرح کی گفتگو کے بعد بھگوت سنگھ جی کی پتنی غیر متوجہ ہوگئی اور جب گنگا چاندی کا تھالا اور تھالیاں لیے ہوئے اندر چلی آئی تو اس کو کچھ سکون ملا۔

مالکن تم نے اتنی زحمت کیوں اٹھائی؟ دولت سنگھ جی کی پتنی نے اپنی طلائی حلقہ دار عینک میں سے جھانکتے ہوئے کہا اور اس چاندی کے تھالا کو گھورنے لگی۔ گیتا مہمانوں کی تواضع میں لگ گئی۔

دولت سنگھ جی کی پتنی پر وقار انداز میں کہنے لگی " مالکن ہمارے بچے اب بڑے ہو چکے ہیں اور ہمیں زیادہ بوڑھے ہونے سے قبل ان کے مستقبل کے بارے میں سوچنا چاہیئے۔ جب تک ہم سلامت ہیں ہمیں روایات اور شاہانہ وقار کو برقرار رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے جو ہمارے باپ دادا وراثت میں ہمیں چھوڑ گئے ہیں اور پہلو بدلتے ہوئے وہ پھر سے کہنے لگی " آپ تو ہمارے لڑکے ویر سنگھ کو جانتی ہیں جس نے ابھی ابھی پہلے درجے میں بی اے پاس کیا ہے ہم سب بھگوان کے شکر گزار ہیں لیکن آپ تو جانتی ہیں کہ میرے سسر جی بوڑھے ہو چکے ہیں ان کی آخری خواہش ہے کہ مرنے سے پہلے وہ اپنے اکلوتے پوتے کا رشتہ اپنی ہی حیثیت والے گھرانہ میں طے کر دیں۔ آخر کار بھگوت جی کی پتنی کو ان مہمانوں کے یہاں آنے کا اصل مقصد صاف طور پر واضح ہو گیا اب اس کی گھبراہٹ جاتی رہی وہ اپنی اس خوشی اور آسودگی کو چھپائے رکھنا چاہتی تھی لیکن وہ چپ چاپ رہی وہ جانتی تھی کہ دولت سنگھ جی کی مغرور پتنی سب کچھ بتا دے۔

" وجے بائی سہ بھی تو اب جوان ہو چکی ہے۔ اب تو وہ تیرہ برس کی ہو گی۔ دولت سنگھ جی کی پتنی نے کہا۔ اس نے شش و پنج میں اپنا گلا صاف کیا وہ یہ امید لگائے بیٹھی تھی کہ بھگوت سنگھ جی کی پتنی اس کی بات مان جائے گی۔ لیکن جب اس نے کچھ مٹھائی اٹھا کر اپنی تھالی میں رکھیں تو دولت سنگھ جی کی پتنی اپنی میٹھی اور رسیلی آواز میں کہنے لگی " بائی سہ آج تو میں وجے بائی سہ کا ہاتھ مانگنے آئی ہوں کسی دن میں اس کو حویلی کی چابیاں سونپ دوں گی اور اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ہمارے گھرانہ میں آ رہی ہے تو مجھے انتہائی مسرت حاصل ہو گی "

آپ کا یہ پیغام شادی تو ہمارے لیے سب سے بڑا اعزاز ہے۔ لیکن وجے تو ابھی بچی ہے۔ مانا کہ اس کی عمر تیرہ کے لگ بھگ ہے بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے سرسری طور پر جواب دے دیا البتہ وہ اپنے احساسات کو قابو میں رکھے ہوئے تھی وہ چاہتی تھی کہ دولت سنگھ جی کی پتنی کہیں یہ سمجھ نہ بیٹھے کہ اس کے گھرانہ سے جو رشتہ آیا ہے بغیر سوچے سمجھے وہ قبول کر لے گی۔

" میں جانتی ہوں کہ بی جی ہماری طرح تو نہیں وہ لڑکپن کی شادیوں کی اجازت تو نہیں دے گی لیکن ویر سنگھ تو اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان جا رہا ہے، ہم تو صرف اتنا چاہتے ہیں کہ اس کے جانے سے قبل رسم منگنی ادا ہو جائے۔ بیاہ تو بعد میں ہو گا اور اس مدت میں وجے بائی سہ اپنی تعلیم جاری رکھ سکتی ہے۔" یہ کہتے ہوئے دولت سنگھ جی کی پتنی گیتا کی طرف دیکھنے لگی جو وہاں اکڑے ہوئے بیٹھی تھی۔ اس کے ہونٹ غصّہ سے پھڑک رہے تھے اور اس کے ہاتھ گھٹنوں کو جکڑے ہوئے تھے۔

"بائی سہ، بابو، ویر سنگھ کے بیرونی ملک جانے سے قبل تم نے رشتہ پکّا کرنے کا جو فیصلہ کیا ہے۔ یہ تو بڑی دانشمندی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ وہاں کی عورتیں ہم سے بالکل مختلف ہوتی ہیں بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے دانشمندانہ انداز میں کہا۔

" مالکن ہمارا یہ پیغام کنور سہ تک پہنچا دینا مجھے یہ کہنے کی ضرورت تو نہیں کہ ہماری حویلی میں تمھاری لڑکی کو کسی چیز کی کمی نہیں ہو گی۔ اس سے زیادہ میں اور کیا کہہ سکتی ہوں دولت سنگھ جی کی پتنی نے بناوٹی انکساری سے کہا۔" آپ کی حویلی میں بہو کو جو راحت میسر ہوں گی اس پر کون شک کر سکتا ہے؟ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ جیسی ساس جب ملے تو اس سے بڑھ کر ایک ماں کو اپنی لڑکی کے لیے اور کیا چاہیئے؟ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے اسی طرح کے مبالغہ آمیز کلمات کہے۔

کچھ اور پھل کھانے پر اصرار کرتے ہوئے بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے کہا "مالکن سب سے پہلے تو ہمیں ان کی جنم کنڈلی دیکھنی پڑے گی۔ میں بہت جلد خاندانی پروہت کو طلب کروں گی۔ وہ جانتی تھی کہ کسی بیاہ کے رشتہ کو شائستگی سے ٹھکرانے کے لیے جیوتشی کتنے کار آمد ثابت ہوتے ہیں اگر کوئی بیاہ کا رشتہ اس وجہ سے ٹھکرا دیا جائے کہ ستارے اس کو منحوس قرار دیتے ہیں تو اس سے کسی کی تحقیر کا اظہار تو نہیں ہوتا۔

پاری اور دھاپو نے ان مہمانوں پر خاص طور پر توجہ دی اور انھیں شربت

پیش کیا۔ ان دو نوکرانیوں کے چہرہ پر خوشی کے آثار نمایاں تھے۔ ان مہمانوں نے کہا کہ وہ سیر ہو چکے ہیں اور مزید کچھ اور لگانے سے انکار کر دیا۔ دولت سنگھ جی کی پتنی کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ وہ آہستہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے گھٹنوں کے جوڑ چٹخنے لگے تھے اور اس پر وہ چونک پڑے۔ تھوڑی دیر تک تو وہ لوگ ایک دوسرے کی حویلیوں کے گن گاتے رہے اور آخر کار وہ یہاں سے رخصت ہو گئیں۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی اور گیتا ان مہمانوں کے ہمراہ حویلی کے بغلی دروازہ تک گئیں۔

جیسے ہی یہ خواتین رخصت ہو چکیں تو دھاپو نے دروازہ بند کر دیا اور آنگن میں بھاگی بھاگی آئی اور زور و شور سے کہنے لگی "تو آخر کار بڑے میاں دولت سنگھ کے لوگوں کو گھٹنوں کے بل ہمارے دروازہ پر آنا پڑا۔ ہماری کنول جیسی رانی بیٹی وجے بائی سا کے لیے کوئی کیوں نہ آئے گا۔

گنگا اور اپنے ہاتھوں سے تھالیوں کے پچھلے حصے ٹھوکنے لگیں۔ ادھر ادھر گھومتی پھرتی رہی وہ خوشی کے مارے پھولی نہیں سمائی تھیں۔ گیتا آنگن میں آہستگی سے آپہنچی۔ اس کا چہرہ اس طرح مرجھایا ہوا تھا گویا کہ وہ اب رو پڑنے والی ہے۔

"بنی جی تم ہمیں کچھ دیئے بغیر یہاں سے جا نہیں سکتیں۔ نوکرانیوں نے اس کا گھیراؤ کرتے ہوئے کہا لیکن جب انھوں نے اپنی چھوٹی مالکن کو آگ بگولا ہوتے ہوئے دیکھا تو وہ وہاں سے چل نکلیں۔ گیتا اپنی ساس کے پیچھے پیچھے کمرہ میں چلی آئی۔

اس رشتہ کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ بھگوت سنگھ جی کے پتنی یہ کہتے ہوئے تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے بیٹھ گئی اور گویا کہ ان پچھلے واقعات کا تصور فرحت بخش ہو وہ کہنے لگی "ریاست بھر میں ہمارے سسر جی کا جو مرتبہ رہا اور برادری میں ان کا جو وقار رہا اس پر یہ لوگ کئی برسوں تک ناراض رہے۔ یہ لوگ دولت مند ہونے کے علاوہ ان میں چار گنے چنے گھرانوں میں سے ہیں جن کے چند افراد ریاست کے وزیر بنے اور انھوں نے مہارانا کے

دربار میں اعلیٰ مرتبہ پایا اس حویلی میں کوئی بھی اپنی لڑکی دینے پر رضامند ہو جائے گا۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی کو کامل یقین نہ تھا کہ یہ سب سننے کے بعد گیتا رضامند ہو جائے گی۔ اسی وجہ سے وہ کہنے لگی "ہمیں تو وجے کے لیے ایک اچھا لڑکا چاہیئے۔ ویر سنگھ ایک چالاک لڑکا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میرے لڑکے کی طرح وہ تعلیم حاصل کر کے انگلستان سے واپس آجائے گا۔ تمھارے سسر جی بھی اس رشتہ کو یوں ہی نہیں ٹھکرا دیں گے۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی جانتی تھی کہ اپنی بہو کو رضامند کرنے کا یہی ایک واحد طریقہ ہے۔

بھابھی کچھ بھی ہو۔ اس عمر میں تو وجے کا رشتہ طے نہیں کیا جا سکتا ہے۔ گیتا کہہ بیٹھی یہ سن کر بھگوت سنگھ جی کی پتنی اس کو حیرت سے تکنے لگی یہ پہلا موقع تھا جب کہ گیتا نے اونچی آواز میں اس طرح کا جواب دیا لیکن جب اس نے گیتا کی اداس آنکھیں اور زرد چہرہ دیکھا جن پر خفگی کے آثار تھے وہ خاموش ہو گئی۔

اس ہیجان کے بعد گیتا اپنے کمرہ میں جا کر بستر پر لیٹ گئی۔ اس نے صبح صبح جن زیورات سے لدی خواتین کو دیکھا تھا اس کا تصوّر اس کے ذہن میں آنے لگا تو اس کو پھر سے اودے پور کی فضا پر نفرت ہونے لگی۔ میں نے یہاں رہنے کا جو فیصلہ کیا تھا وہ ایک بڑی غلطی تھی اگر میں چاہتی تو اجے کو سمجھا بجھا کر یہاں سے چل پڑنے کی ترغیب دیتی۔ آخر کار یہ تو ہونا ہی تھا میں تو اس دام میں پھنس گئی ہوں اور چھٹکارا ممکن نہیں لیکن اس مرتبہ میں اپنی بات پر اڑی رہوں گی چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ میں نے اپنی زندگی تو برباد کی ہے بچوں کو تو اپنی زندگی برباد کرنے نہیں دوں گی۔ ان خیالات کی شدّت سے اس کو ذہنی اذیت ہوئی۔ اس کے ہونٹ پر شکن تھے اور بدن میں تناؤ تھا۔ اب نوکرانیوں میں اس کے قریب جانے کی ہمت نہ تھی وہ جانتی تھیں کہ ان کی بک بک سے وہ اور زیادہ خفا ہو جائے گی۔ یہ ایک اہم معاملہ تھا اور وہ جانتی تھیں کہ مالکن ان کی بکواس برداشت نہیں کرے گی۔

جذبات کے طلاطم میں گھرے ہوئے گیتا اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے احساسات کو قابو لانے کی کوشش نہیں کی۔ دوپہر ڈھلنے کو تھی جب کہ

اجے سنگھ اس کے کمرہ میں چلے آئے تو اس رشتہ کی بات سن کر تم بے چین ہو گئیں ؟
یہ کہتے ہوئے وہ بستر پر بیٹھ گئے۔ گیتا اٹھ بیٹھی اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔
آنکھیں سرخ تھیں اور اس کی آواز برہمی سے تھر تھرا رہی تھی۔ وہ کہنے لگی "میں
نے تمھاری اس حویلی میں بہت کچھ برداشت کیا اور اب میں زیادہ برداشت
نہیں کر سکتی۔ وجے تو ابھی کم سن ہے۔ اس کی شادی کہاں کی جائے ابھی اس کا
فیصلہ کرنا تو ایک مجرمانہ فعل ہو گا۔ اور میں یہ کبھی نہیں کروں گی۔ میں یہاں کے
ریت و رواج سے اچھی طرح واقف ہوں۔ پہلے تو وہ منگنی کرنا چاہیں گے اور اس
کے بعد بیاہ کے لیے اصرار کرنا شروع کر دیں گے تم سب لوگ دھوکہ باز ہو۔ اپنی
من پسند لڑکی بیاہنے کے لیے ہر طرح کے وعدے کر دیتے ہو اور ہر شرط مان
لینے پر آمادہ ہو جاتے ہو۔ کیا میں حویلی کی شیریں زبان سے ناواقف ہوں ؟
اجے میں کہہ دیتی ہوں کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ ویر سنگھ کس گھرانے
کا اور وہ کتنا دولت مند ہے۔ میں وجے کا رشتہ کسی ایسے لڑکے کے ساتھ
نہیں کرنا چاہتی جو ابھی کالج میں تعلیم پا رہا ہے۔ پتہ نہیں کہ وہ بڑا ہو کر کس قسم
کا انسان ثابت ہو گا۔

لیکن تم اس طرح بے چین کیوں ہو ؟ کس نے کہہ دیا کہ وجے کے رشتہ
کی بات پکی ہو چکی ہے۔ آخر اگر ہماری لڑکی کے لیے کوئی رشتہ آ رہا ہے کیا ہمیں
شرم کے مارے ڈوب مرنا چاہیئے ؟ اب اٹھو اور اس کا جواب مجھے دو۔ اجے سنگھ
نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کی اس دلجمعی پر گیتا اور زیادہ غضبناک ہو گئی اس کی
آنکھیں نمناک تھیں اور وہ کانپتی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔ " تم یہ مت بھولو
اس مرتبہ میں تمھاری چکنی چپڑی باتوں میں آجاؤں گی۔ مجھے اب پتہ چلا ہے کہ ہمیں
اودے پور سے باہر جانے کی ترغیب نہ دے کر میں نے غلطی کی تھی۔ لیکن یہ
مت سمجھو کہ میں کوئی دوسری غلطی کر بیٹھوں گی۔ میں جانتی ہوں کہ تم سب لوگ
دولت اور عزت کے بھوکے ہو۔ میں جانتی ہوں کہ تمھاری ماں کتنی خوش ہے کہ
ہم نے ایک رقیب حویلی کے لوگوں کا سر نیچا کیا ہے جو تمھاری لڑکی مانگنے
چلے آئے ہیں۔

گیتا تم اس نتیجہ پر پہنچنے سے پہلے میری بات سنو۔ اجے سنگھ نے بستر پر اپنے پیر پھیلاتے ہوئے کہا۔ کیا تم نے کبھی میرے پتا کو پیسہ کے لیے کچھ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ اگر چاہتے تو منوں سونا جمع کرتے لیکن وہ ایمانداری اور راست بازی کے اصولوں پر گامزن رہے اور اب جب کہ ان کی پوتی کے سکھ کا مسئلہ درپیش ہے تو تم سمجھتی ہو کہ وہ محض دولت کے لیے اپنی پوتی کو قربان کردیں گے۔ گیتا جو کہنا چاہتی تھی وہ کہہ نہ سکی جب وہ اپنے شوہر پر نکتہ چینی کررہی تھی تو اس کا اشارہ اپنے شوہر کی طرف نہ تھا بلکہ اس کے ذہن میں حویلی کی خواتین کا تصور بندھا تھا۔ " ٹھیک ہے اچھا یہ تو بتاؤ کہ اس رشتہ کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے ؟ گیتا نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

" میں نے ابھی تک اس رشتہ کے بارے میں کچھ بھی نہ سوچا اجے سنگھ نے لاپرواہی میں جواب دیا وجے جیسی لڑکی کے لیے تو کئی رشتے آئیں گے ورنہ اس کے ماتا پتا کو کئی پیغامات بھجوانے پڑتے تاکہ انھیں کوئی ایسا گھرانہ مل جائے جوان کی لڑکی کو قبول کرنے پر آمادہ ہو۔ تمھارے ماتا پتا نے تمھارے لیے کس طرح لڑکا تلاش کیا ؟ کیا تم بھول گئیں ؟ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ محض اس رشتہ کے آنے سے تم اتنی بگڑ کیوں گئی ہو۔ چلو اٹھو اور ان چھوٹی چھوٹے باتوں پر اپنا دھیان مت دو۔ حویلی میں بیٹھے بیٹھے تم لطف ظرافت ہی کھو بیٹھی ہو۔ آج شام جب ہمیں کوئی نہیں دیکھ پائے گا تو میں بچھولا جھیل کی سیر کرالاؤں گا یہ کہتے ہوئے اس نے گیتا کی پیٹھ تھپکی اور اس کے پیر اپنی طرف گھسیٹنے لگا " تو اب تم خوشامدی پر اتر آئے ہو۔ نہیں میں تمھارے ساتھ اکیلے نہیں چلوں گی۔ پھاٹک پار کرتے ہی اودے پور بھر اس کا چرچا ہونے لگے گا۔ اور وہ لوگ تو مجھ پر نکتہ چینی کرنے کے لیے موقع کی تاک میں ہیں گیتا نے گستاخانہ انداز میں کہا۔

تم لوگوں کی باتوں کی پرواہ کیوں کرتی ہو ؟ جب تک میں تمھارے ساتھ رہوں تم پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ اجے سنگھ نے دلیرانہ انداز میں کہا۔ گیتا اٹھ کھڑی ہوئی۔ پتی کی اس یقین دہانی پر اس کو تسکین ہوئی۔ اس کا یہ وعدہ

گیتا کے لیے محض زبانی ہمدردی نہ تھا۔ اجے کو بخوبی علم تھا کہ اس کے ان الفاظ نے گیتا کو حقیقی معنوں میں تقویت پہنچائی تھی۔ گیتا نے اپنے ہاتھوں سے بال ٹھیک کیے اور آرام دہ کرسی پر جا بیٹھی۔

" اب بتاؤ تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں پریشان ہوں۔ کیا تمھاری ماں نے ایسا کہا تھا؟ گیتا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

اجے سنگھ ابھی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازہ زور سے کھلا اور وجے چلاتی ہوئی اندر چلی آئی اور کہنے لگی " بھابھی' پاری کہہ رہی ہے کہ سیتا پھر سے اسکول نہیں جائے گی اور آج اس کا آخری دن ہے۔ وہ تو بڑی ظالم ہے' مجھے اس سے نفرت ہے سیتا اپنے ساتھ جو تحفے اسکول لے گئی تھی وہ سب کے سب تقسیم نہ کر پائی۔ وہ بڑھیا جو سیتا تو لڈو دیا کرتی تھی اور جس کے لیے سیتا نے ایک خاص بٹوا بنایا تھا۔ وہ آج نہیں دکھائی دی۔ براہِ کرم سیتا کو کل اسکول جانے دو۔

وجے تم اب بڑی ہو چکی ہو گیتا نے وجے کو اپنی جانب گھسیٹتے ہوئے کہا جب پاری نے سیتا کو اسکول جانے سے منع کیا ہے تو اس میں سیتا ہی کی بھلائی ہے۔ ابھی تو اس کی منگنی کی تیاریاں کرنی ہیں۔ تم اگر اس کو چاہتی ہو تو اس کی بھلائی کی راہ میں حائل نہ ہو۔ وہ اب میری کلاسوں میں شریک ہو سکتی ہے اور پڑھنے لکھنے میں تم اس کی مدد کر سکتی ہو۔

اجے سنگھ کے ذہن میں یہ بات اتر آئی کہ حویلی کے بارے میں گیتا میں جو نفرت پیدا ہو گئی ہے اس کے زیر تحت اس نے پاری کا یہ فیصلہ منظور کر لیا ہے۔ اجے سنگھ کہنے لگا۔ نہیں، سیتا کو اسکول سے رکوانے کی کوئی ضرورت نہیں' پاری کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ ہر ایک بات کا فیصلہ کرے۔" وجے جاؤ تم پاری سے کہہ دینا کہ جب تک بھابھی چاہیں سیتا اسکول جایا کرے گی۔

گیتا اپنے پتی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے فیصلہ کن لہجہ میں کہنے لگی " پاری ٹھیک ہی تو کہتی ہے۔ سیتا کی منگنی کے لیے صرف تین ہفتے باقی رہ گئے ہیں البتہ یہ شرط رازمیں ہے کہ وہ اسکول جانا چھوڑ دے۔ لڑکا چالاک

ہے اور پڑھائی جاری رکھنے میں ہم اس کی مدد کر سکتے ہیں۔ وہ تو دسویں میں ہے اور اپنی جماعت میں اوّل نمبر پر ہے۔ ہمیں اس میں مداخلت نہیں کرنی چاہیئے۔ سیتا کی زندگی چین سے گزرے گی۔ اب اس کو اسکول چھوڑنا پڑے گا۔

اجے سنگھ اور وجے دونوں خاموش ہو گئے۔

چوتھا باب

اگلے دن گیتا سویرے ہی نیچے آئی۔ بچّے دودھ پی رہے تھے اور یہ انھیں کے ساتھ جا بیٹھی۔ اس نے سیتا کا اداس چہرہ دیکھا اس کو خوف تھا کہ سیتا کہیں رو نہ پڑے۔ اس کی آنکھیں دھندلی سی تھیں اور وہ بے کس اور بے بس نظر آ رہی تھی۔ سیتا خاموشی سے ستون کے پیچھے کھڑی تھی جب کہ دوسرے بچّے کھا پی رہے تھے۔ وجے بھی غمزدہ تھی۔ اس نے نہ ٹھیک سے دودھ پیا اور نہ حلوہ کھایا۔ چوں کہ اس کی ماں نے اس کو سب بات بتلا دی تھی۔ اس لیے اس نے کچھ نہیں کہا اور جب اس کو کار کی آواز سنائی دی تو اس نے جرأت مندی سے کہا "سیتا تم بھابھی کے ساتھ رہو۔ فکر مت کرو۔ تم نے کونے کی دوکان میں جو جھمکے پسند کیے تھے وہ میں تمھارے لیے خرید لاؤں گی۔ میں جلدی ہی واپس آجاؤں گی۔ اور ہم دونوں مل کر دھوم مچائیں گے۔"

وجے اپنے بھائیوں کے ہمراہ آنگن سے باہر چل پڑی۔ گیتا نے سیتا کا ہاتھ تھامے ہوئے اس کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ اس نے سیتا سے کہا کہ رسم منگنی ہو جانے پر وہ اس کو روزانہ پڑھایا کرے گی۔ اس نے سیتا کو یقین دلایا کہ نوکرانیاں اب اس کو گھر کا کام کاج نہیں کرنے دیں گی۔ اب اس کو کسی بات کی فکر نہیں کرنی چاہیئے اور اس کی روزمرہ زندگی یوں ہی بحال رہے۔ آخر اسکول کی تعلیم تو گھر پر بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

" سیتا مسکرانے لگی۔ چھوٹی مالکن کے ان الفاظ سے اس کو تسکین

حاصل ہوئی۔

گیتا اٹھ کھڑی ہوئی اور برآمدہ میں جا بیٹھی۔ اس نے گنگا کو آواز دی کہ وہ سیتا کی چولی اور گھاگھرا لے آئے تاکہ اس کو پہنا کر دیکھا جائے کہ وہ کہاں تک ٹھیک ہے۔ سیتا نے خوشی خوشی یہ لباس پہن لیا۔ اس نے نہ کوئی انکار کیا اور نہ کوئی بک بک کی۔ اس نے ویسے کیا جیسے اس کو کہا گیا تھا۔ جب سیتا نے یہ لباس پہن کر دکھلایا تو گیتا سیتا کے ہمراہ اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی اور دولت سنگھ جی کی حویلی جانے کے لیے اپنا لباس بدل ڈالا۔ سیتا کے اس بدلے ہوئے رخ کو دیکھ کر پاربتی حیرت زدہ رہ گئی۔ سیتا کو اس طرح سنجیدہ دیکھ کر گنگا اس کو ستانے کے لیے کچھ کہنے والی تھی جب کہ کھیالی کی بھدی اور بلند آواز سنائی دی۔

آج کیا دن ہے۔ شاید میں نے صبح صبح کوئی منحوس چہرہ دیکھا ہوگا اور جیسے ہی وہ رسوئی گھر میں داخل ہوا اور وہاں مالکن کو دیکھا تو اس نے اپنی آواز نیچی کر دی اور کہنے لگا۔ کنورانی، سیتا کے ہونے والے پتجیرے سسر یہاں آئے ہوئے ہیں۔ کھیالی کا چہرہ پریشان کن تھا۔

"کھیالی، وہ غریب تو تم سے قرضہ لینے آیا ہوگا۔ سبھی کو پتہ ہے کہ تمھارے پاس روپیہ ہے۔" مالکن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

مالکن جو بات وہ کہنے آیا ہے وہ اہم ہے۔ کھیالی نے سنجیدگی سے کہا۔ مالکن نوکروں کے لیے چاول کا ناپ تول کر رہی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ روک لیے اور کھیالی کی بات سننے کی منتظر تھیں۔

" سیتا کے دادا سسر بیمار ہو گئے ہیں اور یہ لوگ جانتے ہیں کہ سیتا کی منگنی کرنے کے بجائے اس کا بیاہ کر دیا جائے۔ ان لوگوں نے جیوتشیوں سے مشورہ لیا ہے کہ انھیں پتہ چلا ہے کہ آئندہ چاند کی چودھویں تاریخ بیاہ کے لیے بہت ہی شبھ دن ہے۔ یہ کہتے ہوئے کھیالی اپنا سر ہاتھوں میں لیے نیچے بیٹھ گیا۔" جس

"جس گھبرائے انداز سے تم نے یہ بات کہی میں تو یہ سمجھ بیٹھی کہ اب بیاہ نہیں ہوگا۔" مالکن نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ مجھے تو خوف لگا تھا کہ

کسی نے پچھلی باتیں کرید ڈالیں اور ان لوگوں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔
اب اگر انھوں نے ایسی حرکت کی تو میں ان کا منہ توڑ دوں گا ہم نے تو ان لوگوں سے کچھ نہیں چھپایا۔ وہ اب اس منزل پر پہنچ کر حویلی کی اس طرح توہین نہیں کر سکتے۔ کھیالی نے اپنی چھاتی تان کر انداز میں کہا۔
"کھیالی منہ توڑنے کی باتیں چھوڑ دو۔ مالکن نے مسکراتے ہوئے کہا شاید ہمیں منگنی اور بیاہ ایک ہی ساتھ رچانا ہوگا۔ منگنی کے لیے تو ہم دو ہفتوں میں سارا انتظام کر دیتے لیکن بیاہ کی بات تو کچھ اور ہے۔ گنگارام جی کو تو تم جانتے ہی ہو۔ اس پر تو کوئی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔
"ہاں کھیالی، پاری نے کاروباری انداز میں کہا۔ چینی، گیہوں اور تیل خرید لو اور باورچیوں سے بھی کہہ دو ورنہ آخری وقت میں اخراجات بڑھ جائیں گے۔ یہ کہتے ہوئے وہ تھوڑی دیر کے لیے رک گئی اور گویا کہ کوئی بات ذہن میں آئی ہو۔ اس نے غور و فکر سے کہا کسی کو گاؤں بھجوا دینا اور دھاپو کے پتی سے کہہ دینا کہ وہ دس دن کے اندر یہاں چلا آئے۔ گنگارام تو لکشمی کی غیر موجودگی کی وجہ بیاہ کے رسموں سے دور ہی رہے گا۔ یہ فرائض تو دھاپو اور اس کے پتی کو انجام دینے ہوں گے۔
پاری کی اس تجویز پر مالکن قدردانی سے اپنا سر ہلانے لگی۔ پاری جب یہ باتیں کر رہی تھی تو مالکن کو ان رنگی ہوئی ساڑیوں کا خیال آیا جو تیار ہو چکی تھیں۔ اس کو ان چند چاندی کے پرانے گہنوں کا بھی خیال آیا۔ جن کو پگھلا کر سیتا کے لیے نئے گہنے بنوائے جا سکتے تھے لیکن اس کے لیے وہ بہت زیادہ پریشان تو نہ تھی۔ نوکرانیوں اور ان کے بچوں کے بیاہ کے لیے تو اس نے دو ہفتوں کے اندر سارے انتظامات کیے تھے۔
ٹھیک اسی وقت پائل کی جھنکار سنائی دی۔ دھاپو رسوئی گھر میں آئی۔ وہ پریشان سی لگ رہی تھی وہ کہنے لگی۔ کنورانی سہ کیا تم بھول گئیں کہ ہمیں آج دولت سنگھ جی کی حویلی جانا ہے۔ وہاں کی نوکرانیاں تو دو مرتبہ یہاں آکر یہ یاد دلا چکی ہیں۔

مالکن بیزاری سے اٹھیں اور کپڑے بدلنے چلی گئیں۔ دولت سنگھ جی کی حویلی جانے کے لیے کیا اس کو تشویش ہونے لگی۔ رشتہ کی بات پر گیتا ناراضگی کا اظہار نہ کرتی تو اس کو دولت سنگھ جی کی حویلی میں ایک دن گزارنے پر مسرت حاصل ہوتی۔ دولت سنگھ جی کی پتنی تو دوسری عورتوں سے گستاخی سے پیش آتی اور ان سے دور دور رہا کرتی لیکن بھگوت سنگھ جی کی پتنی سے وہ کھل کر باتیں کرتی اور ہمیشہ خوش خلقی سے پیش آتی تھیں مگر آج تو بھگوت سنگھ جی کی پتنی بے چین سی تھی۔ دولت سنگھ جی کی پتنی کے چلے جانے کے بعد گیتا نے اس کو جو تلخ جواب دیا تھا وہ اس کو ابھی تک یاد تھا۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی ایک باوقار اور سنجیدہ عورت تھی اور وہ دوبارہ اس بارے میں گیتا سے اس کا تذکرہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ گیتا کو یہ بتانا نہیں چاہتی تھی کہ کسی کے روبرو اپنے جذبات کو کھلے طور پر واضح کرنا فائدہ مند تو ثابت نہیں ہے۔ وہ چاہتی تھی کہ گیتا خواتین کے ساتھ شائستگی سے پیش آئے۔

گیتا اپنا لباس بدل کر اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی نیچے سے بلاوا آنے کی منتظر تھی۔ اس کو اپنے میں کچھ اکیلاپن سا محسوس ہوا گویا کہ اب اس میں سرگرم عمل ہونے کی قوت سلب ہو چکی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس نے کچھ عجیب سا سکون محسوس کیا جو کسی کو اپنی ثابت قدمی سے حاصل ہوتا ہے اس کو دولت سنگھ جی کی پتنی جیسی بھاری بھرکم شخصیت کا سامنا کرنے سے کوئی خوف نہیں تھا۔ گیتا نے اس مرتبہ اپنے فیصلے پر اٹل رہنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

" بی جی، تمھیں پتہ ہے کہ دو ہفتوں کے اندر سیتا کی نہ صرف منگنی ہو گی بلکہ اس کا بیاہ بھی ہو جائے گا۔ دھاپو نے کمرہ میں داخل ہوتے ہوئے پرجوش آواز میں کہا۔

" کوئی ہرج نہیں۔ اس سے تو اخراجات بہت کم ہو جائیں گے۔ سیتا کے لیے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ تو نہیں ٹھہرے گی۔ گیتا نے کہا اور پوچھا " با ہمیں حویلی کب چلنا ہے ہم نے بہت دیر کر دی اور میں نے تو

ابھی تک ساڑی نہیں بدلی لیکن کچھ زیادہ وقت تو نہ لگے گا۔ یہ کہتے ہوئے دھاپو بچوں کے کمرہ میں چلی گئی۔ کچھ ہی لمحوں میں وہ لباس تبدیل کر کے باہر نکلی اور خوش خوش نظر آنے لگی۔

"بائی۔ یہ سب زیور کس لیے؟ کیا تم کسی ضیافت میں جارہی ہو" گیتا نے حیرت سے پوچھا جب کہ اس نے دھاپو کو اچھی سی سرخ ساڑی، جھمکے اور چوڑیاں پہنے ہوئے دیکھا " دولت سنگھ جی کی پتنی کی نوکرانیاں جب یہاں بن ٹھن کر آئی تھیں تو کیا تم سمجھتی ہو کہ میں وہاں پرانی ساڑی پہن کر جاؤں گی، میں تو اس طرح نہیں جاؤں گی۔"

گیتا مسکرانے لگی اور ابھی ابھی اس میں جو خود اعتمادی پیدا ہوئی تھی، وہ مفقود ہوگئی اور اس نے خوف زدگی سے پوچھا " بائی کیا وہ لوگ وجے کے بیاہ کے بارے میں بات کریں گے مجھے کیا کہنا پڑے گا اگر سخت بخار ہو جاتا تو اچھا تھا۔ مجھے اس بڑی حویلی میں قدم رکھتے ہوئے نفرت سی ہوئی ہے۔

" بی جی۔ تم ان باتوں سے کیوں پریشان ہوتی ہو جس کا تم سے کوئی واسطہ نہیں جب تک کہ تمھاری سسرال والے زندہ ہیں تمھیں کسی بات کی فکر نہ کرنی چاہیئے۔ وجے بائی سا اس حویلی کی سب سے بڑی پوتی ہے۔ وہ اس گھرانے کی پہلی لڑکی ہے جس کا جنم چالیس سال بعد ہوا ہے جب تک کہ انھیں پورا اطمینان نہ ہو جائے تمھاری سسرال والے اس کے بیاہ کے لیے رضامند نہیں ہوں گے۔ تم پریشان مت ہو۔ یہ فیصلہ تم اپنے بڑوں پر چھوڑ دو۔ وجے بائی سا کے لیے جو ٹھیک ہو گا وہ ویسے ہی کریں گے۔

میری لڑکی کے بیاہ کا مسئلہ میرا اپنا ہے میں اس طرح کے قول و قرار کے لیے اپنی رضامندی نہیں دوں گی چاہے کچھ بھی ہو جائے چاہے وہ اودے پور کے مہارانا کا لڑکا ہی کیوں نہ ہو۔ میں ہرگز نہیں مانوں گی۔ گیتا نے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

دھاپو حیرت زدگی سے مالکن کی طرف دیکھنے لگی۔ اس نے مالکن کو کبھی اس طرح مستحکم، واضح اور فیصلہ کن انداز میں کہتے ہوئے نہیں سنا تھا۔ وہ

گیتا کے ہمراہ نیچے چلی آئی۔ چند امور ایسے بھی تھے جب کہ وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کو مالکن کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے؟

بھگوت سنگھ جی کی پتنی تیار ہو کر اپنے کمرہ میں چپ بیٹھی ہوئی تھی۔ جب اس نے پائل کی آواز سنی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور گیتا کے ہمراہ دھیرے دھیرے کار کی طرف چلنے لگی۔ پاری اور چمپا کار کی اگلی سیٹ پر ہیرالال کے بازو میں جا بیٹھی پچھلی سیٹ میں دھاپو عورتوں کے ساتھ بیٹھ گئی۔ سیتا جوں توں کر کے دھاپو کے بازو میں جا بیٹھی۔ وہ اس تصوّر سے لطف اندوز ہو رہی تھی کہ جس حویلی کو وہ جا رہی ہے وہ حویلی ایک دن وجے کی ہو جائے گی۔

گیتا اپنے خیالات میں اس طرح ڈوبی ہوئی تھی کہ اس نے نہ تو لوگوں کے مسکراتے ہوئے چہرے دیکھے اور نہ ان بچّوں کی طرف دیکھا جو اس کار میں جھانک رہے تھے جب کہ گدھوں کے غول کو سڑک پار کرنے کے لیے کار کو کچھ دیر روکنا پڑا۔ کار جب ایک تنگ گلی کی طرف مڑی تو وہاں کھلی نالیوں سے بدبو آ رہی تھی۔ گیتا اس سے بے خبر رہی۔ اس کے ہوش تبھی ٹھکانے لگے جب کہ دولت سنگھ جی کی حویلی کے بڑے پھاٹک کے روبرو کار رُک گئی۔

آنگن کے باہر دروازہ پر نوکرانیاں خواتین کو اندر لے جانے کے لیے منتظر کھڑی ہیں جیسے ہی بھگوت سنگھ جی کی پتنی اس وسیع اور مستطیل کمرہ میں داخل ہو گئی۔ دولت سنگھ جی کی پتنی جو چند عورتوں کے ہمراہ وہاں بیٹھی ہوئی تھیں اٹھ کھڑی ہو گئیں۔ کمرہ کے دروازوں اور چھت پر گلابی رنگ چڑھا ہوا تھا۔ چھت پر نیلے رنگ کے بڑے فانوس ٹنگے ہوئے تھے۔ فرش پر موٹی موٹی قالین بچھی ہوئی تھیں اور آرام دہ کرسیاں طلائی کارچوبی مخمل سے ڈھکے تھے۔

دولت سنگھ جی کی پتنی نے ہاتھ جوڑتے ہوئے ان کا استقبال کیا اور کم سن عورتیں بھگوت سنگھ جی کی پتنی کے پیر چھونے لگیں۔

" آپ کا یہ حسنِ ظن ہے کہ آپ یہاں تشریف لائیں، خصوصاً اس وقت جب کہ آپ سیتا کے بیاہ کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ دولت سنگھ جی کی پتنی نے پرجوش آواز میں کہا " سب انتظامات تو پاری جی جی کر رہی ہیں مجھے کوئی

پریشانی نہیں اور اس کے علاوہ یہ ایک سیدھا سادھا بیاہ ہوگا۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے جواب دیا۔

گیتا کے چہرہ پر یکایک کشیدگی کے آثار نمایاں ہوئے وہ جانتی تھی کہ سیتا کے بیاہ کے تذکرہ کے بعد وجے کی منگنی کا سوال اٹھایا جائے گا۔ وہ اپنے بند ہاتھ گود میں لیے ہوئے بے لوچ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس سے سوالات پوچھے جائیں گے اور اس کا جواب دینے کے لیے وہ اپنے جذبات کو سنبھالے رکھنے کی کوشش میں لگی تھی۔

جیسے ہی نوکرانیاں تھالیوں میں ناشتہ لے آئیں تو دولت سنگھ جی کی پتنی اٹھ کھڑی ہو گئیں اور اس نے بھگوت سنگھ جی کی پتنی اور گیتا کی خود اپنے ہاتھوں سے تواضع کی۔ ناشتہ کرتے ہوئے عورتیں باتوں میں لگ گئیں۔ وہ دوسری حویلیوں کے حالات کا تذکرہ کرنے لگیں اور ان گزرے ہوئے دنوں کی یاد تازہ کر کے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

عورتیں جب باتوں میں مصروف رہیں تو گیتا نے گھونگھٹ میں سے اس کمرہ کا جائزہ لیا۔ دیواروں پر شکار کے خوب صورت مناظر کی نقاشی کی گئی تھی۔ دروازے نقش و نگاری سے مزین کے گرد تھے اور اس میں جگہ جگہ پیتل کے گانٹھ لگے ہوئے تھے۔ یہ کمرہ شاندار طریقہ سے سجایا گیا تھا۔ یہاں پر پیتل، چینی کا سامان، تلواریں اور بندوقیں بھری پڑی تھیں۔ گیتا کی آنکھیں پتھر کی اس قدیم مورت پر لگی تھیں جو اس کمرہ کے ایک کونے میں رکھی ہوئی تھی۔

دولت سنگھ جی کی پتنی کہنے لگی ”بنی جی کتنے سکھ کی بات ہے کہ بابوسہ نے اودے پور میں ہی ٹھہرنے کا فیصلہ کیا اور تھوڑی دیر بعد وہ بھگوت سنگھ جی کی پتنی کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگی ”مالکن آپ تو پوتے پوتیوں میں گھری رہتی ہیں یہی تو حویلی کی خوش نصیبی ہے۔

”ہاں، آپ کا کہنا تو ٹھیک ہے لیکن بہت جلد حویلی کا سب انتظام بنی جی کو کرنا پڑے گا۔ دن بہ دن مجھ میں نقاہت بڑھتی جا رہی ہے اور میری آنکھیں بھی کمزور ہوتی جا رہی ہیں۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے لاچارگی سے کہا۔ ضرورت

پڑنے پر وہ جھوٹ کہنے میں تامل نہیں کرتی تھی۔

"اس طرح مت کہو مالکن۔ حویلی میں آپ کی جگہ کوئی دوسرا نہیں لے سکتا۔ آپ کی شفقت کی وجہ سے امیر اور غریب جیون نواس چلے آتے ہیں۔ دولت سنگھ جی کی پتنی نے حقیقی معنوں میں ان کی داد دیتے ہوئے کہا۔ جیون نواس کی نوکرانیاں کھا پی چکی تھیں۔ پاری کمرہ میں آکر کچھ دیر چپ چاپ کھڑی رہی۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی کو یہاں سے رخصت ہونے کا یہ ایک اشارہ تھا۔

بھگوت سنگھ جی کی پتنی اپنا گھاگھرا سنبھالتے ہوئے شائستگی سے کہنے لگی "مالکن ہم نے آپ کا بہت سارا وقت لے لیا اب ہمیں چلنا چاہیئے۔

گیتا کو حیرت ہوئی کہ کسی نے منگنی کے بارے میں کچھ نہ کہا یہ بات سبھی کے ذہن میں تھی لیکن حویلی کے آداب اور مراسم کچھ ایسے تھے کہ یہ لوگ اپنی زبان سے کچھ نہ کہہ سکے۔ ان لوگوں میں اتنا اعتماد تو تھا کہ انھیں اپنے لڑکے کے رشتہ کے لیے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں۔

جیسے ہی یہ مہمان اٹھنے لگے دولت سنگھ جی کی پتنی نے کہا " تھوڑی دیر رک جاؤ مالکن ویر سنگھ کو آشیر باد دیئے بنا تو آپ نہیں جاسکتیں۔

دولت سنگھ جی کی پتنی یہ باتیں کر رہی تھیں کہ ایک عورت اٹھی اور کمرہ کے باہر نکل پڑی۔ سیتا اس طرح اٹھ بیٹھی گویا کہ اس کی پیٹھ میں کسی نے خنجر چبھو دیا ہو۔ اس کے نصف کھلے ہونٹ سرد پڑ گئے اور اس نے اپنے بدن میں کپکپی سی محسوس کی۔ آخر کار وہ خطرناک گھڑی آپہنچی تھی جس کا اندیشہ تھا لیکن اس کے خواب و خیال میں یہ بات کبھی نہیں آئی کہ اس کا اس لڑکے سے آمنا سامنا ہو جائے گا۔ جذبات کے اس بھنور میں وہ پھنسی ہوئی تھی کہ اس کے سامنے والا دروازہ کھلا۔

عورتوں سے بھرے ہوئے اس کمرہ میں ویر سنگھ داخل ہوا۔ اس کے چہرہ پر سونی عیاں تھی ورنہ وہ ایک سنجیدہ نوجوان تھا۔ گیتا نے اس کو اپنے گھونگھٹ کی اوٹ سے دیکھا۔ وہ ایک قد کا خوبرو نوجوان تھا جس کا رنگ زردی مائل تھا۔ اس کے لمبے ہاتھ پیروں سے نوجوانی کا الھڑپن ظاہر ہوتا تھا۔ لیکن اس

کی وضع وقطع سے وجاہت جھلک رہی تھی ۔ جیسے ہی وہ بھگوت سنگھ جی کی پتنی کے روبرو جھکنے لگا تو وہ کہنے لگی " بھگوان تمھیں سکھی رکھے ۔ تمھاری کامیابی پر ہمیں فخر ہے ۔ ہماری یہ تمنا ہے کہ تمھیں اسی طرح اپنی تعلیم میں فضیلت حاصل ہو اور کچھ دیر بعد اس نے کہا " بابو ۔۔۔ سے تم عنقریب بدیسی ملک جارہے ہو لیکن جہاں کہیں بھی رہو اپنی حویلی کی روایات کو مت بھولنا ۔ قبل اس کے کہ ویر سنگھ وہاں سے واپس لوٹ چلے بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے دستور کے مطابق اپنی انگیہ میں سے پانچ روپیہ کا نوٹ نکالا اور اس کو دے دیا ۔ ویر سنگھ نے دونوں ہاتھوں میں یہ نوٹ تھام لیا اور بڑوں کے احترام میں وہ اپنا سر جھکائے ہوئے وہاں سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا ۔

ہاں یہ یاد رکھو بابو جو اپنا ہے اس کو چھوڑ مت دینا ہم بوڑھے لوگ تو تمھیں صرف آشیرباد دے سکتے ہیں ۔ باقی سب کچھ تو تمھارے ہاتھ ہے ۔ دولت سنگھ جی کی پتنی نے دہراتے ہوئے کہا ۔

جب رخصتی کے تمام رسومات ادا ہو گئیں تو جیون نواس کی خواتین اور نوکرانیاں دولت سنگھ جی کی حویلی کی عورتوں کے ہمراہ کمرہ سے باہر نکل پڑیں ۔

ہیرالال ان چنچل لڑکوں سے جھگڑ رہا تھا ۔ جو کار کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے ۔ وہ انھیں گھونسے لگانے کی دھمکی دے رہا تھا ۔ اس کے باوجود وہ پیچھے کی جانب سے باہر نکل آتے اور کار پر ہر طرف سے اپنے ہاتھ پھیرنے لگے ۔ جیسے ہی اس نے عورتوں کو باہر آتے ہوئے دیکھا تو اس نے کار کا دروازہ کھولا ۔ عورتیں جب گاری میں بیٹھ چکیں تو ہیرالال کار چلانے لگا اور بچے ادھر ادھر بکھر گئے کیوں کہ انھیں خوف تھا کہ ہیرالال ان سے بدلہ لینے کے لیے کہیں ان پر گاڑی نہ چلادے ۔

بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے اپنا گھونگھٹ کچھ تھوڑا اور نیچے کر لیا اور آرام سے بیٹھ گئی ۔ اس نے کچھ کہا تو نہیں اور نہ پاری ہی نے اپنی زبان کھولی ۔ دھاپو یہ کشیدگی دیکھ کر چپ ہو گئی حالاں کہ اس میں کئی سوالات کرنے کی امنگ تھی ۔ سیتا جو مالکن کے پیروں کے قریب دبی بیٹھی تھی وہ بھی خاموش رہی ۔

عورتیں جب جیون نواس واپس لوٹ آئیں تو آدھا دن ڈھل چکا تھا۔ آنگن میں نوکرانیوں کے بچوں کا جم غفیر تھا۔ جشن شادی ان کے لیے خاص دلچسپی کی بات تھی اور جب کسی ضیافت کا انتظام ہوا کرتا تھا تو انھیں کھیل کود کا موقعہ یقیناً ملتا۔ کھیالی جو رسوئی گھر میں بیٹھا ہوا تھا وہ ان بچوں کو بتلا رہا تھا کہ ابھی اس کو کیا کام کرنے باقی ہیں وہ انھیں دھمکی دے رہا تھا کہ وہ بھی کچھ ہاتھ بٹائیں ورنہ انھیں لڈو نہیں ملیں گے۔

بھگوت سنگھ جی کی پتنی آنگن پار کر کے بچوں اور کھیالی سے کچھ کہے بغیر اپنے کمرہ میں چلی گئی۔ کھیالی حیرت زدگی سے دیکھنے لگا۔ دستور تو یہ تھا کہ عورتیں جب حویلی سے واپس لوٹ آئیں تو وہ اپنے ساتھ کئی خبریں لے آئیں اور کپڑے بدلنے سے پہلے وہ یہاں بیٹھا کریں اور سب باتیں بتایا کریں۔ وہ سوچنے لگا کہ کہیں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہو گئی کہ دھاپو جیسی باتونی نے بھی اپنی زبان نہیں کھولی۔

گیتا اپنے کمرہ میں چلی گئی صرف ایک سیتا تھی جس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا وہ بچوں میں جا مل بیٹھی۔ اور اس بڑی حویلی کے بارے میں انھیں سب کچھ بتانے لگی۔

گیتا نے اپنے کمرہ میں لباس بدلا اور گہنے اتار دیئے وہ کچھ پریشان سی لگ رہی تھی۔ صبح کی اس ملاقات نے اس کا من نہیں لبھایا۔ اس کے تمام شک و شبہات غلط ثابت ہوئے۔ دولت سنگھ جی کی پتنی شائستگی سے پیش آئیں اور اس نے
اس میں شک نہیں کہ وہ ایک مغرور اور گھمنڈی عورت ہے لیکن اس نے گیتا کی رسوائی تو نہیں کی۔ اس کی شخصیت میں عجیب سی جاذبیت تھی۔ وہ کوئی ایسی ویسی عورت تو نہ تھی جو کسی چیز کے لیے کسی کے سامنے اپنا ہاتھ پھیلائے۔

کپڑے بدلنے کے بعد گیتا اپنے بستر پر بیٹھ گئی جیسے ہی اس کے ذہن میں ویر سنگھ کا خیال آیا اس کے چہرہ سے شگفتگی کے آثار نمایاں ہوئے۔ وہ ایک اونچا اور خوب صورت نوجوان تھا اور اس کی شخصیت میں کم سخنی اور شرمیلا پن کی وہ صفات تھیں جو شریف گھرانوں کا طرہ امتیاز ہوا کرتا ہے۔ گیتا نے محض اس کی

ایک جھلک دیکھی تھی اس کو اب افسوس ہونے لگا کہ اس نے اس کو قریب سے کیوں نہ دیکھا لیکن جب وہ کمرہ میں داخل ہوا تھا تو وہ اس طرح مضطرب تھی کہ اس کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ وہ سوچنے لگی کہ وہ بدلیس جا رہا ہے وہ چالاک ہے اور کامیابی اس کے قدم چومے گی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ویر سنگھ کا خیال اپنے ذہن سے ہٹا لیا " میں اس منگنی کے لیے اپنی رضامندی نہیں دوں گی۔ ابھی تو اس کے لیے کافی وقت پڑا ہے۔ اس لڑکے میں اب جو خوبیاں ہیں آگے چل کر یہ باقی نہ رہیں تو اس کا انجام کیا ہوگا۔ میری لڑکی وجے تو اس حویلی میں مرجھا جائے گی۔ وہ اپنے آپ سے کہنے لگی۔

دوسری طرف خود اپنے ہی بیاہ کا خیال اس کو آنے لگا جب وہ اور اس کی بہن کم سن تھیں تو جب ہی سے اس کی ماں ان کے لیے اچھے لڑکے کی کھوج میں لگی تھی اور اپنے ہونے والے داماد کو دیکھنے کا اس کو اشتیاق تھا اور آخر کار اس نے اجے سنگھ کو پسند کیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا تعلق ایک اچھے گھرانہ سے ہے اور سبھی یہ جانتے تھے کہ وہ ایک خلیق انسان ہے۔ گیتا کو اچانک یہ خیال آیا کہ اس کو بھی بیاہ سے پہلے اپنے پتی کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔ اس کے ماتا پتا نے اس امید پر یہ بیاہ رچایا تھا کہ اجے سنگھ اس کے لیے ایک اچھا پتی ثابت ہوگا۔ انہی خیالات نے اس کو بے چین کر دیا۔ وہ اس بارے میں مزید کچھ اور سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے لیے یہ ایک بڑی الجھن تھی۔ وہ اپنے بستر سے اٹھی۔ الماری سے کتاب نکالی اور پڑھنے لگی۔

پانچواں باب

سیتا کے بیاہ سے تین دن قبل سرجو دایہ حویلی آپہنچی اس کی موجودگی تو یہاں ضروری تھی۔ بیاہ سے قبل جو طہارتی رسومات ہیں۔ انھیں وہ ادا کرنے تھے۔ سیتا کو خوشبودار جڑی بوٹیوں سے نہلانا تھا۔ اس کے بالوں کو طرح طرح کی خوشبوؤں سے دھلواکر ان میں تیل لگوانا تھا۔ معطر مسالوں سے اس کے بدن کی مالش کی گئی تاکہ اس کی جلد ملائم اور چمکیلی بن جائے۔ گزشتہ تین برسوں سے سرجو یہ سب کچھ کرتی آئی ہے وہ ان رسموں کے طور طریق سے بخوبی واقف ہے۔ ان مرکبات کی تیاری میں اس نے احتیاط برتی حالاں کہ یہ سب کچھ تو سیتا کے بیاہ کے لیے تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی ان محنتوں کے لیے مالکن اس کو معقول معاوضہ دے گی سرجو پیسے اور کوٹنے کے کاموں میں جٹی رہی تو دوسری نوکرانیاں اپنا اپنا کام کرتے ہوئے اس سے باتیں کرنے لگیں۔ مالکن پاری کے ہمراہ برآمدہ میں بیٹھی رہی۔ گوکل کا پوتا پرانی ساڑیوں کا گٹھرا لے آیا جو بالکل نئی دکھائی پڑتی تھیں۔ پاری نے گٹھرا کھولا اور شوخ رنگ کی کلف دار ساڑیاں مالکن کے روبرو رکھ دیں جنھیں دیکھ کر مالکن خوش ہوگئیں۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ان ساڑیوں پر دھبوں کے نشان تھے اور ان کا رنگ اتر چکا تھا۔ معلوم تو ایسا پڑتا تھا کہ یہ ساڑیاں شہر کی سب سے شاندار دکان سے ابھی ابھی خریدی گئی ہیں۔

گزشتہ ہفتہ بھر سے وجے سویرے ہی تیار ہو جاتی اور اسکول جانے تک وہ اپنی دادی ماں کے ساتھ بیٹھی رہتی۔ سیتا کے لیے جو نئے کپڑے اور گہنے تیار

کیے جارہے تھے وہ اس کو اشتیاق سے دیکھنے لگی۔

" بڑی بھابھی جب میرا بیاہ ہوگا تو کیا تم مجھے بھی اتنی ساڑیاں دوگی وجے نے پوچھا۔ اس کی دل کش اور بادامی آنکھیں جن پر لمبے اور پیچدار پلکوں کا سایہ پڑا ہوا تھا بنا جھپکے ساڑیوں کے اس کٹھرا پر جمی ہوئی تھیں۔

میری پیاری منی۔ اگر میں تمھارے بیاہ ہونے تک زندہ رہی تو میں تمھیں عمدہ ریشمی اور کمخواب کی ساڑیاں دوں گی۔ اس حویلی میں اتنا شاندار جشن ہوگا کہ اودے پور کے لوگ تمھارا بیاہ مدتوں تک یاد رکھیں گے۔ یہ کہتے ہوئے بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے وجے کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھا اور دھیمی اور غمگین آواز میں کہنے لگی لیکن میری بچی میں بوڑھی ہو چکی ہوں کون جانے کہ میں تمھارے بیاہ تک زندہ بھی رہوں گی یا نہیں۔ یہ کہتے ہوئے وہ رک گئی اور اپنے آنسوؤں کو چھپانے کے لیے اپنا چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔

مالکن میں تو کسی دن ناچتی اور گاتی ہوں گی یہاں تک کہ پاری جی جی بھی مجھے روک نہ سکے گی اور مالکن وجے بائی سہ جب حویلی سے چلی جائیں گی تو میں بھی یہاں سے چلی جاؤں گی اور اس کے ساتھ جا کر رہوں گی۔ سیتا نے کہا۔ اس کی آنکھیں خوشی سے دمک رہی تھیں۔

وجے گھبراہٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور وکرم کو جلدی سے دودھ پینے کے لیے کہا۔

" سیتا تم بائی سہ کے ساتھ اسکول چلی جاؤ۔ اس گڑبڑ میں تو میں نے تمھاری استانیوں کو بلانا تو بالکل بھول بیٹھی وہ ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے۔ جلدی جاؤ اور کپڑے بدل لو۔ تم اپنے دوستوں اور استانیوں کو بیاہ پر آنے کے لیے کہہ دینا اور ہاں اپنی پرنسپل کو بھول نہ جانا۔ پاری جی تم نے بھی تو مجھے یاد نہ دلایا۔ اب اس آخری وقت میں بلائے جانے پر کہیں وہ لوگ خفا تو نہیں ہو جائیں گے مالکن نے اپنا شبہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

سیتا جلدی سے اپنے چھوٹے سے کمرہ میں گئی جہاں پر وہ اپنے کپڑے رکھا کرتی تھی۔ اس نے اچھا سا فراک پہنا، اپنے سر کے بال ٹھیک کیے اور پتھر کی چکی پر کھڑی ہو کر الماری سے وہ جالی دار بٹوا نکالا جو اس نے اس بڑھیا

کے لیے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا لیکن اس کو دے نہ پائی کیوں کہ جس دن وہ اسکول گئی تھی اسی دن وہ بڑھیا وہاں نہیں آئی تھی۔ سیتا نے سوچا کہ آج جب کہ وہ اسکول جا رہی ہے تو غالباً وہ عورت وہاں دکھائی دے گی تو یہ بٹوا اس کو دے دے گی۔

"بڑی بھابھی آج ہم اسکول سے جلدی ہی واپس لوٹ آئیں گے۔ وجے یہ کہتے ہوئے سیتا کا ہاتھ تھامے ہوئے آنگن سے باہر نکل پڑی۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی مسکرانے لگی۔ اس کی نگاہیں کہیں دور لگی تھیں وہ کہنے لگی "بنی جی اگر حویلیوں کے بارے میں اتنی بدظن نہ ہوتیں تو آج اس حویلی میں وجے کی منگنی کی تیاریاں شروع ہو گئی ہوتیں۔ اس منگنی کا انداز تو شاہانہ ہوتا لیکن میری پوتی کی یہ رسم دیکھنا تو میرے نصیب میں نہیں۔" مالکن نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

پاری نے اثبات میں اپنا سر ہلایا۔

"مالکن وجے بائی سہ کا دولت سنگھ جی کی حویلی جانا اگر قسمت میں لکھا ہے تو وہ ضرور جائیں گی یہاں تک کہ بنی جی بھی یہ روک نہیں سکتی۔ سرجو نے یقین کامل سے کہا" چلو جو کام بھگوان کے ہاتھ ہے اس پر بحث کر کے ہم کیوں اپنا وقت برباد کریں۔" بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ سیتا کے لیے جو نئی ساڑیاں خریدی گئی ہیں مجھے تو دکھاؤ۔ گنگا رام جی یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ سیتا کی ماں نہ ہونے پر ہم نے دلہن کے جوڑے پر توجہ نہیں دی۔

پاری چونک پڑی۔ مالکن کی یہ بات اس کو ناگوار سی لگی لیکن اس نے کچھ نہ کہا وہ ساڑیوں کو علیحدہ علیحدہ ڈھیر لگانے میں مصروف رہی۔ اس نے مالکن سے یہ بات پوشیدہ رکھی کہ وہ اسی کی طرح پریشان ہے اور اس نے دس راتیں جاگتے ہوئے گزاری ہیں تاکہ ہر کام ٹھیک طور پر بغیر اسراف کے انجام پائے۔ نوکرانیاں دیر شب تک سیتا کے لیے چولیاں اور گھاگھرے کی سلائی کرتی رہیں ان ساڑیوں پر چاندی کے لیس ٹانکتے ٹانکتے ان کی آنکھیں سوج گئیں۔ کفایت شعاری کے لیے نوکرانیاں یہ سب کچھ کر رہی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ لکشمی کے بغیر گنگا رام کے ہاتھوں کچھ نہیں بنے گا۔

کھیالی سنار کی دکان کے کئی پھیرے لگاکر تھک چکا تھا کیوں کہ سنار تو بہت قیمتی گہنے بنوانے میں مصروف رہتا اور معمولی سے گہنے تیار کرنے میں اس کو دلچسپی نہ تھی۔ یہ شادی بیاہ کے دن تھے اور سب سنار لوگ بہت دیر تک کام کرتے تاکہ انھیں زیادہ تر منافع ملے۔ کھیالی نے اس کو پھسلا کر سیتا کے کنگن اور پائل تیار کروائے۔ ہر ایک چیز کی مانگ تھی اور دام بڑھ گئے تھے۔

سستے داموں پر کانٹے اور ٹین خریدنے کے لیے بچوں کو میلوں دور جانا پڑتا تھا۔ پاری چاہتی تھی کہ گنگارام پر جو مصیبت آپڑی ہے اس کے بارے میں مالکن نوکروں کو سمجھاتی رہے۔ اس طرح کے خیالات کا اظہار کرنے سے قبل مالکن کو یہ جاننا تھا کہ نوکر لوگوں کے بھی جذبات ہوتے ہیں اور ان کو ٹھیس لگ سکتی ہے یہاں تک کہ سرجو کو بھی حیرت ہوئی کہ مالکن کے تاثرات میں کہیں کوئی گہرا راز تو پوشیدہ نہیں لیکن بھگوت سنگھ جی کی پتنی کی موجودگی میں وہ پاری سے کچھ پوچھ تاچھ نہ کر سکی۔

سرجو نے احتیاط سے ان ساڑیوں کو بلحاظ نوعیت اور خوشنمائی کے الگ الگ کیا۔ سیتا اور اس کے قریبی سسرال والوں کے لیے اس نے عمدہ ساڑیاں چن کر پاری کو دے دیں اور دوسری ساڑیاں دور کے رشتہ داروں کے لیے رکھ چھوڑیں۔ جب یہ سب ساڑیاں گٹھریوں میں باندھ دی گئیں تو مالکن اٹھ کھڑی ہوگئیں۔ شادی کے بقیہ جوڑے تو اس کے کمرہ میں رکھے ہوئے تھے۔ انھیں بھی تو علیحدہ علیحدہ کرنا تھا۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی سیتا کے شادی کے جوڑے پر روپیہ خرچ کرنے پر آمادہ تھی لیکن وہ اس پر زیادہ اصراف نہیں کرنا چاہتی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے ذہن میں جو خیال پرورش پا رہا ہے اس کا پاری کو علم ہو۔

گنگارام حسب عادت اپنے کام میں مشغول رہا لیکن اس کی نگاہوں میں اب وہ دھندلا پن باقی نہ رہا۔ اس کی آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے پڑے ہوئے تھے گویا کہ وہ کئی ہفتوں سے جاگ رہا ہو۔ جب وہ حویلی میں صفائی

اور جھاڑو لگانے کا کام ختم کر دیتا تو وہ گوکل کے ساتھ بیٹھ کر دم مارنے لگتا اور اسی دوران وہ اپنی مجبوریوں کا تذکرہ کرنے لگتا۔ کپڑے اور گہنوں کے اخراجات تو مالکن نے برداشت کیے۔ مہمانوں کو کھلانے پلانے کی ذمہ داری اس کی اپنی تھی۔ اس نے کھیالی سے چار سو روپے ادھار لیے تھے لیکن کچھ اور رقم درکار تھی۔ گوکل نے اس کو سرکار سے رجوع ہونے کی صلاح دی لیکن اس نے ہچکچاہٹ سی محسوس کی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی درخواست ٹھکرا تو نہیں دی جائے گی لیکن وہ حویلی سے مزید امداد حاصل کرنا نہیں چاہتی تھا۔ سرکار نے تو کافی اخراجات برداشت کیے تھے اور اس کے لیے وہ ان کا احسان مند نہیں تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ چاہتا تھا کہ سسرال والے یہ نہ محسوس کریں کہ اس نے ان کی اچھی طرح خاطر تواضع نہیں کی۔ وہ فی صد چار روپیہ سود پر قرضہ لینا چاہتا تھا لیکن وہ اپنی لاچاری کا اظہار سرکار سے نہیں کرنا چاہتا تھا۔

گیتا بھگوت سنگھ جی کی پتنی کے کمرہ میں تھی وہ دھاپو سے سیتا کے گہنے لے کر الماری میں رکھنا چاہتی تھی۔ " بنی جی مجھے تو اس طرح کے کنگن چاہئیں۔ بشرطیکہ وہ سونے کے ہوں۔ یاد رکھو وجے بائی سہ کے بیاہ پر میں تو خالص سونا لوں گی۔ دھاپو نے کہا اس کی آنکھیں خوشی سے مچل رہی تھیں۔

بائی، وجے کا بیاہ ہونے تک تم تو بوڑھی ہو چکی ہو گی۔ تمھارے دانت بھی باقی نہیں رہیں گے اور چہرہ پر جھریاں ہوں گی۔ سونے کے گہنے تو اس وقت پہننا تمھارے لیے ٹھیک تو نہ ہو گا۔ گیتا شرارتاً کہنے لگی۔ جھریاں پڑ جائیں یا نہ پڑیں میں تو سونے کے کنگن پہنوں گی بنی جی اس نے ابھی اپنی بات ختم نہ کی تھی کہ اس نے اپنے لبوں پر انگلی رکھتے ہوئے گیتا کو تنبیہ کی کہ مالکن آ رہی ہیں۔

بھگوت سنگھ جی کی پتنی سرجو کے ہمراہ اندر چلی آئی اور چٹائی پر بیٹھ گئی۔ جو دھاپو نے اس کے لیے بچھائی تھی۔ سرجو فوراً اپنے کام میں مشغول ہو گئی اس نے گھاگھرا کی گٹھری کھولی اور اس میں سے ایک سرخ رنگ کا کارچوبی گھاگھرا نکالا اور کہا " مالکن بیاہ کے وقت سیتا یہی گھاگھرا پہنے گی۔" مجھے ابھی وہ

دن ہے جس دن سیتا کا جنم ہوا تھا برسات کی راتوں میں جب جاگ اٹھتی ہوں تو میرے کانوں میں اس کی ماں کے وہ الفاظ تم نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے کہ تم مجھ سے اس طرح غفلت برت رہی ہو؟ سنائی دیتے ہیں۔ اگر یہ جانتی کہ وہ ایک بدقسمت عورت ہے اور وہ ماں کی ممتا سے محروم رہے گی تو میں اس کو کبھی نہیں ڈانٹتی لیکن مالکن میں نے لکشمی کے ساتھ جو سختی کی ہے اس کا مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا۔ اس بدنصیب عورت کو اپنی خود پسندی کے لیے کتنی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔

"بائی، اس نے جو اتنی بھاری سزا بھگتی ہے اس میں اس کا کوئی قصور نہیں۔ لیکن سرجو تم خود کو سزاوار مت سمجھو اپنی لڑکی کا بیاہ دیکھنا اس کی قسمت میں نہیں لکھا ہوگا نہ وہ آدھی رات کے وقت بھاگ کیوں کھڑی ہوئی؟ وہ جانتی تھی کہ میں کبھی اس کی ملامت تو کروں گی۔ مالکن نے اپنی بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کے ان الفاظ میں ندامت و ملال کا اظہار تھا۔

لکشمی کا ذکر آنے میں سبھی پر عالم مایوسی چھا گئی۔ کئی ہفتوں سے سبھی کو لکشمی کی یاد آنے لگی تھی لیکن کھلے عام اس کے بارے میں کچھ کہنے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ دھاپو تو کچھ خاص طور پر چوکنا رہی۔ وہ جانتی تھی کہ لکشمی اس شہر میں رہتی ہے اس لیے اس نے کبھی اس کے بارے میں کچھ کہنے سے احتراز کیا اور جب کبھی مالکن لکشمی کے بارے میں کچھ کہتی تو وہ بہانا بنا کر وہاں سے چل نکلتی زندگی میں یہ پہلا موقعہ تھا جب کہ اس نے یہ راز دوسروں سے چھپائے رکھا۔ اور ان سے قسم لینے کے بعد ہی انھیں یہ بات بتلائی۔ مالکن اور سرجو کی گفتگو سن کر دھاپو، گیتا کو پریشان کن نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

کمرہ میں خاموشی سی چھائی تھی کوئی کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا۔ بیاہ کے لیے گھاگھرا پسند کرنے کے بعد سرجو زیورات پر توجہ دینے لگی۔ پاری انگلیوں پر قریبی رشتہ داروں کی گنتی کرنے لگی۔ مالکن کی نظریں نوکرانیوں پر لگی تھیں جو مردانہ اور زنانہ کپڑے علیحدہ علیحدہ کر رہی تھیں۔

"مالکن مجھے جلدی سے بازار جانا ہے۔ آنگن سے کھیالی کی سنائی

دی ۔ اس کی سانس پھول رہی تھی اور لاچاری میں وہ اپنے ہاتھ نیچے لٹکائے ہوئے کہنے لگا۔" کپڑوں کے اس بیوپاری جس پر میں نے برسوں بھروسہ کیا تھا اس نے مجھے دھوکہ دیا ہے ۔ وہ اپنے ہاتھ میں سفید کپڑا تھامے ہوئے تھا اور مالکن کو دکھلاتے ہوئے کہا۔ ذرا یہ دستار تو دیکھو یہ دو روپوں کے قابل نہیں اور میں نے نو عمدہ کپڑا کی قیمت ادا کی تھی ۔ وہ سمجھتا ہوگا کہ مجھے اس کی پہچان نہیں ۔لیکن وہ مجھے نہیں جانتا میں تو اس سے سو گنا زیادہ چالاک ہوں ۔

کھیالی تمھارا کہنا ٹھیک ہے یہ ہم دولہا والوں کو نہیں دے سکتے مالکن نے اس دستار کو انگلی سے چھوتے ہوئے کہا۔ دوپہر کے وقت تم جاکر انھیں بدل دینا لیکن اس وقت نہیں ۔ آج تو بچّے جلد گھر واپس آجائیں گے بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے بیزارگی سے کہا۔ وہ ستون سے پیٹھ لگا کر آرام سے بیٹھ گئی لکشمی کی یاد نے اس کا سکون اور اشتیاق درہم برہم کردیا ۔ اس نے ساڑیوں کے گٹھروں کو ایک طرف کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی اور رسوئی گھر کے برآمدہ کی طرف چل پڑی اس کو یقین تھا کہ وہاں اس کے لیے کوئی کام نکل آئے گا ۔ اس نے برتنوں کی الماری کھولی اور کاغذی بسکٹوں بھرا ایک ٹین نکالا اور دیکھنے لگیں کہ کہیں ان میں سڑن تو نہ پیدا ہوگئی ہو ۔

گنگا اور چمپا دھلے ہوئے گیلے کپڑے آنگن میں لے آئیں ۔ اس نے گنگناتی ہوئی یہ ساڑیاں اور گھاگھرے خشک کرنے کے لیے ٹانک دیے ۔ بیاہ سے قبل دلہن کو نہلانے کے لیے دھاپو ہلدی کی ڈلیاں کوٹ کر سفوف تیار کر رہی تھی ۔ گیتا اپنی ساس کو رسوئی گھر میں چھوڑ کر دھاپو کے قریب آبیٹھی ۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی کی خاموشی سے وہ گھبرائی ہوئی تھی اس نے کبھی اس کو اس طرح چپ چاپ بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا تھا ۔

دوپہر کا وقت ہو چلا تھا کہ موٹر کی آواز سنائی دی ۔ مالکن کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ اس کی آواز میں پھر سے بل آگیا اور اس نے کھیالی سے حلوہ تیار کرنے کو کہا۔" بڑی بھابھی آج تو اسکول میں بڑا ہی مزا آیا ۔ یہ کہتے

ہوئے وجے نے آنگن میں قدم رکھا بڑی بھابھی ہم نے آج کوئی پڑھائی نہیں کی۔ دن بھر ہم اس ڈرامہ کی مشق کرتے رہے۔ جو اسکول کی کے ختم ہونے پر پیش کیا جائے گا۔ سیتا، وکرم کے پیچھے چلی آئی اور رسوئی گھر کے برآمدہ میں لاپروائی سے بیٹھ گئی۔

وجے نے سیتا کو جب دیکھا تو جوش وخروش سے کہہ اٹھی " بڑی بھابھی! سیتا کے سب دوست آئیں گے وہ اپنے ساتھ سیتا کے لیے تحفے لائے ہیں۔ یہاں تک کہ استانیاں بھی اس کو تحفے دیں گی۔ بڑی بھابھی انھیں تو صرف اس کا انتظار تھا۔ وجے نے اپنے چہرہ پر بکھرے ہوئے بال جھٹکا دے کر پیچھے کر لیے اور گویا کہ صبح اسکول میں اہم واقعہ ہوا تھا۔ وہ بتلانا بھول چکی ہو۔ وہ کہنے لگی " سیتا آپا نے تمھیں جو گھڑی دی تھی وہ کہاں ہے؟

" دیکھو تو میں تمھاری کتابیں اٹھالائی ہوں اس لیے وہ گھڑی کار ہی میں چھوڑ آئی۔ سیتا نے سے جواب دیا۔

" تو ابھی جاؤ اور لے آؤ تمھیں نہ سہی مجھے تو اس کو دیکھنے کا اشتیاق ہے۔ یاد ہے تم نے وعدہ کیا تھا کہ تمھیں جو تحفے ملیں گے ان میں سے جو چاہوں وہ لے سکتی ہوں۔ وجے نے کہا۔

سیتا اپنا سر ہلاتے ہوئے بے دلی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور آنگن کے باہر چلی گئی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ اپنے ہاتھوں میں گھڑی اٹھائے واپس چلی آئی۔ یہی تو ہے جو آپا نے مجھے دی تھی یہ کہتے ہوئے اس نے بندھی ہوئی گھڑی مالکن کے روبرو رکھ دی۔ سبھی اس کو حیرت زدگی سے دیکھ رہے تھے لیکن کسی کو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ میرا خیال ہے کہ اس میں کچھ لڈو ہوں گے مجھے تو بہت پسند ہیں۔ یہ کہتے ہوئے وجے یہ گھڑی کھولنے لگی۔

" کیا وہ بڑھیا وہاں آئی تھی؟ مالکن نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔" نہیں مالکن آپا نے بتلایا کہ وہ تین چار مرتبہ وہاں آئی تھی اور اس نے بڑھیا سے کہہ دیا تھا کہ میں اب اسکول نہیں آؤں گی کیوں کہ میرا بیاہ ہونے والا ہے۔ تین دن پیشتر وہ دوبارہ آئی تھی اور یہ گھڑی دے گئی۔ آج میں اسکول نہ جاتی تو یہ

گھڑی خود آیا یہاں آکر دے جاتی ۔ کتنا اچھا ہوتا اگر میں اس بڑھیا کو دیکھ پاتی۔ میں نے اس کے لیے خود اپنے ہاتھوں سے جو جالی دار بٹوا بنایا تھا اس کو دینا چاہتی تھی۔" سیتا نے افسردگی سے کہا۔

"کیا تم نے آیا سے پوچھا تھا کہ وہ بڑھیاں کہاں رہتی ہے؟ مالکن نے دھیمی آواز میں پوچھا" نہیں مالکن میں نے پوچھا تو نہیں۔ لیکن آیا بتلا رہی تھی کہ جب وہ آخری مرتبہ آئی تھی تو وہ بیٹھے رو رہی تھی۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے اس کو اس حالت میں نہیں دیکھا۔ یوں تو اسکول کی سب لڑکیاں اس کے بارے میں مجھے چھیڑتی رہتی ہیں۔ جب کبھی وہ وہاں دکھائی دیتی تو لڑکیاں اس کو جا گھیرتیں اس کو نقل کرتیں۔ اس کے چہرہ پر سے گھونگھٹ ہٹانے کی کوشش کرتیں اور وہ بڑھیا آگ بگولا ہو کر پاگلوں کی طرح اپنے ہاتھ اٹھائے ان کی طرف دوڑ پڑتی اس کی اس حرکت پر لڑکیاں خوفزدہ ہو جاتیں اور وہ اِدھر اُدھر بھاگنے لگتیں۔ وہ اس بڑھیا کو طرح طرح کے ناموں سے پکارتیں اور اس پر کئی چیزیں پھینکا کرتیں۔ مالکن یہ تو اچھا ہی ہوا کہ میں وہاں موجود نہ تھی۔ پتہ نہیں کہ وہ رو کیوں رہی تھی۔ اس کو لڑکیوں سے رتی بھر خوف نہ تھا۔

" دیکھو تو سیتا وجے نے اس گھڑی کو کھولتے ہوئے کہا۔ تمھارے لیے ایک اچھی سی ساڑی ہے۔ اس مرتبہ تو لڈو دکھائی نہیں پڑتے کتنا بُرا ہوا۔ اور وہاں دیکھو تو ایک لال گھاگھرا بھی ہے۔ یہ کہتے ہوئے وجے نے دمکتا ہوا ایک کارچوبی گھاگھرا اپنے ہاتھوں میں اٹھایا یکایک پاری نے گھٹنوں میں اپنا سر چھپالیا۔ سرجو نے منہ پھیر لیا اور بھگوت سنگھ جی کی پتنی ٹھنڈی آہ بھرنے لگی۔

سیتا انتہائی حیرت زدگی سے یہ منظر دیکھنے لگی وہ سمجھ نہ پاسکی کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ خوف اور گھبراہٹ نے اس کو گھیر رکھا تھا۔

گیتا نے وجے سے وہ کھلی ہوئی گٹھری لی اور دیکھنے لگی کہ کہیں اس میں کوئی اور چیز بھی تو نہیں۔ اس گٹھری میں چاندی کے دو چھلے لال کم سے کم بھری ایک چھوٹی سی ڈبیا اور ایک جوڑی چاندی کے پائل گیتا کے ہاتھ لگے۔ گیتا یہ سب چیزیں فرش پر رکھنے والی تھی کہ بھگوت سنگھ کی پتنی نے سیتا کی طرف دیکھا اور

مستحکم آواز میں کہا ” لڑکی، ادھر تو آ۔ میرے قریب بیٹھ اور سن یہ سب شادی کے سازوسامان ہیں جو تیری ماں نے بھیجے ہیں۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی کی آواز میں متانت تھی۔ اس نے اپنی آنکھیں موندلیں اور اس کے چہرہ پر دکھ اور درد کے آثار نمایاں تھے۔

” میری ماں ؟ وہ بڑھیا میری ماں ہے ؟ سیتا اس کو یقین نہ مان کر ہکلاتے ہوئے کہنے لگی۔

” ہاں، وہ عورت جو تمھیں لڈو دیا کرتی تھی وہی تمھاری ماں ہے بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے یہ کہتے ہوئے اپنی آنکھیں کھولیں اور سیتا کی طرف شفقت سے دیکھنے لگیں۔ جس دن تمھیں لڈو ملے تھے اس دن مجھے یہ بات جا ہیئے تھی۔ لیکن میں نے غور و فکر نہیں کیا۔ اور مجھے غلط فہمی ہو گئی تھی۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ لکشمی اودے پور میں نہیں رہتی ہے۔

سیتا مالکن کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی گویا کہ وہ کچھ سمجھ نہ پائی کہ مالکن کیا کہہ رہی ہیں یکایک اس نے اپنا سر بھگوت سنگھ جی کی پتنی کی گود میں رکھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی وہ میری ماں ہے ؟ وجے نے اس غریب نادار لڑکی سیتا پر اپنا ہاتھ رکھا اور کہنے لگی ” سیتا رومت۔ رونا چھوڑدو۔ سیتا دیکھو تم جو مانگوگی وہ میں تمھیں دوں گی۔ لیکن رومت۔

چھٹا باب

سیتا کو جیسے ہی یہ پتہ چلا کہ وہ بڑھیا اس کی ماں ہے تو وہ دکھی رہنے لگی تھی۔ پاری اور دھاپو کو اس کے بارے میں تشویش سی ہونے لگی اپنی ماں کی یاد بھلانے کے لیے انھوں نے اس کو سمجھانے، تسلی دینے اور چاپلوسی کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا لیکن سیتا حسب دستور حویلی کے کاموں میں لگی رہی اس کو سب سے زیادہ صدمہ تو اس وجہ سے تھا کہ وہ بڑھیا کو جالی دار بٹوا دے نہ پائی۔ اس کی نظروں میں محض وہ ایک عورت تھی جو اس کو لڈو دیا کرتی تھی۔ اس کو یقین نہ تھا وہ عورت اس کی ماں ہے وہ ماں کی ممتا سے محروم تھی لیکن محرومی کا اس کو احساس نہ تھا۔ اس کی زندگی تو اطمینان بخش رہی اور اس کو کسی ایسے واقعہ سے دوچار نہ ہونا پڑا جس نے اس کے ذہنی سکون میں اضطراب پیدا کر دیا ہو۔ پاری، دھاپو، گنگا اور جمپا بھی اس کے ساتھی تھے۔ انہی لوگوں نے تو اسے پیار دیا تھا اور انہی سے وہ پیار اور محبت کی توقع رکھتی تھی۔

آج سیتا کے بیاہ کا دن تھا۔

نوکروں کی قیام گاہ میں ڈھول بج رہے تھے اور عورتیں گا رہی تھیں۔ نوکروں کے بچے حویلی کے آنگن میں اِدھر اُدھر گھوم پھر رہے تھے۔ مانجی نندو اور کانتا مالکن سے باتیں کر رہی تھیں۔ کچھ رشتہ دار بیاہ کا جوڑا دیکھنے میں مشغول تھے۔ گیتا سیتا کی استانیوں سے باتیں کرنے لگیں۔ صبح ہی سے حویلی کی عورتیں یہاں آئی ہوئی تھیں۔ یہ بیاہ تو ایک نوکرانی کی لڑکی کا تھا لیکن اس کے باوجود گھرانے کے

سب لوگ موجود تھے۔ جیون نواس کی نوکرانیاں دو دن سے رنگ رلیاں منا رہی تھیں
آنگن میں بڑی چہل پہل رہی لیکن بیاہ کی یہ چھوٹی موٹی رسمیں دیکھتے ہوئے مالکن
اداس رہنے لگیں۔ اس کو لکشمی کی یاد آنے لگی کیوں کہ اب اس کو یقین ہو چلا تھا
کہ وہ اسی شہر میں کہیں رہتی ہے۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی چپ چاپ روتی رہی
اور پاری سے اپنے آنسو پوشیدہ رکھتی۔ وہ جانتی تھی کہ بیاہ کے اس موقعہ پر
آنسو بہانا اچھا شگون نہیں ہے اور جب اس نے دیکھا کہ سیتا تھوڑی دیر
رونے دھونے کے بعد پھر سے ہشاش بشاش ہے تو اس کو تسلی ہوئی۔

اس نے یہ ارادہ کیا کہ جونہی یہ بیاہ کی تقریبات ختم ہو جائیں تو وہ خود جا کر
لکشمی کو واپس لے آئیں گی۔ اس تصور سے اس کو سکون حاصل ہوا لیکن اس نے
اپنے خیال کا اظہار کسی سے نہ کیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ بیاہ کے دن کسی قسم کا
ہنگامہ برپا ہو۔

اشنان کے بعد سیتا مالکن کے کمرہ میں مطمئن بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ
رنگ حنا سے سرخ تھے۔ مالکن نے حکم دے رکھا تھا کہ سیتا کو وہی ساڑی اور
گھاگھرا پہنایا جائے۔ جو لکشمی نے بھیجا تھا حالاں کہ وہ اتنے عمدہ تو نہ تھے جتنے
کہ حویلی میں اس کے لیے تیار کیے گئے تھے۔ بیاہ کی شبھ گھڑی قریب تھی وجے
نے سیتا کو بیاہ کا جوڑا پہنایا۔ اس نے سیتا کی کلائیوں میں کنگن باندھے ہاتھوں
میں چوڑیاں پہنائیں اور پیروں میں پائل ڈال دیں۔

سیتا جب تیار ہو چکی تو سرجو نے اس کا چہرہ گھونگھٹ سے ڈھانک دیا۔
سیتا اپنا سر جھکائے دھیرے دھیرے مالکن کی طرف آگے بڑھی جہاں کہ وہ
بیٹھی تھی۔ ماجی اور نندو نے اس ننھی سی دلہن کو دیکھا اور چپکے سے اپنے آنسو
پونچھ ڈالے۔ سیتا جب ان کے پیر چھونے لگی تو ان دونوں نے پانچ روپیہ کا
نوٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیا اور اس کو آشیرواد دیا۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی
اپنے جذبات کو چھپانے کے لیے کھانسنے لگی۔ اب اس میں کچھ کہنے کی سکت
نہ تھی۔ اس نے دلہن کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا۔ اس کا یہ فعل اس کے قول سے
کہیں زیادہ موثر تھا۔

وجے یہ سب کچھ حیرت زدگی سے دیکھ رہی تھی۔ سیتا اب بالکل بدل چکی تھی۔ اب وہ وہی سیتا کو نہ رہی جو ایک ہفتہ قبل دکرم کو کار میں بٹھا کر آنگن کے اطراف خوشی خوشی گھمارہی تھی اور نوکرانیاں خوف کے بارے کہ کہیں ان خوش فصلیوں میں اس کے پیر کو چوٹ نہ لگے اس کے راستہ سے ہٹ جایا کرتی تھیں۔ نوکروں کی قیام گاہ رنگین روشنیوں سے جگمگا رہی تھی اور شام کا سایہ ڈھلتے ڈھلتے یہ روشنیاں زیادہ تیز ہوگئیں۔ جوتشیوں نے بیاہ کی شبھ گھڑی تو سورج کے ڈھلنے کے کچھ دیر بعد بتائی تھی۔ نوکروں کی قیام گاہ کے روبرو والے آنگن میں نشان لگائے گئے کیلے کے چار پودے لگوا کر ان کے سہارے منڈپ بنوایا گیا تھا تاکہ اس کے نیچے پوجا کے لیے آگ روشن کی جاسکے۔ یہ منڈپ پھولوں، غباروں اور کاغذی جھنڈیوں سے آراستہ تھا۔ پنڈت وہاں پر کچھ پہلے ہی آچکے تھے تاکہ انھیں اطمینان ہوجائے کہ بیاہ کا سب سامان تیار ہوچکا ہے۔

دولہا کے آنے کا وقت ہوچلا تھا۔ دھاپو شوخ گلابی رنگ کی ساڑی اور گھاگھرا زیب تن کیے ہوئے تھی۔ اس نے سبھی زیورات پہن رکھے تھے۔ جب وہ چاندی کی تھالی جس میں چھوٹا سا دیا، ناریل، چاندی کے پانچ روپے۔ سرخ کم کم گڑ کی ڈلی اور چند لوبانی بتیاں تھیں۔ ہاتھوں میں لیے چلی آئی تو اس کے پائل کی جھنکار سنائی دینے لگی۔ دور سے بینڈ بجنے کی دھیمی آواز سنائی دی۔ عورتیں جان گئیں کہ دولہا بارات لیے آرہا ہے۔ بچے آنگن سے باہر نکل کر برآمدہ میں جمع ہوگئے۔

گنگارام کے سرسبز اور سرخ چوڑی دھاری دستار بندی تھی۔ وہ سفید کرتا اور پائجامہ پہنے ہوئے گوکل کھیالی اور دھاپو کے پتی کے ہمراہ مہمانوں کا خیرمقدم کرنے کے لیے پھاٹک پر کھڑا تھا اور جیسے ہی یہ بینڈ کی آواز تیز ہونے لگی تو دھاپو نے گھی کا چراغ جلایا اور لوبانی بتیاں روشن کردیں۔ اس نے اپنا چہرہ گھونگھٹ میں چھپالیا۔ گائیکی سب مل جل کر نغمہ الاپنے لگے۔ ان کے گیت میں ایک لڑکی کی اپنی ماں سے بچھڑنے اپنا گھر چھوڑنے کا دکھ اور ماں کے ایثار کی جھلک تھی۔ سب عورتیں کھڑی ہوگئیں کسی نے کچھ نہ کہا۔ اس نغمہ

ہیں. جو یادیں پنہاں تھیں وہ انھیں بے زبان بنادیں - گاتی ہوئی عورتوں کی ایک ٹولی آنگن کے دروازے تک جا پہنچی . حویلی کی کچھ اور نوکرانیوں کے ہمراہ گنگا اور چمپا دلہن اور دھاپو کا گھیرا لگاتے ہوئے بیٹھ گئیں - جیسے ہی بینڈ کی آواز قریب سنائی دینے لگی تو وہ دلہن کو ساتھ لیے برآمدہ میں چلی آئیں تاکہ وہ دولہا کے قریب بیٹھ سکے - سیتا جو سر جھکائے ہوئے تھی دھاپو نے اس کو شفقت سے راہ دکھائی - سیتا دھیمے دھیمے چلنے لگی اس کو کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا گوٹا کناری سے جڑی ساڑی میں وہ کچھ دیکھ نہ پا رہی تھی - وہ پرسکون تھی اور اس کے دماغ میں کوئی بات سمائی نہیں ہوئی تھی - اس نے چپ چاپ وہی کیا جو اس کو کہا گیا تھا -

گنگا اور چمپا سیتا کے دونوں بازو تھامے ہوئے کھڑی تھیں - عورتیں غمگین نغمہ الاپ رہی تھیں - وہ بھگوان سے سیتا کے لیے دعائیں مانگ رہی تھیں اور اس کو ہر بلا سے محفوظ رکھنے کے لیے دیوی دیوتاؤں سے یہ کہتے ہوئے منت سماجت کر رہی تھیں کہ سیتا اپنا گھر چھوڑ کر ایک نئے گھرانہ میں قدم رکھ رہی تھی - وہ دیوی سے گڑگڑا کر کہہ رہی تھیں کہ وہ سیتا کو حوصلہ اور دانائی بخشے تاکہ وہ اپنے پتی اور سسرال والوں کی خدمت کرنے میں ثابت قدم رہے -

دولہا جس عروسی گھوڑا پر سوار تھا اس کی زین میں چاندی جڑی تھی - بارات حویلی کے پھاٹک کے روبرو رک گئی - اس عروسی گھوڑے کے پیروں کے قریب پٹاخوں کی آتش بازی ہونے لگی اور وہ بے حس و حرکت کھڑا رہا - وہ جانتا تھا کہ اس کو کوئی چوٹ نہیں لگے گی - کئی دولہے تو اس کی پیٹھ پر سواری کر چکے تھے - وہ محض بیزارگی میں ہنہنانے لگا - بینڈ والے گاتے بجاتے ہوئے آگے قدم بڑھا رہے تھے اور اس مزین عروسی گھوڑے کو دیکھ کر بچے خوشی سے اچھل پڑے اور دولہا پر پھول اور نقل مٹھائی کی ٹکیاں پھینکنے لگے دولہا گھوڑے کو یوں ہی تھامے ہوئے تھا اور بچے اپنی ایڑیوں کے بل اس کو دیکھنے کی کوشش میں لگے تھے - ان بچوں کو راستہ سے ہٹا کر گنگا رام آگے بڑھا اور شیو رام کے پتا، اس کے بھائی اور ان کے رشتہ داروں سے بغل گیر ہوا.

گوکل اور کھیالی نے اہتمام سے بڑے بزرگوں کا خیر مقدم کیا اور انھیں آنگن میں لے آئی۔ خیر مقدمی رسومات انجام پانے پر دولہا کو گھوڑے سے اتارا گیا۔ شیورام کا چہرہ تو صاف طور پر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ زرد دستار کے چاروں طرف چاندی کی لڑیاں اور پھولوں کے ہار بندھے ہوئے تھے۔ وہ ایک پھیکے گلابی رنگ کا اچکن جو اس پر ٹھیک نہ لگتا تھا پہنے ہوئے اپنے پتا اور چاچا کے ہمراہ برآمدہ کی طرف چل پڑا۔ وہاں دھاپو اور سیتا پہلی رسم ادا کرنے کے لیے کھڑی ہوئی تھیں۔ اس کا قد میانہ تھا اور چلنے کا انداز نرالا اور جب وہ دھاپو اور سیتا کے روبرو کھڑا ہوا تھا تو ان پھولوں کی لڑیوں سے اس نوجوان کی متلاشی آنکھیں دکھائی دینے لگیں۔

گھی کے روشن چراغ سے دھاپو نے دولہا کے سر کے تین پھیرے لگائے تو عورتیں گانے میں مصروف تھیں۔ اس کے دولہا کے قدموں میں پھول رکھے۔ ماتھے پر سرخ کم کم کی بندیا لگائی اور اس کو چاندی کے پانچ روپیے دیئے۔ دھاپو نے جب دولہا کی خوش اقبالی اور کامرانی کی تمام کارگزاریاں انجام دے چکی تو پیچھے ہٹ کر پھولوں کی مالا شیورام کے گلے میں پہنانے لگی تو اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ دولہا پر جب نذر و نیاز چڑھائے جا رہے تھے تو بھگوت سنگھ جی اپنے لڑکے کے ہمراہ باہر نکل آئے اور شیورام کے پتا اور ان کے رشتہ داروں سے تھوڑی دیر بات کرتے رہے۔ گاؤں والوں کے لیے ان کا یہ برتاؤ بڑا حوصلہ کن رہا اور انھیں یہ فخر تھا کہ حویلی والے اس بیاہ سے خوش ہیں۔ شیورام کے سب رشتہ دار مطمئن نظر آ رہے تھے اور انھیں یقین ہو چلا کہ شیورام کے پتا نے جو انتخام کیا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔ ایک دوسرے کو پھولوں کے ہار پہنانے کی رسم جب ختم ہوئی تو دھاپو اور اس کے پتی سیتا کو ہون گنڈ لے گئے۔ پنڈتوں نے وید کے شلوک پڑھنا شروع کر دیا۔ سیتا شیورام کی بائیں جانب بیٹھ گئی اور اس کے بازو میں لکڑی کی چوکی پر دھاپو اور اس کا پتی براجمان ہو گئے۔ ان دونوں نے عارضی طور پر سیتا کے ماتا پتا کے فرائض انجام دیئے۔ گنگا رام اکیلے ہی اپنی لڑکی کو وداع نہیں کر سکتا تھا۔

بیاہ کی سب رسمیں شروع ہوگئیں، لوبانی خوشبو سے فضا معطر تھی۔ پنڈتوں کی آواز تو بلند ہوئی لیکن بچّوں کے شوروغل اور بڑوں کی بک بک کی صدائیں بھی کچھ کم نہ تھیں۔ مقدس آگ روشن کی گئی اور پنڈت تین ہزار سال قدیم منتر پڑھتے ہوئے اس پر گھی ڈالنے لگے۔ اوپر کی منزل سے بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے پنڈت کو جب سیتا کا ہاتھ شیورام کے ہاتھ میں ملاتے ہوئے دیکھا تو اس کے رخسار پر آنسو چھلکنے لگے۔ پاری حویلی کی عورتوں کے ساتھ بالائی منزل پر ٹھہری ہوئی تھی جو نوکروں کے قیام گاہ کے اوپری علاقہ پر واقع تھی۔ جس جگہ دو نوجوانوں کے بندھن کے لیے پوجا پاٹ کی جارہی ہو وہاں ایک بیوہ کی موجودگی غیرمناسب تھی۔ ان کے سوکھے ہوئے گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے اور انھیں خشک کرنے کی اس میں سکت نہ تھی۔

بھگوت سنگھ جی کی پتنی کے کاندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے ماجی نے کہا۔
"رومت بائی سہ اس دن کے لیے تو سبھی مائیں منتیں مانگتی ہیں۔ سیتا کے لیے تم اس سے بڑھ کر اور کیا کرسکتی تھیں۔ تم نے اس کو پالا پوسا اور اب اس کا ہاتھ اس کے پتی کے ہاتھ میں دے دیا۔ تم نے ماں کی سب ذمہ داریاں ادا کردیں۔ باقی سب کچھ تو بھگوان کے ہاتھ ہے۔ سیتا جب شیورام کے ساتھ اگنی کے پھیرے لگارہی تھی تو گیتا کو کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ یہ ساتواں اور آخری پھیرا تھا اور اب اس کے بعد وہ پتی پتنی کہلائے جائیں گے۔ وجے اپنی ماں کو جکڑے ہوئے آنسو بہارہی تھی اس کو پتہ نہ تھا کہ وہ کیوں رورہی ہے لیکن لگتا تھا کہ اس کے جذبات دل کی گہرائیوں سے نکل کر آنسوؤں کی شکل میں اس کی آنکھوں میں اتر آئے ہیں۔

ساتواں باب

سیتا کے بیاہ کی دوسری صبح مالکن پو پھٹنے سے پہلے ہی بیدار ہوگئی ۔ وہ اپنے پتی کے کمرہ سے باہر نکل کر چپکے سے اپنے کمرہ میں آگئی ۔ آنگن میں خاموشی سی چھائی تھی ۔ برآمدہ میں لوٹ پڑی نوکرانیوں کے خراٹوں کی آواز آرہی تھی ۔ مالکن کو جب کبھی نیند نہیں آتی تھی تو وہ کسی نوکرانی کو جگادیا کرتی لیکن آج ایسے کیے بغیر ہی وہ اپنے کمرہ میں چلی گئی ۔ رات کی تاریکی سورج کی روشنی میں تبدیل ہو رہی تھی کہ مرغوں کی بانگ اور پرندوں کے چہچہانے کی آواز سنائی دینے لگی ۔ نوکرانیاں آنکھیں ملتے ہوئے بیدار ہوگئیں اور اپنا بستر لپیٹ کر ایک طرف رکھ چھوڑا ۔ سورج کی کرن ابھی نہ پھوٹی تھی کہ وہ ہاتھ منہ دھونے کے لیے اپنی قیام گاہ پر گئیں اور دن بھر کے کام کے لیے تیار ہونے لگیں ۔

گنگا آنگن میں سب سے پہلے چلی آئی ۔ مالکن کے جاگنے سے پہلے اس کو اس کے اشنان کی سب تیاریاں کرنی تھیں وہ رسوئی گھر میں داخل ہوئی ، اس نے دہی کی کٹوری اٹھائی اس میں چنے کا آٹا ملایا اور مالش کے لیے الماری سے کافور کے تیل کی بوتل نکالی ۔ وہ مالکن کے کمرہ کی طرف چل پڑی تاکہ اس کو چٹائی پر لٹا کر اس کی مالش کی جا سکے ۔ جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا ۔ اس نے حیرت سے دیکھا کہ مالکن کھڑکی کے قریب کھڑی نیچے آنگن کی طرف دیکھ رہی تھی ۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی کی مسکراہٹ سے گنگا کو یقین ہو چلا کہ اس نے یہاں آنے میں دیر تو نہیں کی البتہ مالکن نے مقررہ وقت سے پہلے ہی وہاں

موجود تھیں۔ گنگا نے پہلے تو بدن پر تیل کی مالش کی اور بعد میں چنے کی لیہہ سے اس کو صاف کر دیا۔

بھگوت سنگھ جی کی بیتی اشنان کے بعد رسوئی گھر چلی آئی۔ اس نے کھیالی کی طرف دیکھا جو زور زور سے دہی کو مکھن بنانے میں مصروف تھا۔ سویرے کی سرگرمیاں شروع ہوگئیں۔ بچوں کے لیے دھاپو دودھ گرم کرنے لگی اور سرکار کے لیے چائے بنانے کے لیے وہ دوسرے چولھے پر پانی ابالنے لگی۔ صبح کی چہل پہل تو یوں ہی برقرار رہی لیکن نوکرانیوں میں پہلی سی زندہ دلی نہیں تھی کسی چھوٹی بڑی تقریب کے بعد آنگن میں سنسانی چھائی رہتی۔ نوکرانیاں اور بچے اس طرح گھوم پھر رہے تھے گویا وہ تھکے ماندے ہیں اور انھیں تھوڑا آرام چاہیے اس کے علاوہ وہ دلگیر بھی تھے۔ سیتا دو دن کے لیے اپنے پتی کے گاؤں گئی تھی۔ وہاں پر اس کو اپنے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرنا ضروری تھا اور حویلی کو واپس لوٹنے سے قبل اپنی ساس کو عقیدت پیش کرنی تھی۔ نوکرانیاں اس کی غیر موجودگی محسوس کرنے لگیں۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب کہ انھوں نے اس کو رسوئی گھر میں روٹی اور چٹنی کے لیے گھومتے پھرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

حویلی میں گنگا رام ہی ایک واحد فرد تھا جو بے فکر تھا۔ مالکن نے اس کو کچھ آرام کرنے کے لیے کہا تھا لیکن وہ حسب معمول اپنے کاموں میں مصروف رہا اور اب اس کے چہرے پر گھبراہٹ باقی نہ رہی۔ رات بھر تو وہ جاگتا رہا لیکن اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور اس کے پیروں میں پھر سے نئی طاقت ابھر آئی۔ اور اب وہ گمگا نہیں رہے تھے۔ اس نے بھاری سود پر جو قرضہ لے رکھا تھا اس پر وہ کسی قدر بے چین نہ تھا۔ خوشی اس بات کی تھی کہ دولہا والے مہمان نوازی سے مطمئن تھے۔ اور وہ مسرور تھا کہ اس نے گوکل یا کھیالی کی بات نہ مان کر دولہا والوں کو ایک کی بجائے دو دو مٹھائیاں کھلائیں۔ اس کو فخر تھا کہ اس نے خاطر تواضع پر کافی روپیہ صرف کیا تھا۔ اس پر گاؤں والے بہت ہی متاثر ہوئے کہ ان کی برادری میں کسی نے اتنی فراخدلی سے ان کی مہمان نوازی نہیں کی تھی۔ اس نے اپنی اوقات سے بڑھ کر خرچ کیا تھا لیکن اس کے باوجود

وہ خوش تھا۔ گاؤں والوں نے اس میزبانی کو سب سے بڑا اعزاز سمجھا۔ گنگارام کو پتہ چلا کہ ان گاؤں والوں کو نفیس دھوتیاں اور دستار دی گئیں اور اس پر وہ لوگ بے حد مسرور تھے۔ شیورام کے پتا نے سیتا کو اس لیے پسند کیا کیوں کہ وہ اسکول میں پڑھائی کرتی ہے۔ وہ سیدھی سادی شادی پر رضامند تھے۔ وہ جانتے تھے کہ گنگارام غریب آدمی ہے اور اس پر قرضہ کا بوجھ ہے۔ برادری کے لوگ تو اس بیاہ کے حق میں نہ تھے کیوں کہ جہیز کے بارے میں کسی نے ذکر ہی نہیں کیا تھا لیکن جب انھوں نے سیتا کے ہاتھوں میں سونے کی چوڑیاں، کانوں میں جھمکے اور انگلی میں انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا تو وہ سمجھنے لگے کہ یہ سب بیاہ کے لیے کسی سے ادھار لیے ہوں گے۔ لیکن جب سیتا یہ سب گہنے پہنے ہوئے حویلی سے گاؤں چلی آئی تو انھیں اطمینان ہوا۔ شیورام کے پتا تو صرف چاندی کے گہنوں کی توقع رکھتے تھے۔ سونے کے گہنوں کی توقعات ان کی دانست سے باہر تھیں۔

گنگارام کے ذہن میں کچھ دن پہلے کے واقعات سمائے ہوئے تھے اور وہ مگن تھا۔ وہ لکڑیوں کا ایک بھاری گٹھرا اٹھائے رسوئی گھر میں داخل ہوا اور برآمدے میں بہت ہی زور و شور سے اس کو رکھ چھوڑا۔ اس دھماکہ کی آواز سن کر مالکن چونک پڑی۔ وہ اپنے خیالات میں اس طرح ڈوبی ہوئی تھی کہ اس نے یہ نہیں دیکھا کہ نوکروں کے چائے کی پیالی میں کھیالی نے دو کے بجائے تین چمچے چینی ڈال دی تھی۔

"کھیالی جی۔ اب تو بتاؤ کہ لکشمی کہاں ہے؟

اس نے کوئی جواب نہ دیا گویا کہ اس نے کچھ سنا ہی نہیں وہ چائے بنانے میں مصروف رہا اور تھوڑی دیر بعد دھیرے سے کہنے لگا۔" کنورانی سا۔ وہ تو اس درزی کے مکان میں رہتی ہے۔ جو قدیم ریلوے اسٹیشن کے قریب شہر کے دوسرے کنارے کی ایک گلی میں واقع ہے۔

" تمھیں کب پتہ چلا کہ وہ وہی عورت ہے جو اسکول جایا کرتی ہے۔

تین ہفتے قبل میں سیتا کی چاندی کی پائل بدلنے کے لیے بازار گیا تھا۔ وہاں

میری ملاقات پان والے ہری سے ہوئی۔ تمھیں یاد ہے۔ مالکن کہ جب وہ حویلی سے بھاگ نکلی تو اس نے اس پان والے کے گھر میں ایک کمرہ کرایہ پر لیا تھا۔ وہ ایک بدمعاش ہے لیکن شہر کے حالات سے وہ بخوبی واقف ہے۔ اس نے مجھے بتلایا کہ اس نے اکثر اوقات لکشمی کو مندر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کو یقین نہ آیا کہ لکشمی یکایک پارسا کیسے بن بیٹھی۔ وہ اس کے حرکات و سکنات پر اپنی نگاہیں جمائے رکھا۔ مالکن جب اس نے لکشمی کو لڈو اور پوریاں خریدتے ہوئے دیکھا تو اس کو شبہ ہونے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ لکشمی کے پاس اتنے پیسے تو نہیں ہیں کہ وہ قیمتی لڈو خرید کر سکے تو وہ سمجھ بیٹھا کہ ضرور یہ کسی خاص دوست کے لیے ہوں گے۔ کھیالی گہری سانس لیتے ہوئے کہنے لگا۔" مالکن ہری نے ایک دن لکشمی کا پیچھا کیا اور دیکھا کہ وہ سیتا کے اسکول جارہی ہے۔ اس بدکار کے دماغ میں فوراً یہ بات سماگئی کہ اسکول کا پہرہ دار جو اس کا دوست ہے وہ اس سے ملنے جایا کرتی ہوگی۔

مالکن ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے رنجیدگی سے کھیالی کی طرف دیکھنے لگی لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔ کھیالی نے کونے سے لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر چولھے میں جھونک دیا۔ شعلے لپکنے سے قبل لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز سنائی دی۔ بھگوت سنگھ جی کی بیٹی اس جلتی ہوئی آگ کو دیکھتے ہوئے کھیالی سے پوچھا " تم نے مجھے کیوں نہ بتلایا۔ مجھے یقین ہے کہ حویلی واپس چلی آنے کے لیے لکشمی نے اسکول پر ہمارا انتظار کیا ہوگا۔ بدنصیب عورت !

" مالکن میں نے جان بوجھ کر ہی تم پر یہ ظاہر نہ کیا۔ اور یہاں تک کہ دھابو نے اپنی زبان نہ کھولی۔ مالکن یہ ڈر لگ رہا تھا کہ تم لکشمی کو واپس لے آنے کی کوشش کرنے لگوگی اور اس سے بڑی رسوائی ہونے کا خطرہ تھا اور دوبارہ ہر کوئی اس کے بارے میں جاننے کی جستجو میں لگا رہتا۔ طرح طرح کے سوالات اٹھائے جاتے۔ اتنے برس وہ کیا کرتی رہی ؟ اس نے کس طرح زندگی بسر کی ؟ اور کس کے ساتھ رہی ؟ شیو رام کے لوگوں کو البتہ اس بات کا علم تھا کہ لکشمی حویلی سے غائب ہوچکی ہے لیکن جب انھیں یہ پتہ چلتا کہ اس اودے پور شہر

ہیں وہ کبھی پان والے اور کبھی کوئی درزی کے مکان میں ٹھہری ہوئی تھی تو وہ کیا سمجھ بیٹھتے کنورانی سہ اب میں تمھیں بتلائے دیتی ہوں کہ اس آخری گھڑی تک جب کہ دولہا اور دولہن منڈپ میں داخل ہو چکے تھے مجھے اس بات کا خوف لگا رہا کہ کچھ شادیاں تو اس وقت بھی رکوا دی جاتی ہیں جب کہ دولہا اور دولہن اگنی کا پہلا پھرا دے چکے ہوں۔ مالکن مجھے یقین ہے کہ شیورام کے پتا کو اگر پتہ چل جاتا کہ لکشمی اسی شہر میں رہتی ہے تو یہ رشتہ ضرور ٹوٹ جاتا۔ وہ اپنی برادری کو اپنا منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔

مالکن نے رضامندی میں اپنا سر ہلایا۔ اس کے دل کی گہرائیوں میں اس نے سکون محسوس کیا۔ کھیالی نے آخر کار مالکن کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی کہ لکشمی کے حویلی میں نہ آنے میں ہی سیتا کی خوشی مضمر ہے۔

پاری پڑوسیوں کے ہمراہ برآمدہ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ سورج کی روشنی سہانی لگ رہی تھی حالاں کہ گرم ہوائیں چلنے لگیں تھیں۔ یہی وہ دن تھے جب کہ سال بھر کا اناج خریدا جاتا۔ پاک وصاف کرنے کے بعد گودام میں رکھا جاتا تھا۔ گیہوں اور جوار کو چھاننے کا کام تو دوپہر میں ہی کیا جاتا تھا لیکن آج صبح ہی سے پاری اناج کے تھیلے کھولنے لگی تھی۔ اس نے عورتوں کو چھاننے اور پچھوڑنے کی ٹوکریاں دے دیں۔ یہ عورتیں گود لیے بھوسہ الگ کرتے ہوئے باتوں میں لگی تھیں۔ مالکن ان کے قریب آ بیٹھیں۔ ایک طویل مدت کے بعد اس کو چین نصیب ہوا۔ وہ بے خیالی سے ان عورتوں کی گپ شپ سن رہی تھی۔ ان عورتوں نے مالکن کو بتلایا کہ اس بیاہ سے شیورام کے لوگ بے حد خوش ہیں۔ وہ حویلی کے گن گاتے اپنے گاؤں چلے گئے۔ جن لوگوں نے پہلے پہل اس رشتہ کی مخالفت کی تھی وہ اس بیاہ کی تقریبات دیکھ کر خاموش ہو گئے لیکن بھگونت سنگھ جی کی پتنی کو سیتا کے بیاہ کی تقریبات میں دلچسپی باقی نہیں رہی۔ اس کی نگاہیں تو دولت سنگھ جی کی حویلی پر لگی تھیں۔ نندو نے اس کو بتلایا تھا کہ ویر سنگھ کے لیے راجستھان کے کئی علاقوں سے رشتے آنے لگے ہیں۔ اور لڑکیوں کے ماں باپ بھاری جہیز دینے پر آمادہ

ہیں۔ یہاں تک کہ جے پور کے ایک ممتاز گھرانے کے لوگ اپنے ہمراہ لڑکی لے آئے تھے۔

نندو نے سنا تھا کہ اس گوری اور حسین لڑکی کا قد اونچا ہے اور اس کی بڑی بڑی سی آنکھیں بادامی شکل کی ہیں۔ نندو نے یہ بھی سن رکھا تھا کہ دولت سنگھ جی کی پتنی نے اس لڑکی کو پسند کر لیا ہے اور اس کی جنم کنڈلی کی جانچ کی جا رہی ہے یہاں تک کہ مانجی جس کی پوری بات پر بھگوت سنگھ جی کی پتنی کو پورا بھروسہ تھا اس نے کہا کہ دولت سنگھ جی کے خاندان والے اس رشتہ کی منظوری کے لیے طویل انتظار نہیں کریں گے۔ ویسے تو وہ لوگ اس بات پر خفا تھے کہ بھگوت سنگھ جی نے فوری طور پر ویر سنگھ کے رشتہ کی منظوری نہیں دی۔ مانجی جس کی نظروں میں دھن دولت ہی سب کچھ نہ تھا اس نے کہا کہ تمام حویلیوں میں ویر سنگھ ہی وجے کے لیے سب سے زیادہ موزوں لڑکا ہے وہ انتہائی چالاک ہے اور اس کے ساتھ ساتھ شرمیلا بھی۔ مانجی نے بھگوت سنگھ جی کی پتنی کو سمجھایا کہ وجے کی کم سنی کی وجہ سے اس رشتہ میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ سچ بات تو یہ تھی کہ تمام رشتہ داروں کو حیرت ہوئی کہ ابھی تک منگنی کی تاریخ کا اعلان کیوں نہیں کیا گیا۔ اس تاخیر کی وجہ ان کی دانست سے باہر تھی۔ کوئی دوسری حویلی تو اس طرح کا خطرہ مول لینے کی جرأت نہیں کرے گی۔

بھگوت سنگھ جی کی پتنی جانتی تھی کہ نندو اور مانجی کا کہنا بالکل ٹھیک ہے۔ وہ نہیں بتلانا چاہتی تھی کہ وہ ساس ہونے کے ناتے اپنا حکم نہیں چلا سکتی۔ وہ رشتہ داروں سے یہ بات چھپائے رکھنا چاہتی تھی کہ گیتا ان لوگوں کی بہو جیسی تو نہیں جو فرماں بردار ہیں اور بڑوں کے فیصلہ کو اٹل مانتی ہیں۔ اس کے وقار نے اس کو یہ اقرار کرنے سے منع کر دیا کہ وہ ساس کہ بھگوت سنگھ جی نے اس کو ہدایت کی تھی وہ گیتا سے وجے کے رشتہ کا تذکرہ نہ کرے اور وہ اس بارے میں خود اس سے بات کریں گے لیکن تین ہفتے بیت چکے تھے اور بھگوت سنگھ نے گیتا سے اس سلسلہ میں بات نہیں کی وہ جانتی تھی کہ دولت سنگھ جیسا باوقار گھرانہ اس رشتہ کی منظوری کے لیے زیادہ دیر تک انتظار تو نہیں کرے گا لیکن

اس نے اپنی تشویش کا کسی پر اظہار نہ کیا۔
بھگوت سنگھ جی کی پتنی اپنے خیالات میں اتنی گم صُم رہی کہ اس کو پتہ نہ چلا کہ گیتا اس کے پیر چھونے کے بعد اس کے قریب آ بیٹھی۔ دھاپو ان عورتوں میں جا بیٹھی جو اناج صاف کرنے میں لگی ہوئی تھیں وہ خوشی سے پھولی نہیں سمائی تھی۔ سیتا کے بیاہ پر مالکن نے اس کو سونے کے جھمکے دیئے تھے وہ جانتی تھی کہ بیاہ کے دوران لکشمی کی غیر موجودگی میں اس نے جو فرائض انجام دیئے تھے اس پر اس کو خاصا انعام ملے گا لیکن اس کو یہ گمان نہ تھا کہ مالکن اس کو سونے کے جھمکوں کے ساتھ ساتھ ایک نئی ساڑی اور گھاگھرا بھی دے گی۔
کھیالی کی نگاہیں ان عورتوں پر لگی تھیں جو باتیں کر رہی تھیں لیکن وہ ان کی محبت میں بیٹھ نہیں سکتا تھا کیوں کہ اس کو گوندھے ہوئے آٹے کی روٹیاں جو پکانی تھیں وہ مدد کے لیے دھاپو کو آواز دینے والا تھا کہ گوکل دوڑتے ہوئے آنگن میں آیا اور گھبرائے ہوئے کہا " کھیالی دولت سنگھ جی اور ان کے بھائی آئے ہوئے ہیں۔ ان کے لیے ناشتہ تیار کرو مجھے اس طرح نہ دیکھو۔ جلدی کرو دولت سنگھ جی خود یہاں آئے ہوئے ہیں۔
جیسے ہی بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے دولت سنگھ جی کا نام سنا وہ کھڑی ہو گئی۔ نوکرنیوں نے تھالیاں نیچے رکھ چھوڑیں اور گیتا جلدی سے رسوئی گھر چلی آئی۔
بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے خاص شربت کی ایک بوتل نکالی۔ کھیالی نے آگ پر تیل چھڑکا۔ پاری نے الماری سے حلوہ اور خاص خاص نمکیں چیز نکالیں۔ جو صرف بھگوت سنگھ جی اور ان کے لڑکے کے لیے مخصوص تھیں۔ عورتیں چپ چاپ اپنے اپنے کاموں میں لگی رہیں۔ اس ہنگامہ میں دھاپو رسوئی گھر سے کھسک گئی۔ گیتا اس کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ کیا گل کھلائے گی۔ گوکل اور گنگا رام جب رسوئی گھر سے تھالیاں لیے باہر نکل چکے تو کھیالی گھٹنوں پر ہاتھ باندھے نیچے بیٹھ گیا اور مالکن سے کہنے لگا کہ شہر کے بڑے بڑے بیوپاری دولت سنگھ جی کی کوٹھی پر جانے لگے ہیں اور وہ بنارس کی نفیس ریشمی ساڑیاں اور کمخواب اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ سنار لوگ منیم کو رشوت دے رہے ہیں کہ زیورات تیار

کرنے کی ذمہ داری انھیں سونپی جائے۔ تمام حلوائی اپنی اپنی عمدہ مٹھائیاں اور نمکین چیزیں بطور نمونہ حویلی بھجوانے لگے ہیں۔ شہر میں اس رشتہ کا چرچا ہونے لگا ہے جس سے اودے پور کی دو بڑی حویلیوں کا ملاپ ہوگا۔

مالکن نے کھیالی کی تمام باتیں تو نہیں سنیں۔ وہ دل ہی دل میں مراد مانگنے لگی کہ ان بیوپاریوں کے ارمان پورے نہ ہوں اور یہی اس کی دلی تمنا تھی۔

دھاپو دبے پاؤں آنگن میں داخل ہوئی اور دھیمی آواز میں کہنے لگی۔ کنورانی سہ جنم کنڈلی ٹھیک نکلیں۔ میں نے دولت سنگھ جی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ وجے بائی سہ کا جنم ستاروں کے ایک انوکھے جھرمٹ کے وقت ہوا تھا۔ وہ اپنا گھاگھرا ابھی بھی تھامے ہوئے تھی تاکہ اس کی سرسراہٹ ان لوگوں کو سنائی دے جو نصف کھلے دروازہ کے پیچھے باتیں کر رہے تھے۔

آٹھواں باب

دوپہر ڈھل چکی تھی۔ حسب عادت مالکن برآمدہ میں ملاقاتیوں اور رشتہ داروں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ گیہوں اور جوار کو گودام میں رکھوانا تھا۔ عورتوں نے غلّہ پچھوڑ دیا تھا۔ سیتا جو گاؤں سے واپس چلی آئی تھی اس پر سب کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں۔ آنگن میں جب اس نے قدم رکھا تو اس میں نئی نویلی دلہن کے شرمیلاپن کا پرتو نہ تھا۔ اس کے چہرہ پر گھونگھٹ نہ تھا، اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ اِدھر اُدھر ایسے گھوم پھر رہی تھی جیسے کہ اس کے حالات میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی ہو۔ سیتا کو دیکھ کر وجے کی خوشی کی انتہا نہیں رہی عورتیں اس کو اپنے قریب بٹھاکر گاؤں میں اس کی خیر مقدمی کے بارے میں پوچھنے لگے۔ کیا گاؤں کا مکان اینٹ کا بنا ہوا ہے اور جب اس نے اپنی ساس اور دادی ساس کے پیر چھوئے تو انھوں نے اس کو کیا تحفہ دیا لیکن سیتا تو اس کبوتری کی مانند تھی جو ابھی پنجرے سے رہا ہو کر آنگن میں پھدک رہی ہو۔ دھاپو اور پاری اس سے طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے۔ گنگا اس کو تنگ کرنے لگی اور چمپا نے اس کو بتلایا کہ اب اس کا بیاہ ہو چکا ہے اور وہ چولی اور گھاگھرا پہنے ہوئے اچھل کود نہیں کر سکتی۔ لیکن سیتا نے ایک نہ مانی۔ اس نے وہی کیا جو اس کے من میں آیا۔ مالکن نے جب اس گاؤں والے مکان کے بارے میں پوچھا تو وہ کھلکھلاتی ہوئی بھاگ نکلی۔ گاؤں میں اس نے جو دو دن گزارے تھے اس کے بارے میں اس نے کسی کو کچھ نہ بتایا۔

برآمدہ میں عورتوں کی گپ بازی اپنے عروج پر تھی اور ہمیشہ کی طرح ان کی یہ بکواس رسیلی تھی۔ ان کے بچے برآمدہ میں پیار سے لیٹے رہے اور ننھے منے بالک جن کے نازک رخساروں پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں آرام سے سو رہے تھے اور کچھ بڑے بڑے پچھواڑے میں وکرم کے ساتھ پتنگ بازی میں لگے تھے۔ ان کا شور وغل برآمدہ میں سنائی دے رہا تھا۔ مالکن کے چہرہ پر مسرت کے آثار تھے۔ ان بچوں کی وجہ سے برآمدہ میں جو گندگی پھیلی ہوئی تھی اور انھوں نے جو ہنگامہ مچا رکھا تھا اس کو مالکن نے نظر انداز کر دیا۔ وہ ان کی محبت کی دلدادہ تھی۔

اس خوشگوار ماحول میں بھی ہر کسی کو مالک کا خیال رہا۔ شام ہونے چلی تھی۔ کہ گنگا اٹھ کھڑی ہوئی اور رسوئی گھر کی طرف چل پڑی اور بھگوت سنگھ جی کی چائے کے لیے پانی ابالنے لگی۔ کھیالی برآمدہ میں خراٹے لگائے ہوئے سویا پڑا تھا۔ گنگا نے اس کو نہیں جگایا۔ سب نوکرانیاں جانتی تھیں کہ کھیالی نے بہت ہی محنت کی ہے اور اس کو آرام کرنا چاہیئے۔

گیتا نیچے رسوئی گھر میں چلی آئی تاکہ اس کے سسر جی کو وقت مقررہ پر چائے بھجوا دی جائے۔ تھالی میں چائے تیار رکھی ہوئی تھی لیکن گوکل جب رسوئی گھر آیا تو وہ تھالی لے جانے کی بجائے گھبرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا ”مالکن کنورسہ کو آج چائے نہیں چاہیئے۔ ان کا مزاج کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ ان کے پیٹ میں درد ہونے لگا ہے۔ وہ کچھ زیادہ کہے بغیر وہاں سے چل نکلا۔

مالکن فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ گیتا اس کے ہمراہ آنگن کے باہر چلی آئی۔ پاری نے اپنی کمر سے چابیاں نکالیں اور دواؤں کی الماری کھولنے کے لیے اندر چلی گئی۔ عورتیں اپنے سوتے ہوئے بچوں کو لے کر وہاں سے چلی گئیں۔ پاری نے وہ جڑی بوٹیاں اور سفوف نکالیں جو پیٹ کے درد کو دور کرنے میں مفید ہوتی ہیں۔ کھیالی ان جڑی بوٹیوں کو پیسنے اور ان ننھے پودوں کو ابالنے لگا۔

بھگوت سنگھ جی کھاٹ پر لیٹے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں اور ان کا چہرہ زرد تھا۔ ایک خادم ان کے ایک پیر پر تیل مل رہا تھا اور گوکل

دوسرے پیر کی مالش کر رہا تھا۔ جیسے ہی مالکن اندر چلی آئی تو نوکر کھڑے ہو گئے اور گوکل کھانسنے لگا۔ بھگوت سنگھ جی اٹھ بیٹھے اور جیسے ہی گیتا نے ان کے پیر چھوئے تو وہ مسکرانے لگے۔ بھگوت سنگھ جی کی پتنی اپنے پتی کی طرف بے چینی سے دیکھنے لگی اور گوکل سے آہستگی سے کہا کہ پاری کو جلدی سے وہاں بھیج دے۔

حویلی کے مالک کچھ دیر تو خاموش رہے وہ گیتا کے ڈھکے ہوئے چہرہ کو شفقت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ اور گویا کہ انھیں بات کرنے میں تکلیف محسوس ہو رہی ہو۔ دھیمی آواز میں کہنے لگے "بنی جی مجھے تم سے کچھ کہنا ہے اور کچھ کہنے سے قبل میں نے کافی سوچ بچار کیا ہے۔ یہ کہتے ہوئے وہ تھوڑی دیر رک گئے۔ گہری سانس لی اور کہنے لگے "تمھیں شاید یہ پتہ ہوگا کہ دولت سنگھ جی اور ان کے بھائی کل یہاں آئے تھے اور انھوں نے اپنے لڑکے کے لیے وجے کا ہاتھ مانگا تھا۔ دونوں جنم کنڈلیوں کا میل ٹھیک نکلا۔ ہماری لڑکی کا جنم تو بلند اقبال ستاروں کے زیر سایہ ہوا تھا لیکن میں نے تم سے بات کرنے سے قبل اس بارے میں جیوتشیوں کی رائے جاننا ضروری نہیں سمجھا۔ بنی جی گزشتہ چند ہفتوں سے میں ایک عجیب سی الجھن میں مبتلا ہوں۔ میں نے ہر زاویہ سے اس رشتہ کے بارے میں سوچا ہے اور مجھے کامل یقین تو نہیں ہے کہ وجے جیسی کم سن لڑکی کا رشتہ ابھی سے طے کر دیا جائے لیکن لڑکی کا بیاہ تو کرنا ہے۔ آج نہیں تو کل یہ کہتے ہوئے انھوں نے اپنی آنکھیں موند لیں گویا کہ کچھ اور کہنے سے قبل وہ کچھ سوچنا چاہتے ہوں۔ گیتا نے دیکھا کہ جس چہرہ پر ہمیشہ سکون اور متانت رہتی تھی وہ آج پریشان سا لگ رہا تھا۔ وہ انھیں یقین دلانا چاہتی تھی کہ انھیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے فیصلے پر وہ پورا یقین رکھتی ہے اور وہ بہت جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ اس دردِ شکم کو دور کرنے کے لیے وہ کیا کچھ کر سکتی ہے لیکن اس کی یہ بات من ہی من میں رہ گئی۔

"میں نے اور تمھاری ساس نے وجے کے اس رشتہ کے بارے میں گھنٹوں بات کی۔ وجے تو ہمارے گھر کی لکشمی ہے وہ ہمارے لیے انمول ہے۔ لیکن

ایک تو اس کو یہ گھر چھوڑنا ہے۔ کسی کی آئندہ زندگی کے بارے میں کوئی کچھ تو بتا نہیں سکتا۔ ہم ماں باپ تو اپنی اولاد کے لیے ایک اچھا گھرانہ تلاش کرتے ہیں۔ مجھے تو ویر سنگھ پسند ہے۔ لگتا ہے وہ ایک اچھی سیرت کا مالک ہے۔ وہ ایک خلیق لڑکا ہے۔ دولت اور ثروت نے اس میں بھیجا خود پسندی پیدا نہیں کی ہے۔" بی جی تمھیں پتہ ہے کہ حویلیوں میں بچّوں کی کس طرح ناز برداری اٹھائی جاتی ہے۔ اس لاڈ پیار کی وجہ سے میں نے کئی بچّوں کو برباد ہوتے ہوئے دیکھا ہے لیکن ویر سنگھ پر تو یہ برا سایہ نہیں پڑا۔ بھگوت سنگھ کی آواز یکایک بلند ہوئی اور وہ سخت گیر لہجہ میں کہنے لگے " میں نے دولت سنگھ جی سے کہہ دیا ہے کہ حالات کچھ بھی ہوں وجے کا اسکول جانا برقرار رہے گا۔ میں بچپن کی شادیوں کا مخالف ہوں لڑکیوں کو تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے۔ انھیں جاہل اور گنوار نہیں رہنا چاہیئے۔ ان کی یہ گفتگو گویا کہ بارگراں ہو وہ کھاٹ پر لیٹ گئے اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

مالکن کو دہشت سی لگی اور وہ ان کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ گیتا گھبراہٹ میں یوں ہی کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنا گھونگھٹ ہٹایا اور دیکھا کہ ان کے چہرہ کا پیلا پن اور گہرا ہو گیا ہے اور وہ سانس لینے میں تکلیف محسوس کرنے لگے ہیں۔ پارّی اپنے ہاتھوں میں ایک پیالی لیے ہوئے بھاگی بھاگی کمرہ میں چلی آئی۔ اس نے مالک اور مالکن کو دیکھا اور اس کے چہرہ کا رنگ فق ہو گیا۔ بھگوت سنگھ جی نے جب آنکھیں کھولیں تو اس نے انھیں وہ جڑی بوٹیوں والی چائے کی پیالی دی۔

" فکر مت کرو پارّی۔ میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ پیٹ میں تھوڑا سا درد ہے، اور جب کہ میں نے تمھاری دوائی پی ہے تو یہ درد کم ہو جائے گا۔ یہ کہتے ہوئے بھگوت سنگھ جی مسکرانے لگے اور وہ پیالی گوکل کو واپس دی۔ انھوں نے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور دھیمی آواز میں کہا۔" میں کچھ دیر آرام کرتا ہوں۔ جیسے کہ حویلی کے مالک کھاٹ پر لیٹ گئے اور آنکھیں بند کر لیں۔ عورتیں اس کمرہ سے باہر نکل پڑیں۔ مالکن وہاں سے سیدھے پوجا گھر گئیں اور اپنے ہاتھ جوڑتے ہوئے دیوی کے روبرو قسم کھائی کہ جب تک ان کے پتی ٹھیک

نہ ہوجائیں وہ منہ میں دانہ نہیں ڈالے گی۔ وہ مورتی کے رو برو بیٹھی ہوئی پوجا پاٹ کرنے لگی۔

آنگن کی فضا یکایک بدل گئی۔ رسوئی گھر میں آگ نہ جلی۔ کھیالی اپنے گھٹنوں میں سر چھپائے بیٹھا ہوا تھا۔ دھاپو جڑی بوٹیاں صاف کرنے لگی اور گنگا نے انھیں بھگونے کے لیے پانی میں رکھ چھوڑا۔ گیتا نے تلسی کے پودے کے روبرو مٹی کا دیا روشن کیا۔

نواں باب

بھگوت سنگھ جی کو دردِ شکم میں مبتلا ہوئے دو دن ہو چکے تھے ۔ جڑی بوٹیوں کی چائے پودوں کا عرق اور تیل کی تیز مالش سے ان کی حالت میں کوئی سدھار نہیں ہوا۔ گھریلو علاج کے یہ نسخے کئی پشتوں سے چلے آرہے تھے اور ماضی میں بہت کارآمد ثابت ہوا کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ مندر کے پروہت نے ان کے لیے موتی اور کیسر سے تیار کی ہوئی دوائی بھجوائی تھی لیکن اس مرتبہ وہ بھی کارگر ثابت نہ ہوئی ۔ مالکن نے آخر لاچار ہو کر ڈاکٹر کو بلوانے کا فیصلہ کر لیا ۔

اجے سنگھ کو جب علامتِ مرض کا پتہ چلا تو اس کو یقین نہ آیا۔ یہ دل کا دورہ تو نہیں ہو سکتا ڈاکٹر۔ اس نے اپنی دھیمی آواز میں کہا۔ انھوں نے سینہ میں درد ہونے کی شکایت کبھی نہیں کی تھی ۔

ڈاکٹر نے اس کو غمگین نگاہوں سے دیکھا اور اداسی سے اپنا سر ہلایا ۔

ڈاکٹر کے حویلی سے چلے جانے کے فوراً بعد بھگوت سنگھ جی کی علالت کی خبر پھیل گئی ۔ مزاج پرسی کے لیے ملاقاتی آنے لگے ۔ نندو اور مانجی حویلی میں کچھ مدت قیام کرنے کے لیے چلے آئے ۔ کانتا تو پہلے ہی حویلی آچکی تھی ۔ آنگن میں کافی چہل پہل رہی ۔ بھگوت سنگھ جی کی مزاج پرسی کے لیے عورتیں دن بھر آتی رہیں ۔ گیتا ان سے ملاقات کرتی رہیں ۔ اور دکھ بھری آواز میں ان سب سوالات کا جواب دیا کرتیں ۔ ان عورتوں سے ملنے اور بات چیت کرنے کی مالکن میں اب سکت نہ تھی ۔ اس کی بے چینی کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی مقام پر زیادہ دیر ٹھہری نہیں ۔ وہ چاہتی تھی

کہ اس کے پتی کے کمرہ سے تمام مرد لوگ چلے جائیں تاکہ وہ اپنے پتی کے قریب رہ سکے۔ اجے سنگھ کے چہرہ پر اب وہ شگفتگی اور بے فکری باقی نہ رہی۔ اس نے مردانہ ملاقاتیوں سے اپنی گفتگو جاری رکھی۔ لیکن ان کی تسلی سے اس کو سکون نہ ملا۔ وہ اپنے پتا کے قریب رہنا چاہتا تھا۔ لیکن جو ملاقاتی حویلی آرہے تھے، ان کے ساتھ غیر شائستہ برتاؤ تو نہیں کرسکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ گھرانے کے بڑے بوڑھے لوگ اس کو تسلی دینے کے ساتھ ساتھ اس کے احساسات کا اندازہ لگا رہے تھے۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ وہ اپنے پتا کی قدر ومنزلت کا کہاں تک مستحق ہوگا۔

حویلی کا آنگن اپنی رونق کھو چکا تھا۔ یہاں پر نہ تو اب نوکروں کے قہقہوں کی گونج تھی اور نہ ان کے نغموں کا آلاپ۔

دیوان خانہ میں گیتا بیٹھی ہوئی عورتوں کی گپ شپ سن رہی تھی۔ لیکن اس کے ذہن میں بھگوت سنگھ جی کے وہ الفاظ گونج رہے تھے جو انھوں نے دولت سنگھ جی کے گھرانہ کے بارے میں اس سے کہے تھے۔ مجھے ویر سنگھ پسند ہے۔ وہ ایک اچھی سیرت کا لڑکا ہے اور اس کا چال چلن بھی ٹھیک ہے۔ لڑکی کا بیاہ کسی دن تو کرنا ہی ہے گیتا کو ان کی اس دانائی کا پتہ چلا لیکن پھر بھی وہ بے چین سی رہی، لیکن ابھی بھی اس کے خیالات ڈگمگا رہے تھے۔ ویر سنگھ جیسے بانکے اور خوب رو نوجوان کو وہ بھلا نہ سکی۔ اس نے سوچا کہ جیسے وہ خوب صورت ہے۔ ویسے ہی خوب سیرت بھی ہوگا۔ لیکن وہ دل ہی دل میں سوچنے لگی کہ اپنے پتی کی طرح ویر سنگھ بھی اپنے ماتا پتا کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرے گا۔ ویر سنگھ کے ماتا پتا تو بہت جلد اس کا بیاہ کر دینا چاہیں گے اور وہ اس بارے میں ویر سنگھ کی صلاح نہیں لیں گے۔ وہ کم سن ہے اور وہ ان کی بات مان جائے گا۔ نہیں میں تو وجے کی اس کم سنی میں بیاہ نہیں ہونے دوں گی۔ وقت اب بدل چکا ہے۔ ابھی تو اس کو تعلیم حاصل کرنا ہے۔ لیکن اس کے ان خیالات میں ثابت قدمی تو نہ تھی اور اس کا فیصلہ اٹل تو نہیں تھا۔ وہ ایک عجیب سی الجھن کا شکار تھی۔ اس کو اپنے بیاہ کا خیال آنے لگا۔ اس کے ماتا پتا نے اس کے لیے ایک مناسب لڑکے کا انتخاب کیا تھا۔

اور وہ خوشگوار زندگی گزار رہی ہے۔ اس نے تو اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ گیتا کی یہ خوش نصیبی تھی کہ اس کے ذہنی طلاطم کا کسی کو صحیح اندازہ نہ لگ سکا۔

دوپہر ہونے کو تھی۔ ملاقاتی ایک ایک کر کے چلے گئے۔ نندو، ماںجی اور کانتا مالکن کے ہمراہ دیوان خانے میں لیٹی ہوئی تھی۔ وہ دن بھر ملاقاتیوں کے ہمراہ بیٹھی ہوئی تھک چکی تھی۔ تھوڑی دیر میں آرام کرنے کے لیے گیتا اپنے کمرے میں چلی گئی۔ آنگن میں خاموشی چھائی تھی۔ نوکروں کے بچے یہاں پر کھیل کود کرتے دکھائی نہیں دیئے۔ وجے بھگوت سنگھ جی کے کمرے کے باہر بیٹھی ہوئی سیتا سے جالی کا کام سیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے پتا کے جاگنے کا انتظار کر رہی تھی تاکہ وہ ان کے قریب جاکر بیٹھ سکے۔ اب اس کو پڑھنے لکھنے یا سیتا کے ساتھ بھاگ دوڑ کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ وکرم اپنے پتا کے ہمراہ رہنے لگا۔ گویا کہ اس کو اکیلے چھوڑنے پر اس کو خوف سا لگا ہو۔

پاربتی دوسرے نوکروں کے ہمراہ برآمدہ میں بیٹھی دھیمی آواز میں باتیں کر رہی تھی۔ کسی ملاقاتی کے آنے کا امکان نہیں تھا۔ وہ زیادہ تر دوپہر ڈھلنے پر ہی آیا کرتے تھے۔ دھابو کے کان کھڑے ہوگئے۔ اس نے سوچا کہ کوئی باہر کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے اور دوبارہ جب اسے کھٹکھٹانے کی آواز سنائی دی تو وہ جلدی سے اٹھی اور دروازہ کھولنے کے لیے چل پڑی۔ عورتوں کو بیدار کرنے کے لیے گنگا اندر چلی گئی۔ چمپا آنگن پار کر کے گیتا کو خبر دینے کے لیے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

دولت سنگھ جی کی پتنی اور ان کے دوسرے رشتہ دار آہستہ سے آنگن میں داخل ہوئے۔ دھابو ان خواتین کو دیوان خانے لے گئی۔ تھوڑی دیر بعد نندو اور ماں جی بھگوت سنگھ جی کی پتنی کے ہمراہ وہاں چلی آئی اور روایتی طور پر ان سے ملاقات کی۔ گیتا دھیرے دھیرے کمرے میں چلی آئی اور دولت سنگھ جی کی پتنی کے پیر چھونے کے بعد اپنی ساس کے قریب بیٹھ گئی۔

مجھے یقین نہیں آتا کہ کنور سہ پر دل کا دورہ پڑا ہے۔ دولت سنگھ جی کی پتنی نے اپنے گہرے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ لیکن مالکن آپ پریشان مت ہوں

وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ اور پورے پور کے سبھی لوگ ان کی صحت یابی کے لیے دعا مانگ رہے ہیں۔ وہ غریبوں کے ان داتا ہیں اور حویلی کے لوگوں کے لیے ایک مثالی شخصیت ہیں۔ مالکن آپ اپنے دکھ میں اکیلی نہیں ہیں، ہم بھی آپ کے اس غم میں شریک ہیں۔

بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے اپنی پریشان کن نگاہوں سے ان کی اس ہمدردی کا اعتراف کیا۔ جو باتیں وہ سابق میں بہ آسانی کہہ سکتی تھیں وہ اب کہہ نہ سکی۔ دولت سنگھ جی کی پتنی نے اپنا منہ پھیرتے ہوئے گیتا کی طرف دیکھا۔ اس نے کان اور نتھ میں، ہیروں کی چمک تھی اور اس نے شفقت بھری آواز میں کہا۔" بنی جی، اپنی ساس کا خیال رکھو، وہ تو پہلے ہی کمزور ہیں اور اب انھوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔" بنی جی اس طرح اداس تو نہ رہو۔ تمھارے سسر جی بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے اور حویلی میں پھر سے بہار آجائے گی۔ یہ کہتے ہوئے دولت سنگھ جی کی پتنی اور اس کے ساتھ آئی ہوئی عورتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ گیتا، مانجی اور نندو انھیں دروازہ تک چھوڑ آئیں۔

" بنی جی چلو کھلی چھت پر چلیں وہاں تمھیں تازہ ہوا کا سرور ملے گا۔ یہ کہتے ہوئے مانجی نے آہستگی سے گیتا کے کندھوں پر ہاتھ رکھا اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ یہ دونوں چھت پر کھڑی چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ کھلی فضا سے وہ تازہ دم ہو گئیں۔ یہاں پر ہوا نہ تو گرم تھی اور نہ سرد۔ آنگن میں گائے گھانس چبا رہی تھی۔ ان کے بچھڑے سہمے ہوئے انھیں کے قریب بیٹھے ہوئے تھے، آوارہ کتے اپنا پیٹ بھرنے کے لیے کوڑا کچرا سونگھ رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ تین ننھے اور ننگے بچے نیم کے پیڑ تلے مٹی میں کھیل رہے ہیں۔ ایک عورت جھونپڑی سے باہر نکل آئی۔ اس کی ہڈیاں نکل آئی تھیں۔ اس کی ساڑی اور گھاگھرا دونوں جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے۔ وہ جلدی جلدی ان بچوں کی طرف آئی جہاں وہ مٹی میں کھیل رہے تھے۔ اس نے دونوں کا ہاتھ پکڑ لیا اور انھیں گھسیٹ کر لے گئی۔ تیسرا بچہ اٹھ کھڑا ہو گیا اور ان کے پیچھے پیچھے

بھاگنے لگا۔

ماںجی اور گیتا تھوڑی دیر تک اوپر سے یہ منظر دیکھتے رہے۔ حویلی کے باہر کا یہ نظارہ دیکھ کر انھیں مسرت ہوئی۔ ماںجی اپنی ململ کی ساڑی سمیٹتے ہوئے گیتا کا گھونگھٹ سے ڈھکا چہرہ تکنے لگی۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں ہمدردی جھلک رہی تھی وہ کہنے لگی" بی جی میں تمھیں پریشان تو نہیں کرنا چاہتی ہوں لیکن تمھیں حقیقت سے منہ نہ پھیرنا چاہیے۔ تمھارے سسر جی پر دل کا شدید دورہ پڑا ہے، ہم تو ان کی صحت یابی کے لیے دعا کر رہے ہیں، لیکن ذرا یہ تو سوچو کہ اگر وہ اپنی پوتی کی رسم منگنی دیکھ لیں تو وہ کتنے خوش ہوں گے۔

" بواسہ جب کہ وہ اتنے علیل ہیں تو کیا کوئی رسم منگنی کے بارے میں سوچ بھی سکتا ہے۔ گیتا نے حیرت زدگی سے ماںجی کو جواب دیا۔

" بی جی بوجوں کہ وہ سخت بیمار ہیں اسی وجہ سے میں کہہ رہی ہوں کہ تم ان سے جا کر کہہ دو کہ تمھیں وجے اور ویر سنگھ کا رشتہ منظور ہے۔ پائل کی جھنکار نے گیتا کے خیالات منتشر کر دیئے۔ گنگا چھت پر چلی آئی اور کہنے لگی کہ کچھ اور مہمان آئے ہوئے ہیں۔ ماں جی اور گیتا چھت سے نیچے چل پڑیں۔

بھگوت سنگھ جی کی پتنی ابھی ابھی حویلی کے مردانہ علاقہ سے واپس چلی آئی تھی۔ اس کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔ اس کے چہرہ پر تھکاوٹ کے آثار نمایاں تھے۔ جب اس نے گیتا کو دیکھا تو کہنے لگی۔" بی جی زیادہ کشٹ تو نہ اٹھاؤ۔

" مہمان تو آتے ہی رہیں گے۔ ماںجی اور نندو اس کا خیال رکھیں گی، تمھیں ان کے ساتھ اپنا سارا وقت گزارنے کی ضرورت نہیں۔ ہاتھ بٹانے کے لیے میری نند بھی یہاں آئی ہوئی ہے۔ تم اوپر جا کر آرام کرو۔ تمھیں اس طرح دیر تک کام کرنے کی عادت جو نہیں ہے ورنہ تم بیمار پڑ جاؤگی۔

دسواں باب

بھگوت سنگھ جی اپنے پلنگ پر تکیوں کے سہارے لیٹے ہوئے تھے۔ ان کا چہرہ ڈوبا ہوا تھا اور اس پر وحشت برس رہی تھی۔ ریشمی لحاف پر وہ بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے۔ گوکل ان کے پلنگ کے قریب کان لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ جس دن مالک علیل ہوئے تھے اسی دن سے وہ انھیں کے کمرہ میں سونے لگا تھا۔ کسی قسم کی دھمکی اور نصیحت اس کو اس فرض سے نہ روک سکی۔ وہ صرف بھوجن کے لیے کمرہ سے باہر نکلا کرتا تھا۔ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کی بصارت کم ہونے لگی اور اس کے پیروں کی طاقت گھٹتی گئی۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے مالک جس کی اس نے پچاس برسوں سے زائد عرصہ تک خدمت گزاری کی ان پر اپنی نگرانی بحال رکھی۔ وہ بھگوت سنگھ جی پر پنکھا جھلتا رہا اور رات میں کئی بار بیدار ہوکر دیکھا کہ کہیں مالک ٹھیک طور سے لحاف اوڑھے ہوئے ہیں۔ گوکل یہ جانتا تھا کہ اپنے پتا کی دیکھ بھال کے لیے اجے سنگھ ہر وقت تو موجود رہتے ہیں اور دوسرے نوکر جو اس سے کم عمر اور زیادہ پھرتیلے ہیں۔ اس خدمت گزاری کے لیے زیادہ موزوں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنی خدمت گزاری میں جٹا رہا۔ کئی ڈاکٹر آئے اور چلے گئے۔ وہ نئی نئی دوائیں لکھ دیتے اور یہ اصرار کرتے کہ بھگوت سنگھ جی کو مکمل طور پر آرام کرنا چاہیئے۔ اجے سنگھ ڈاکٹروں کے مشوروں پر انتہائی توجہ سے عمل کرتے۔ ماںجی، نندو اور کانتا بھگوت سنگھ جی کے بخار سے

تپتے ہوئے بدن کو اداسی سے دیکھنے لگیں۔ گیتا اور اس کی ساس گھونگھٹ میں اپنا منہ چھپائے وہیں بیٹھی رہیں۔ وہ دوسروں کے روبرو اپنے جذبات کا اظہار نہ کرنا چاہتی تھی۔ حالاں کہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی تھے۔

ماںجی بائی سہ تم اپنے گھر کیوں نہیں چلی جاتیں۔ میں اتنا بیمار تو نہیں ہوں کہ تم اور نندو بائی سہ اپنا گھر چھوڑ کر یہاں ٹھہری رہو۔ میرے ٹھیک ہونے میں تو وقت لگے گا۔ لیکن فکر کرنے کی کوئی بات نہیں۔ بھگوت سنگھ جی نے اپنی دھیمی آواز میں کہا۔ انھیں اپنی صحت کے بارے میں جو خدشات تھے وہ اس کو چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔

ماںجی اور نندو جب باتوں میں لگی تھیں تو گیتا پر غموں کا سایہ پڑا ہوا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کی عمر کے مزید دس سال ڈھل چکے ہوں۔ اس کے ذہن میں یہ بات سمائی کہ وہ اب اس گھر کی بہو نہیں رہی بلکہ مالکن بن چکی ہے۔ جب اس نے اپنے سسر جی کا کمزور اور زردی مائل چہرہ دیکھا تو اس کے بدن میں بجلی سی کوند گئی۔ وہ دل ہی دل میں کہنے لگی کہ وہ اب ٹھیک نہیں ہوں گے۔ اس گھرانے کا ہر ایک فرد بغیر کسی علالت اور شکایت بے بسی سے گزر چکا تھا۔ اس نے اپنے پتی کو اپنے پتا کے قریب بیٹھے دیکھا۔ اس کے چہرہ کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔ گیتا کو محسوس ہوا کہ وہ اب ڈھل چکا ہے۔ اپنے پتا کے علیل ہو جانے پر اجے سنگھ نے سب کچھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اپنے پتا کی ساری ذمہ داریاں اس پر آپڑیں۔ اب وہ پہلے جیسے باپوسہ تو نہ رہے جن کی نازبرداریاں سبھی اٹھایا کرتے تھے۔ لیکن ان سے اس طرح کی رواداری کی تمنا کبھی نہیں رکھتے تھے۔ اس کی ساس اب اپنے لڑکے اجے سنگھ سے صلاح کیے بغیر کوئی کام نہ کرتی تھی۔ گیتا کو وہ دن یاد تھے جب کہ بھگوت سنگھ جی صحت مند تھے اور اس کی ساس اس سے کہا کرتی تھی۔ "اس کو پریشان مت کرو۔ اس کو اپنا کام کرنے دو۔ اب اس کو کسی دوسری حویلی جانے کی ضرورت نہیں۔ یہ کام تو اس کے پتا انجام دے چکے ہیں۔ اجے سنگھ اپنے پتا کے سایہ تلے پروان چڑھتا رہا اور اس کے پتا اودے پور کے رسم و رواج کو برقرار رکھتے ہوئے اجے سنگھ کو اپنے ذوق و شوق سے محروم نہ رکھا۔

گیتا اپنی چلمن سے اپنے پتی کو دیکھنے لگی۔ وہ تو گھرانہ کے رسم و رواج سے ناواقف تھا وہ اپنی ذمہ داری کیوں کر سنبھالے گا۔ حویلیوں کے بارے میں اس کی معلومات محدود تھیں۔ اس نے ایک آزاد ماحول میں پرورش پائی تھی۔ وہ تو اس کی مددگار نہیں بن سکتی۔ وہ تو تفصیلات کی بھول بھلیوں میں الجھے بغیر اپنی ساس کی ہدایات پر عمل کر رہی تھی کون اس کی مدد کرے گا؟ رشتہ دار تو ابھی سے ہر نکتہ چینی کریں گے۔ وہ لوگ تو اس کی لاپرواہی کا الزام اس کے سر دھریں گے کیوں کہ وہ اس کو ایک اجنبی سمجھتے ہیں جو اودے پور کے رسم و رواج سے بالکل ناواقف ہے۔ وہ تو کہیں گے کہ کسی قابلِ قدر اور تجربہ کار فرد کے نہ ہونے پر اس قدیم گھرانے کی تمام روایات خاک میں مل جائیں گی۔ انھیں خیالات کی وجہ سے وہ خفا ہو گئی اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس کی رگوں میں خون کی رفتار تیز ہو گئی لیکن اس کا دل دوبا جا رہا تھا۔

ماںجی نے بھگوت سنگھ جی کو دولت سنگھ کی پتنی کے حویلی آنے کی خبر سنائی۔ اس نے اس کے حسن و اخلاق کی ستائش کی اور کہا کہ وہ ان کی مزاج پرسی کے لیے یہاں آئی تھی۔

بھگوت سنگھ جی پہلے تو گیتا کی طرف دیکھنے لگے اور بعد میں ماںجی پر اپنی نگاہیں لگائیں۔ ان کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں اور انھوں نے جسارت سے کہا کہ پہلے ہمیں ٹھیک ہو جانے دو پھر ہم اپنی پوتی کے مستقبل کے بارے میں کافی سوچ بچار کریں گے۔

گیارھواں باب

چند دن اور گزر گئے۔ لیکن بھگوت سنگھ جی کی حالت میں کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ در حقیقت ان میں نقاہت بڑھتی ہی گئی۔ ڈاکٹر روزانہ تین چار مرتبہ انھیں دیکھنے چلے آتے تھے۔ انھیں بلوا بھیجنے کی ضرورت تو نہ تھی وہ خود چلے آرہے تھے۔ ان کی نظر میں بھگوت سنگھ جی صرف ایک مریض ہی نہیں بلکہ ایک معزز شخصیت تھی جنھیں وہ عزیز رکھتے تھے اور ان کا احترام کرتے تھے۔ اجے سنگھ نے دوسروں کی نگاہوں سے اپنا غم چھپائے رکھا۔ اب بہت کم ملاقاتی آنے لگے۔ صرف قریبی رشتہ دار ہی حویلی میں پڑے ہوئے تھے۔ آنگن میں مردانی سی چھائی تھی۔ نوکر لوگ خاموشی سے اپنے کاموں میں لگے رہے اور نوکرانیاں سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگیں۔ جب وہ اپنا کام ختم کر چکتیں تو مالک کی صحت یابی کی خبر سننے کے لیے بے تابی سے بیٹھی رہا کرتیں۔ تلسی کے پودے کے روبرو گھی کا دیا مسلسل جلتا رہا۔ مالکن جب اپنے شوہر کے قریب نہ ہوتیں تو وہ پوجا گھر میں چلی جاتیں کسی نے نہ تو ان سے بھوجن تیار کرنے کے بارے میں پوچھا اور نہ ہی کسی نے نوکروں کے لیے پکوان کی اشیاء دکھائیں۔ بھنڈار کی سبھی چابیاں اب گیتا کے سپرد تھیں۔ پاری اس کا ہاتھ بٹا رہی تھی لیکن اس کی توجہ بھی ان تفصیلات پر مرکوز نہیں تھی۔ اور بدحواسی میں وہ مالکن کے ساتھ ساتھ گھومتی پھرتی رہی۔

بھگوت سنگھ جی دوپہر کے وقت نیند سے بیدار ہوئے سب ہی رشتہ دار ان کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ پوتے پوتیاں ان کے پلنگ پر بیٹھے تھے۔ وکرم

نے جو ہوائی جہاز تیار کیا تھا اس کے بارے میں انھیں سب کچھ بتایا۔ جب وہ چائے پی رہے تھے تو وجے نے انھیں وہ گلوبند دکھلایا جو اس نے اس کے لیے لیا تھا۔ ان کی آنکھیں روشن تھیں اور ان کے چہرہ کی زردی قدرے کم ہوگئی تھی انھیں سانس لینے میں کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ انھوں نے چائے کی پیالی گوکل کو دیتے ہوئے اس سے کہا کہ وہ گنگا رام کو ان کے پاس بھیج دے۔

گنگارام اپنا سر جھکائے ہوئے کمرہ میں چلا آیا جیسے کسی نے اس کے سر پر چوٹ لگائی ہو اس نے مالک کے روبرو اپنا سر جھکایا لیکن انھیں آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی اس میں ہمت نہ تھی۔

"گنگارام۔ میں نے سنا ہے کہ تم بیاہ کے انتظامات سے مطمئن ہو۔ بھگوت سنگھ جی نے مسکراتے ہوئے کہا" تم نوکر لوگ کسی کی بات نہیں مانتے اور اپنے قدیم رسم ورواج برقرار رکھنے کے لیے قرضہ میں دبے رہتے ہو۔ گوکل نے مجھے بتلایا کہ تم نے بھاری سود پر قرضہ لے رکھا ہے۔ اس مرتبہ تو میں تمھاری نادانی کو نظر انداز کر رہا ہوں۔ میں نے منیم سے کہہ دیا ہے کہ تم نے سیتا کے بیاہ کے لیے جو قرضہ لیا ہے وہ سب ادا کردیا جائے" یہ کہنے کے بعد انھوں نے گہری سانس لی اور پھر لیٹ گئے۔ گنگارام وہیں کھڑا رہا۔ اس کے پیر فرش پر گڑے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ اس نے احترام سے اپنے ہاتھ جوڑتے ہوئے سر جھکا کر مالک کے پیر چھونا بھول بیٹھا۔ گوکل نے اس کے شانوں کو جنبش دیتے ہوئے اس کو شانوں کا اشارہ کیا۔

گیتا پر حیرت زدگی کا سایہ چھایا ہوا تھا۔ وہ اس شخصیت پر نازاں تھی۔ جو اس کے پتی کا پتا تھا۔ یکایک وہ اعلیٰ مرتبت کا صحیح مفہوم سمجھنے لگی۔ وہ ایک سایہ دار درخت کے مانند تھے جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں یہ خاندان پروان چڑھا تھا۔ انھیں کے ٹکڑوں پر تو وہ پلے تھے اب جب کہ یہ درخت ہی نہ رہا اس کی جڑوں سے پھوٹتے ہوئے کونپل بے سہارا بن چکے ہیں۔ حویلی کی وہ اگلی شان وشوکت بحال نہ رہے گی۔ ابھی سے اس کی بنیادیں ہلنے لگی ہیں۔ لرزہ براندام گیتا کے ہاتھ کانپنے لگے۔ وہ اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکی۔ اجے سنگھ اپنی ماں

کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اس کے قریب جا بیٹھا اور اس کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ وہ کہنے لگا کہ اس کے پتا ٹھیک ہو جائیں گے کیوں کہ ڈاکٹر ان کی حالت سے مطمئن ہیں لیکن وہ مایوسی سے بستر کی طرف دیکھنے لگی اور اس کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے۔

شام کا پہلا پہر تھا جب کہ بھگوت سنگھ جی کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہو گئیں۔ جب وہ جیون نواس چھوڑ چکے تھے تو وہ تنہا نہیں تھے۔ ان کی پتنی جس نے ساٹھ برسوں تک ان کا ساتھ دیا تھا ان کے قریب تھیں اور جب ان کی آنکھوں کی جوت ختم ہو رہی تھی تو اُن کا لڑکا اور بہو ان کے بستر کے قریب کھڑے تھے۔ ان کے وفا شعار نوکر برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے صرف گوکل ان کے بستر کے قریب فرش پر لیٹا تھا۔

اجے سنگھ نے اپنے پتا کے چہرہ پر سفید چادر ڈال دی اور ان کے پیروں پر اپنا ماتھا ٹیک دیا۔ حویلی کا مالک اب اپنے آباو اجداد سے جا ملا تھا۔ صبح ہونے سے قبل جیون نواس میں چاروں طرف سے عورتیں آنے لگیں اور ان کے رونے پیٹنے کی آوازیں گونجنے لگیں۔ حویلی کا آنگن کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ کچھ عورتیں صاف ستھری ساڑیوں میں اور کچھ پھٹے پرانے کپڑوں میں بلا امتیاز وہاں جمع تھیں۔

وہ یہاں بیٹھے ہوئے جیون نواس کے مالک کا سوگ منا رہی تھیں۔

گیتا پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ بھگوت سنگھ جی کی موت کا اسے پہلے ہی سے اندیشہ لگا تھا۔ لیکن اس کو یہ یقین نہ ہوا کہ صبح صبح ان کی موت واقع ہو گئی ہے۔

"بھابھی کہاں ہیں؟ اس نے چلاتے ہوئے پوچھا۔ ماجی نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا" میری لاڈولی، وہ آرہی ہیں، وہ اپنے کپڑے بدل رہی ہیں۔ جیون نواس کی مالکن آخر کار کمرے سے باہر نکل آئی۔ اس کا سکڑا ہوا بدن سیاہ کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے کنگن، گلے سے ہار اور پیروں سے پائل اتار ڈالے تھے۔

گیتا نے اپنی ساس کے کمزور بدن کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور

چلانے لگی " بھابھی تم نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے میں تمھیں سیاہ لباس میں دیکھنا نہیں چاہتی۔ تمھاری وہ چوڑیاں اور گلے کا ہار کیا ہوا ؟ ابھی کچھ دیر پہلے تو تم نے نارنگی رنگ کی ساڑی زیب تن کیے ہوئے تھی ؟ تم نے یہ کہاں پھینک دیا؟ بھگوت سنگھ جی کی پتنی نے گیتا کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اپنی کمزور لیکن محبت بھری آواز میں کہنے لگی " بنی جی دیوی نے مجھ سے میری تمام خواہشیں چھین لیں۔ مجھ کو بے سہارا بنا دیا۔ بھگوان تمھاری نگہبانی کرے۔ تمھاری مانگ کا سندور قائم رہے۔ تمھارے ہاتھ ہمیشہ سونے سے پیلے رہیں۔ میری بچی رو مت۔ تمھارے سسر جی نے باوقار زندگی گزاری تھی۔ وہ چلے گئے اور اب تم اس گھر کی مالکن ہو۔ اگر تم نے انھیں چاہا تھا تو اس حویلی کو اپنی اولاد کی امانت سمجھو۔ انھوں نے تو اپنی ساری ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔ اب تمھاری باری ہے۔ رونا مت۔ اگر تم نے ہمت ہار دی تو مجھے کون سہارا دے گا۔ تم ہی میرے لیے سب کچھ ہو۔ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔

جیون نواس کی اس عالی مرتبہ اور پُر وقار خاتون کو تسلّی دینے کے لیے گیتا نے اپنے جذبات کو قابو میں رکھا اور اپنے غموں کی سوزش پوشیدہ رکھی۔ ان دونوں نے آنگن کے برآمدہ کا رخ کیا۔ حویلی کے چاروں طرف عورتوں کے رونے کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

" تم روؤ مت بنی جی۔ ماں جی نے گیتا کا سر اپنی چھاتی سے لگاتے ہوئے کہا۔ اب تم اس حویلی کی مالکن ہو۔ تم اپنے غموں کے بوجھ میں حویلی کی روایات کو بھلا نہ دینا۔